UNIVERSAL LIBRARY
OU_222871
UNIVERSAL LIBRARY

OUP—391—29-4-72—10,000.

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۲، صرین Accession No. U 155

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

(جملہ حقوق محفوظ)

شہرۂ آفاق فرانسیسی انشا پرداز گستیو فلابیئر کا شہ پارہ

سلامبو

مترجمہ

مولانا عنایت اللہ دہلوی بی۔ اے
(سابق ناظم دار الترجمہ حیدر آباد دکن)

ناشر

مشہود احمد دہلوی

مطبوعہ ادریس المطابع دہلی

قیمت ہر دو حصص تین روپے

۸۲۳۵ ۸۹۱۲۳
ع ۔ر

فہرست مضامین

CHECKED 1965

نمبر شمار	نام ابواب	صفحہ
	حصّہ اوّل	
(۱)	ضیافت	(۳)
(۲)	سکہ کورواگی	(۳۰)
(۳)	سلامبو	(۶۵)
(۴)	قرطاجنہ کی شہر پناہ کے نیچے	(۷۸)
(۵)	تانیت	(۱۰۸)
(۶)	شفیتی حانو	(۱۳۲)
(۷)	ہملکار برقہ	(۱۶۶)
(۸)	دریائے ماکار پر لڑائی	(۲۲۵)
	حصّہ دوم	
(۹)	لڑائی کے میدان میں	(۲۵۵)
(۱۰)	سانپ	(۲۷۹)
(۱۱)	خیمہ کے اندر	(۲۹۹)
(۱۲)	اُونچی محرابوں والی نہر	(۳۲۹)
(۱۳)	مولخ کے بُت پر بچوں کی قربانی	(۳۶۴)
(۱۴)	تیشے والی گھاٹی	(۴۲۳)
(۱۵)	ماتو	(۴۸۱)

U153

باب (۱)

ضیافت

قرطاجنتہ الشرق کے مضافات میں میگارا کی آبادی تھی۔ یہاں ہملکار برقہ کے باغات تھے۔ جزیرہ صقلیہ میں جنگ اے رکس میں جو فوجیں ہملکار کے زیرِ فرمان لڑکر فتحیاب ہوئی تھیں وہ آج اس فتح کی خوشی میں جشنِ سالگرہ مناکر ایک بڑی ضیافت میں مصروف ہیں۔ خود ہملکار جس کے یہ باغ تھے، اس وقت موجود نہیں ہے۔ سپہ سالار کی عدم موجودگی میں سپاہی بڑی آزادی اور بے تکلفی سے کھاپی رہے ہیں۔

فوجی افسر برنجی خفتان پہنے بیچ کی روش پر ایک سُرخ شامیانے کے سائے میں جس کی جھالر منقش کی ہے، میزوں کے کنارے بیٹھے ہیں۔ شامیانہ اصطبل سے لیکر محل کے چبوترے تک کھنچا ہے۔ معمولی سپاہی درختوں کی چھاؤں میں بیٹھے کھاپی رہے ہیں۔ ان درختوں میں سپاٹ چھتوں کے مکانات جا بجا بنے ہیں۔ کسی میں شراب کھینچنے کا سامان رکھا ہے۔ کسی میں شراب ذخیرہ کرنے کیلئے تہ خانے بنے ہیں۔ کہیں مودی خانہ کہیں مطبخ ہے۔ کوئی سلح خانہ ہے۔ یہیں ایک فیل خانہ بھی ہے اور یہیں ایک بڑا مکان غُلاموں کے رہنے کا ہے۔

باورچی خانے کے گرد انجیر کے درخت لگے ہیں اور یہیں سے صنوبر کی سر درختیاں شروع ہو جاتی ہیں اور اُن کی سبزیاں پھول کھِلے اناروں کی سُرخی میں ملی جلی نظر آتی ہیں۔ انہی سے ملے

ہوئے کپاس کے کھیت ہیں جن میں ڈوڈے چیخ کر سپید سپید روئی کی جھلک دکھا رہے ہیں۔ حمیر کی شاخوں پر انگور کی بیلیں چڑھی ہیں اور ان میں انگور کے خوشے جابجا لٹکے ہیں۔ اونچے اونچے درختوں کے نیچے ایک طرف گلاب کا تختہ ہے جس میں پھول کھلے ہیں۔ گھاس میں کہیں کہیں گُلِ نیلوفر بھی کھل کر اپنی بہار دکھا رہا ہے۔ روشوں پر بجری کی جگہ سیاہ ریت بچھا ہے جس میں سونے کے ذرے چمکتے ہیں۔ سرو کی دو سری قطار اِس سرے سے اس سرے تک سبز رنگ ستونوں کی دو صفیں معلوم ہوتی ہیں۔

ان باغوں میں ایک طرف کسی قدر فاصلے سے ہملکار برقہ کا عالیشان محل ٹلک نمودیا کے سنگِ مرمر کا بنا ہوا نظر آتا ہے۔ سنگِ مرمر وہ ہے جس پر زرد دھاریاں پڑی ہیں۔ محل ایک سنگین اور مستحکم چبوترے پر چار منزل کا ہے۔ ہر اُوپر کی منزل نیچے کی منزل سے چھوٹی ہوتی گئی ہے اور ہر منزل کے سامنے کچھ صحن چھوٹا ہے۔ محل کی پہلی منزل پر چڑھنے کے لئے آبنوس کی سیڑھیاں ہیں۔ ہر سیڑھی کے گوشے پر ایسے سفینوں کے سامنے کے حصے جو لڑائیوں میں فتح ہوئے تھے، جُدا کرکے یہاں نصب کئے ہیں۔ محل کے دروازے سُرخ رنگ کے ہیں، اور کواڑوں پر سیاہ چلیپا بنا کر چار حصّوں میں اس کی تقسیم کی ہے۔ ہر منزل کے چبوترے کے سرے پر پیتل کی جعفریاں لگی ہیں تاکہ نیچے سے اگر فلاخن سے کوئی پتھر مارے تو محل محفوظ رہے۔ ان جعفریوں میں اُوپر کے رُخ جہاں جہاں جگہ خالی چھوڑی ہے، وہاں روپہلی سُنہری سلاخیں لگا کر حفاظت کر دی ہے۔ سپاہیوں کی نظر میں یہاں کی ثروت و متانت اور یہ بات کہ کسی کو وہاں دخل نہ تھا۔ یہ محل ہملکا کا چہرہ معلوم ہوتا تھا۔

جمہوری ریاست قرطاجنہ کی مجلس نے ہملکار کے رہنے کا محل اس ضیافت کے لئے تجویز کیا ہے، زخمی سپاہی جن کو اب کچھ افاقہ تھا، ہیکل عشمون سے سورج نکلتے ہی لکڑیوں کے سہارے ضیافت میں شریک ہونے آ رہے ہیں۔ ہر راستے اور روش سے آدمی جوق جوق اس طرح ان باغوں کی طرف آ رہے ہیں جیسے کسی جھیل میں نالے ندیوں سے پانی کی رَو آ کر گِرتی ہو۔

باورچی خانوں میں جو غلام کام کرتے تھے اُن کے جسموں پر زخموں کے داغ پڑے ہیں۔ یہ سب تقریباً برہنہ ہیں۔ اس وقت وہ درختوں کے اِدھر اُدھر دوڑتے نظر آتے ہیں۔ باغ کے سبزہ زاروں میں خوبغزالے چر رہے تھے وہ اس ہجوم کو دیکھکر بھاگ گئے۔ آفتاب غروب ہونیکو ہے۔ لوگوں کے پسینے کی بُو لیموؤں کے پھولوں کی تیز خوشبو میں مل کر ہوا میں بھاری پن پیدا کرتی ہے۔

سپاہیوں میں ہر قوم اور ملت کے لوگ تھے۔ لی گوریہ اور لوسی تانیہ کے لوگ۔ جزائر شرق الاندلس کے باشندے، حبشی اور وہ لوگ جو رومتہ الکبریٰ سے بھاگ کر آئے تھے، سب موجود تھے۔ ڈوری زبان میں کیلٹک زبان کے جملے اس طرح سننے میں آتے تھے جیسے جنگی رتھوں کے پہیوں سے چلنے میں آواز ہو۔ آئی اونیا والوں کے الفاظ کے آخری حروف صحرا کی بے سُری بولیوں میں مل کر جن کی آواز گیدڑوں کے چیخنے سے زیادہ مُشابہ تھیں عجیب بے ربط اور بے جوڑ معلوم ہوتے تھے۔ یونانی اپنے چھریرے بدن سے، مصری اپنے چوڑے چکلے سینوں اور کندھوں سے اور قنطابری اپنی بھری بھری پنڈلیوں سے پہچانا جاتا تھا۔ کاریا والوں کی ٹوپیوں میں پر لگے تھے۔ وہ بڑے فخر و ناز سے ان پروں کو جنبش دیتے تھے۔ کپاووسیا والوں نے اپنے تمام جسم پر کسی جڑی بوٹی کے عرق سے بڑے بڑے پھول بنا رکھے تھے۔ لائیڈیا کے باشندوں نے عورتوں کا سا لباس زیب تن کیا تھا۔ پاؤں میں چپلیاں اور کانوں میں سونے کے بالے تھے۔ بعض لوگ اپنے جسم پر سیندور ملے تھے معلوم ہوتا تھا کہ سُرخ مونگے کے مجسمے کھڑے ہیں۔

سب لوگ فرش پر جہاں چھوٹے بڑے تکیے بہت سے پڑے تھے بڑی بڑی سینیوں کے گرد بٹھائے گئے تھے سینیوں میں طرح طرح کے کھانے چُنے تھے۔ کھانے کے وقت بعض کی کیفیت یہ ہوئی کہ پیٹ کے بل لیٹ کر کھانے کی قابیں اپنی طرف کھسکا لیتے۔ اور دونوں کُہنیاں زمین پر ٹیک کر اس طرح کھاتے جیسے جنگل کا شیر بیٹھا شکار کھاتا ہو۔ جو لوگ

سب سے آخیر میں آئے تھے وہ درختوں کے سہارے کھڑے تھے اور وہ اِس سُرخ غلافوں سے ڈھکی ہوئی سینیوں کو حسرت سے دیکھتے تھے جن میں سے کھانے کی جھلک کبھی کبھی نظر آجاتی تھی۔ یہ اِس اُمید میں کھڑے ہیں کہ کھانے کی باری اُنکی بھی تو آئے گی۔

ہملکار کے باورچی خانے کا سامان اتنی بڑی ضیافت کے لئے کافی نہ تھا، اسی لئے ریاست قرطاجنہ کی مجلس نے اپنی طرف سے بہت سے غلام اور کھانے کے برتن اور بہت سی کوچیں وغیرہ بھیجدی تھیں۔ اب ان باغوں میں مُسلّم بیل کباب کرنے کے لئے اسی طرح آگ روشن کی گئی جیسے لڑائی کے میدان میں مُردے جلانے کے لئے روشن کی جاتی ہے۔

سونے چاندی کے نقشین پیروں کی ٹوکریوں میں پھول اور روٹیاں رکھی تھیں۔ اور ان سب پر عرق بادیان چھڑکا ہوا تھا۔ یہ ٹوکریاں دسترخوان کے گرد اس طرح چُنی تھیں کہ ہر ٹوکری کے بعد ایک چکتی پنیر کی جو لوہے کے قُرص سے بھی زیادہ وزنی اور سخت تھی، رکھی تھی۔ اسی طرح صراحیاں شراب سے اور بڑے بڑے قرابے پانی سے بھرے دسترخوان پر موجود تھے، اس بات پر سب کا دل خوش تھا کہ لذیذ کھانے جس قدر جی چاہے گا آزادی کیساتھ کھائیں گے۔ اتنے میں کہیں کہیں گانا بھی شروع ہو گیا۔

کھانے بیٹھے تو سب سے پہلے پرندوں کے گوشت سبز رنگ سرکے کیساتھ مٹی کی سُرخ رکابیوں میں جن پر سیاہ گُل بوٹے تھے پیش ہوئے۔ ہر قسم کی مچھلیاں جو قرطاجنہ کے گرد کے سمندروں میں پیدا ہوتی تھیں پکی ہوئی آئیں۔ ان کے ساتھ جَو، گیہوں اور دال کا دلیہ بھی تھا، زرد عنبری طشتریوں میں گھونگے تقسیم ہوئے۔ میزوں پر جو کھانے چُنے گئے تھے اُن میں مُسلّم ہرن بھنے ہوئے مع سینگوں کے۔ موروں کے کباب اُن کی دُموں سمیت۔ پوری پوری بھیڑیں شراب شیریں میں جوش کی ہوئی۔ بھنے ہوئے ٹڈے اور ٹڈیاں اور موش صحرائی بھی بڑی بڑی قابوں میں رکھے تھے۔ تمرابانی سے لائی ہوئی لکڑی کے پیالے اور بادیوں میں چربی کے ٹکڑے

زعفران میں تیرتے تھے۔ ہر کھانے کیساتھ طرح طرح کے اچار، حلتیت (ہینگ) اور قارچ ضرور ہوتا تھا۔ میز کے قریب پھلوں کے انبار قرینے سے لگے تھے۔ مگر اب یہ پھل بکھرے پڑے تھے۔ باورچی ایک خاص کھانا تیار کرنا نہ بھولے۔ یہ کھانا وہ تھا جو قرطاجنہ کے لوگوں کو خاص طور پر مرغوب تھا، لیکن اور قومیں اس کو نہایت کراہت اور نفرت سے دیکھتی تھیں۔ وہ کھانا یہ تھا کہ کتیا کے پلوں کو بلوط کے پھل کھلا کھلا کر خوب موٹا کیا جاتا تھا۔ اور جب اُن پر شربتی رنگ کا رُواں آنا شروع ہوتا تو اُن کو پکایا جاتا۔ ان عجیب وغریب کھانوں پر لوگوں کو حیرت ہوتی اور حیرت کے ساتھ ہی اشتہا میں تیزی۔ ملک گالیہ کے لوگ جن کے لمبے لمبے بالوں کے جوڑے سروں پر بندھے تھے۔ انہوں نے پھلوں میں سے چکوترے اور تربوز اٹھائے اور ان کو چکھ کر مع بیج اور چھلکوں کے نوش جان کر گئے۔ حبشی جنہوں نے کیکڑے کبھی نہ دیکھے تھے، پہلے انہوں نے ان بھُنے جانوروں کا سر اور پھر پیٹھ کی ہڈی کا گوشت انگلیوں سے نوچ نوچ کر کھایا۔ یونانی جو داڑھیاں نہ رکھتے تھے اور جنکی جلد سنگِ ابیض سے بھی زیادہ سپید تھی وہ اپنی جھوٹی رکابیاں پیٹھ کے پیچھے لاکر صاف کر لیتے تھے۔ اور برو تیم کے گڈریئے جو بھیڑ کی کھال پہنے تھے کھانوں پر اتنا جھک کر بڑے بڑے نوالے کھاتے تھے کہ اُن کے سر کھانوں میں نظر نہ آتے تھے۔

سرو کی دو طرفہ قطاروں پر جو شامیانہ تنا تھا وہ رات ہوتے ہی اُتار دیا گیا۔ اور روشنی کیلئے مشعلیں لائی گئیں۔ بندر جو سرو کے درختوں میں رہتے تھے جب انہوں نے پتھر کے چراغدانوں میں تیل جلنے کی روشنی دیکھی تو ڈالیوں میں چیخنے چلانے لگے۔ انکی آوازوں پر سپاہیوں میں ہنسی دل لگی کا سامان بڑھا۔ جو سپاہی برنجی خفتان پہنے تھے، اُن کے سینوں پر چراغوں کی لَو لمبی ہو کر چمکنے لگی۔ جن ظروف پر جواہر جڑے تھے اُن پر روشنی عجیب عجیب رنگوں میں تڑپتی تھی۔ پیالوں پر محدب آئینے جڑے تھے۔ ایک ایک چیز کے کئی کئی عکس اُن میں پڑتے تھے۔ سپاہی ان پیالوں کے گرد جمع ہو گئے اور اپنی صورتیں ان میں دیکھ کر تعجب کرنے لگے

پھر چہرے بنا بنا کر خوب قہقہے لگائے۔ اب سونے کی چوکیاں اور ہاتھی دانت کی کرسیاں جو میزوں کے گرد لگی تھیں اُن کو اُٹھا اُٹھا کر پھینکنے لگے۔ پھٹے حلق بڑے بڑے گھونٹوں میں شرابیں چڑھانی شروع کیں۔ شرابیں وہاں ہر قسم کی موجود تھیں۔ یونان کی شرابیں چمڑے کے مشکیزوں میں کمپانیہ کی شرابیں خُموں اور مٹکوں میں اور قنطبریا کی شرابیں پیپوں میں بھری تھیں۔ یہ خُم اور پیپے شراب کے سامنے رکھے تھے۔ ان کے علاوہ اور قسم کی شرابیں بھی تھیں۔ مثلاً شجر صنصوف اور قرنفے کی شراب اور نیلوفر کے پھل سے کھنچی ہوئی شراب بھی وہاں موجود تھی۔ کھانوں کی بھاپ میں سپاہیوں کا سانس عجیب بُو اور ہوا میں کثافت پیدا کرتا تھا۔ ایک ہی وقت میں صدہا جبڑوں کے چلنے اور بولنے کی آواز اُس پر گانے کا شور، پیالوں اور رکابیوں کی کھڑبڑ۔ پھر کہیں کمپانیہ کا کوئی برتن ٹوٹ کر ٹکڑے ہوا تو اُس کی جھنکار یا چاندی کی سینیوں کے کسی چیز سے ٹکرانے کی آواز، یہ سب ملا ملا کر کچھ عجیب قسم کا شور پیدا کرتی تھیں۔

سپاہیوں کو جوں جوں نشہ بڑھا قرطاجنہ کی بے انصافیاں اُن کے ذہن میں اور تازہ ہوتی گئیں۔ واقعہ یہ تھا کہ یہاں کی جمہوری ریاست اب لڑتے لڑتے اپنا سرمایہ تقریباً کُل صرف کر چکی تھی۔ اُس نے مستاجر فوجوں کے تمام دستوں کو شہر میں جمع ہونیکا حکم بھیجا۔ جسکو نے جو اِن فوجوں کا سردار تھا اتنی احتیاط کی کہ صرف ایک ایک دستہ شہر میں بھیجا تاکہ اُن کے مطالبوں کی ادائی میں آسانی ہو۔ مجلس ریاست کے ارکان کو اِس امر کا یقین تھا کہ سپاہی اپنی رقموں میں کچھ کمی ضرور کر دیں گے۔ لیکن اب مجلس کی حالت یہ ہوئی کہ سپاہیوں کے مطالبات کا ایک خفیف حصہ بھی ادا کرنا غیر ممکن ہوا۔ فوجیوں میں اب مجلس سے شکایت اور بڑھی۔ عام لوگوں کا خیال تھا کہ یہ قرضہ ان تین ہزار دو سو ٹیلنٹ میں خلط ملط کر دیا گیا ہے جو لوتاتیوس نے جبراً وصول کیا تھا۔ غرض رومانیوں کی مثل یہ مستاجر سپاہی بھی قرطاجنہ کے دُشمن سمجھے جانے لگے۔ مستاجر بھی اس بات کو

تاڑ گئے اور وہ اپنا غصہ طرح طرح کی سرکشی اور بغاوت اور دھمکیوں میں ظاہر کرنے لگے۔ آخرکار مستاجر فوجوں نے مجلس سے درخواست کی کہ وہ ان سب کو مل کر فتح کی خوشی میں جشن کرنے کی اجازت دے مجلس کا وہ فریق جو امن کا حامی تھا اس نے ہملکار سے انتقام لینے کی غرض سے جو ہمیشہ لڑنے اور لڑائیاں جاری رکھنے کی رائے دیا کرتا تھا مستاجروں کی درخواست منظور کر لی۔ گو ہملکار نے مخالفت میں بہت کوشش کی مگر مجلس اس نتیجے پر پہونچی کہ درخواست منظور کر لے۔ جب ہملکار کو قرطاجنہ کے متعلق ناامیدی ہوئی تو اس نے مستاجر فوجوں کو گسکو کے تحت کر دیا۔ یہ امر کہ مجلس نے مستاجروں کے جمع ہونے کیلئے ہملکار کا محل کیوں مخصوص کیا' اس کی غرض یہی تھی کہ ان مستاجروں سے جو نفرت مجلس کے ارکان کو ہے وہی ہملکار کو ہو جائے۔ ضیافت میں مصارف کثیر کا ہونا بھی ضروری تھا مجلس کے ارکان سمجھتے تھے کہ یہ کل مصارف ہملکار ہی کے ذمے پڑینگے۔

مستاجر فوجوں کے سپاہی اس بات پر بہت خوش تھے کہ انہوں نے مجلس قرطاجنہ کو آخرکار ان کی درخواست منظور کرنے پر مجبور کر دیا۔ مستاجروں کو اب یقین تھا کہ وہ جلد اپنے خون کا معاوضہ اپنی چادروں میں بھر کر اپنے اپنے گھروں کو واپس جائیں گے۔ چونکہ یہ سپاہی اس وقت سب نشے میں تھے اس لئے ان کو اپنی تکلیفیں زیادہ معلوم ہوئیں۔ ان کو یہ بھی خیال ہوا کہ ہماری محنت و جانبازی کا صلہ ہم کو کم دیا گیا ہے جس کو جو رقم ملی تھی وہ دوسرے کو دکھانے لگا۔ آپس میں ان لڑائیوں کا ذکر کرنے لگے جن میں وہ لڑے تھے۔ اور جو زخم ان کو وہاں پہونچے تھے اب ایک دوسرے کو دکھانے لگا۔ یا ان معرکوں میں جہاں جہاں کہ انہوں نے سفر کیا تھا ان کو بیان کرنے لگے۔ یا ان کے ملک میں جو طریقے صید و شکار کے تھے ان کے بیان ہوتے۔ اور شکار میں جس جس طرح وحشی جانور اچھلتے کودتے یا بولتے ہیں ان کی نقلیں اتارنے لگے۔ اب نہایت نامعقول شرطیں باندھ کر جوا شروع کیا۔ شراب کے مٹکوں میں سر ڈال دئے۔ اور سپاہی اونٹنیوں کی طرح

شراب پینی شروع کی یعنی اس طرح کہ بیچ میں دم نہ ٹوٹے۔ اور اب ایک بڑا دیو ہیکل لوستی تانی ہاتھ پھیلا کر اٹھا۔ ایک ایک آدمی اس کے ایک ایک ہاتھ پر کھڑا تھا۔ اب اس دیو نے اپنے نتھنوں سے آگ نکالنی شروع کی۔ کلدیمونی جنہوں نے ابھی تک اپنے ہنبیا دنہ اتارے تھے بھاری بھرکم بنے ادھر ادھر کودنے اچھلنے لگے۔ ان میں بعض نے عورتوں کے انداز اختیار کیے اور نہایت بیہودہ حرکتیں شروع کیں بعض بالکل ننگے ہو گئے اور روما کے شمشیر بازوں کی طرح شراب کے پیالوں پر لڑنے لگے۔ یونانی ایک خوبصورت اونچے ظرف کے گرد جس پر پریوں کی تصویریں بنی تھیں حلقہ باندھ کر ناچنے لگے۔ ایک حبشی کو کچھ اور نہ ٹپڑا تو بیل کی ایک ہڈی ہاتھ میں لے ایک بڑی سی ڈھال کو اس سے پیٹ پیٹ کر بجانے لگا۔

اب اسی حالت سکر میں ان سپاہیوں نے ایک دردناک گیت کی آواز سنی۔ یہ گیت ایسا تھا جس میں زور اور لطف دونوں موجود تھے۔ اس کی صدائیں اس طرح اٹھتی اور گرتی سنائی دیتی تھیں جیسے کوئی زخمی پرندہ زخم کی تکلیف میں اپنے پروں کو اٹھائے اور گرائے۔

یہ آواز غلاموں کے گانے کی غلام خانے سے آرہی تھی۔ بعض سپاہی اس مقصد سے کہ غلاموں کو آزاد کیا جائے کود کود کر اٹھے اور غائب ہو گئے۔ جب یہ لوگ واپس آئے تو گرد و شور میں ان کے آگے آگے تقریباً بیس آدمی تھے۔ رنگتیں ان کی زرد تھیں، چھوٹی چھوٹی مخروطی شکل کی اونی ٹوپیاں انکے منڈے ہوئے سروں پر رکھی تھیں۔ پاؤں میں سب کے لکڑی کی کھڑاویں تھیں۔ چلتے میں ان سے آواز ایسی نکلتی تھی جیسے پرانے قسم کے جنگی رتھوں کے پہیوں سے جبکہ وہ لڑائی پر جاتی ہوں، پیدا ہو۔

جب یہ غلام اس روش پر آئے جہاں دو طرفہ سرو کی قطاریں کھڑی تھیں تو لوگوں نے ان کے متعلق اتنے سوال کیے کہ وہ ان سوالوں کے طوفان ہی میں گم ہو گئے۔ ایک غلام ان میں البتہ ایسا تھا جو سب سے علیحدہ کھڑا رہا۔ اس کے بازوؤں اور کندھوں پر بڑے بڑے

داغ تھے جو اُس کے پھٹے پُرانے کپڑوں میں سے نظر آتے تھے۔ سرنیچا کئے وہ آدمیوں کے اِس ہجوم سے بدگمان تھا مشعلوں کی روشنی سے اُس کی آنکھیں کسی قدر بند تھیں۔ لیکن جب اُسکو معلوم ہوا کہ جس قدر لوگ اُس کے گرد کھڑے ہیں اُن میں کسی کا ارادہ بھی اس کو گزند پہنچانیکا نہیں ہے تو پھر اُس کے مُنہ سے ایک آہ سرد نکلی اور وہ ہکلا ہکلا کر اس طرح باتیں کرنے لگا جیسے کوئی فاتر العقل باتیں کرے۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں چہرے پر رواں تھیں۔ ہاتھ بڑھا کر شراب کا ایک کاسہ جس کے دونوں طرف دستگیاں تھیں اور شراب سے لبریز تھا، اُٹھایا۔ دونوں ہاتھوں میں لوہے کی زنجیر پڑی تھی۔ جہاں تک زنجیر نے اجازت دی ایک ہاتھ اُونچا کیا۔ اور کاسہ شراب ہاتھ میں لئے آسمان کی طرف دیکھکر کہا۔

"سب سے پہلے بعل عثمون کا نام لیتا ہوں جس نے میری قوم اسکی پیوس کو نجات بخشی۔ پھر چشموں اور نورِ آفتاب ورصحرا کے جنات کا نام لیتا ہوں۔ پھر اے دیوتا، جو پہاڑوں اور زمین کے غاروں میں بستے ہو، اور پھر اُن چمکتے تاروں زرہ بکتر لگائے جوانمردوں کا نام، جنہوں نے مجھے قید سے آزاد کیا، زبان پر لاتا ہوں"۔

اتنا کہکر شراب چکھی اور ساغر پھینک دیا۔ اور اپنا قصہ سُنانا شروع کیا۔ نام اِس شخص کا اسپنڈیوس تھا۔ جنگ رگی نوتی میں قرطاجنہ کے سپاہیوں نے اس کو گرفتار کیا تھا۔ اُس نے ایک بار اور یونانی، لیگوری اور فنیقی زبانوں میں اپنے رہا کرنے والوں کا شکریہ ادا کیا۔ اُن کے ہاتھ چُومے اور آخر میں اِس جشنِ فتح پر ان کو مبارکباد دی۔ لیکن بڑی حیرت سے پوچھا کہ "جیوشِ اشرف" کے کاسہ ہائے شراب کہاں ہیں، مَیں اُن کو یہاں نہیں دیکھتا۔ یہ شش پہل پیالے شراب پینے کے تھے۔ اُن کے ہر پہل پر انگور کی بیل فیروزے سے جڑ کر بنائی تھی۔ یہ خوبصورت پیالے دراصل فوج سوارہ کے ایک دستے کی ذاتی ملکیت تھے۔ سواروں کے اس دستے میں شرفا شہر میں جو لوگ نہایت قدآور ہوتے تھے صرف وہی بھرتی کئے جاتے تھے۔ ان پیالوں کو اپنے قبضہ میں رکھنے کا خصوصیت کیساتھ

ان کو حق حاصل تھا۔ اور اس حق میں ایک خاص تقدس شامل تھا۔ ریاست کے کل مال و دولت میں سے جس قدر ان پیالوں پر قبضہ کرنے کی تمنا ان مستاجروں کو تھی کسی اور چیز کی نہ تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ اس جیش اشرف کے سواروں سے ان کو عداوت ہو گئی تھی۔ اور اس خوشی میں کہ ایک دن ان پیالوں میں ہم بھی شراب پئیں گے۔ ان میں سے بعض نے جانیں تک کھونی گوارا کی تھیں۔ پس انہوں نے حکم دیا کہ وہ طلائی پیالے حاضر کئے جائیں۔ اس زمانے میں یہ پیالے قرطاجنی سوداگروں کی ایک جماعت کے قبضے میں تھے اور یہ سب سوداگر ایک ہی جگہ ملکر کھایا کرتے تھے۔ چنانچہ غلام روانہ کئے گئے کہ پیالے لائیں۔ غلاموں نے واپس کر کہا کہ "سوداگر اس وقت سب سو رہے ہیں"

مستاجروں نے سنکر کہا کہ "سوتے ہیں تو انکو جگانا چاہیئے"

جب مستاجروں نے پیالوں کا پھر تقاضہ کیا تو کہا گیا کہ "وہ ایک عبادتخانے میں مقفل ہیں"

مستاجر بولے کہ "قفل توڑ دیا جائے"

غلاموں نے بہت ڈر کر کہا کہ "پیالے اسوقت گسکو کی سپردگی میں ہیں"

مستاجروں نے بہت شور مچا کر کہا کہ "گسکو پیالوں کو لیکر یہاں آئے"

گسکو آیا۔ وہ ایک لمبی چوڑی ردا اس وضع سے اوڑھے تھا کہ عرض میں اسکو چنٹ دے کر سر پر سونے کے ایک حلقے میں دبا دیا تھا۔ باقی ردا اتنی لمبی چوڑی تھی کہ کل جسم کو پا کر گھوڑے کے سموں تک لٹکی تھی۔ سر پر سونے کا حلقہ مرصع تھا۔ گسکو اسوقت تاریکی میں کھڑا تھا۔ بجز سپید ڈاڑھی، سر کے چمکتے طلائی حلقے یا گلے میں ایک ہار کے جس میں نیلے رنگ کی فولادی تختیاں لگی تھیں اور جو حرکت کے ساتھ سینے پر ملتی تھیں، اور کچھ نہ دکھائی دیتا تھا۔

جب گسکو باغ میں آیا تو مستاجر فوجوں نے بہت خوش ہو کر اسکی سلامی اتاری مگر بعض

پیالے، پیالے کہکر چیخنے بھی۔

گسکو نے مستاجروں سے خطاب کیا " جہانتک تمہاری جوانمردی اور شجاعت کا سوال ہے تو اس میں شک نہیں کہ یہ سب خوبیاں تم میں ایسی ہیں جو کام لینے کے لائق ہیں " مستاجروں نے اتنا سُن کر گسکو کے خیال کی تعریف کی۔ اور سب بہت خوش ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ ہماری ہمت اور جوانمردی کا حال گسکو سے بہتر کون جان سکتا ہے۔ وہی ہم کو ایک دُور کے مُلک میں لڑانے لے گیا تھا اور لڑائی سے جب واپس ہوا تو خود ہی واپس نہیں آیا بلکہ جنگی جہازوں میں جس قدر فوجیں تھیں اُن کو بھی ساتھ لایا۔

مستاجروں نے بلند آواز سے کہا " یہ صحیح ہے اور سب سچ ہے "

گسکو نے کہنا شروع کیا " خیال کرنے کی جگہ ہے کہ قرطاجنہ کی جمہوری ریاست نے تم میں سے ہر ایک کی قومیت، رسم و رواج، دین و ملت کا کیسا خیال کیا ہے۔ اس شہر میں تم بالکل آزاد ہو۔ اب رہے جیوش اشرف کے طلائی پیالے تو وہ ریاست کی چیز نہیں بلکہ چند اشخاص کا ذاتی مال ہیں "

اتنے میں گالیہ کا مستاجر جو اسپنڈیوس کے پاس کھڑا تھا، میزوں کو پھلانگ کر گسکو کی طرف جھپٹا۔ دونوں ہاتھوں میں دو ننگی تلواریں تھیں جن کو پھرا کر گسکو کو دھمکی دیتا تھا۔ گسکو نے اپنی تقریر بند نہ کی اور ہاتھ میں جو عاج کا عصا تھا اُس کی ایک ضرب اس سپاہی کے لگائی۔

چوٹ کھاتے ہی وہ سپاہی زمین پر گرا۔ اب جس قدر اُس کے مُلک والے تھے اُنکے مُنہ سے ایک چیخ نکلی۔ اور جو غیظ و غضب اُس میں تھا وہی دوسروں میں پھیلنا شروع ہوا۔ خوف ہوا کہ یہ مستاجر سپاہی کہیں جیش اشرف کے اِس دستے سواران کو نہ غارت کر دے جو اِس وقت گسکو کے ہمراہ تھے۔ اس ڈر سے گسکو کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ سوچنے لگا کہ ان وحشی سپاہیوں کے اِس جم غفیر کا مقابلہ جبکہ ان کی حالت ایسے طیش و غضب کی ہو

درست نہیں۔ یہاں ہمت اور جوانمردی بیکار ہو گئی۔ بہتر ہو کہ ان کی اس بیجا حرکت کا بدلہ کسی ترکیب یا چال سے بعد کو لیا جائے۔ پس اُس نے جلیش اشرف کے سواروں کو حکم دیا کہ آہستہ آہستہ پسپا ہوں۔ چنانچہ اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ گسکو جب دروازے پر پہونچا تو اُس نے مستاجروں سے بآوازِ بلند کہا: "ایک دن تم کو اپنی اِس حرکت پر سخت پشیمان ہونا پڑے گا!"

اب سپاہیوں نے ضیافت از سرِ نو کھانی شروع کی۔ لیکن اُن کو اس کا خوف ضرور تھا کہ کہیں گسکو واپس آئے اور میگارا کا جہاں فوج اِس وقت تھی اور جو قرطاجنہ کی باہر والی فصیل سے ملا ہوا تھا محاصرہ کر لے اور ان کو میگارا اور قرطاجنہ کی فصیلوں میں گھیر کر غارت کر دے۔ باوجود اپنی کثرت کے وہ پھر بھی اپنے کو نہتا اور بے دست و پا سمجھ رہے تھے۔ اب ان کو قرطاجنہ کے شہر سے جس پر اس وقت اندھیرا چھایا تھا اس کے صدہا زینوں بلند مکانات اور اُس کے تاریک خلاؤں سے جو باشندگانِ شہر سے بھی زیادہ وحشی اور خطرناک تھے، خوف محسوس ہوا۔ دُور بندرگاہ میں جہازوں کی قندیلیں حرکت کرتی نظر آئیں۔ اور اسی طرح ہیکلِ خامون میں بھی روشنیاں دکھائی دیں۔ اب دفعتاً اِن مستاجروں کو ہملکار برقہ کا خیال آیا۔ سوچنے لگے کہ معلوم نہیں وہ کہاں ہے۔ صلح ہونے کے بعد اُس نے ہم سے کیوں کنارہ کشی کی۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ مجلس قرطاجنہ سے جو کچھ اختلاف ہملکار کو ہے وہ دراصل ایک چال ہے۔ اتنا خیال آتے ہی جتنی نفرت اُن کے دل میں اِس وقت تھی وہ سب ہملکار کی طرف منتقل ہو گئی۔ ہملکار کو اب اُنہوں نے کوسنا اور گالیاں دینی شروع کیں۔ اب ایک نے دوسرے پر ہملکار کے متعلق اپنا غصہ ظاہر کر کے اُس کے دل میں جوش اور عتاب پیدا کیا۔ یہی موقع تھا کہ صنوبر کے درختوں کے نیچے ایک بڑا انبوہ جمع ہو گیا۔ تاکہ سب ایک حبشی کا تماشہ دیکھیں جو کیچڑ میں لوٹ کر اپنے پاؤں زمین پر زور سے مارتا تھا۔ آنکھیں اُس کی پتھرائی ہوئی اور

گردن ٹیڑھی تھی کسی نے پکار کر کہا کہ "اسکو زہر دیا گیا ہے"! اتنا کہتے ہی جتنے سپاہی تھے وہ سب غلاموں پر ٹوٹ پڑے۔ سخت شور پیدا ہوا۔ اور کشت و خون کا جوش اِس تمام لشکر میں جو شراب میں بدمست تھا پھیل گیا۔ اب اُنھوں نے بلا فرق و تمیز جہاں چاہا قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ چیزوں کو توڑنے اور آدمیوں کو جان سے مارنے لگے۔ بعض نے جلتی مشعلیں درختوں پر پھینکیں۔ بعض شیروں کے پنجروں کے پاس آکر اُن کے کٹہروں پر جُھکے اور تیروں سے شیروں کو ہلاک کرنے لگے۔ ان میں جو زیادہ دلیر تھے وہ فیل خانے کی طرف دوڑ پڑے کہ وہاں جاکر ہاتھیوں کی سونڈیں کاٹیں اور اُن کے دانتوں کو بھی خراب کریں۔

اس اثنا میں جزائر شرقی اندلس کے قبیلہ انداز محل کے ایک گوشے سے لُوٹ مار کیلئے ادھر آ رہے تھے کہ بانسوں کی ایک باڑھ کے حائل ہو جانے سے وہ رُکے۔ اِس باڑھ میں جو دروازہ تھا وہ چمڑے کے تسموں سے بندھا ہوا تھا۔ کمر سے خنجر نکال اُن تسموں کو کاٹ کر اندر گھسے۔ یہاں بہت خوبصورت وضع میں کٹی ہوئی جھاڑیاں اور سفید پھولوں کی کیاریاں بڑے قرینے سے قطاروں میں نظر آئیں۔ یہ کیاریاں قوس کی شکل میں دُور تک چلی گئی تھیں۔ زمردی زمین پر اُن کے سپید پھول اِس طرح کھلے معلوم ہوتے تھے جیسے آسمان پر ستارے ٹوٹتے ہوں۔ جھاڑیوں پر اندھیرا تھا مگر ان میں سے شہد کی خوشبو آرہی تھی۔ درختوں کے تنوں پر سیندور پھرا تھا اور یہ درخت کسی عمارت کے خون آلودہ ستون معلوم ہوتے تھے۔ کیاریوں کے بیچ میں بارہ تانبے کی خوب اونچی بیٹھکوں پہ ایک ایک بڑا شیشے کا گولا اندر سے خالی رکھا تھا۔ ان میں کبھی کبھی سُرخ روشنیاں جھلکتی معلوم دیتی تھیں۔ اس طرح جیسے کسی کی لال لال آنکھیں جھپکتی ہوں۔ سپاہیوں نے راستہ مشعلوں سے روشن کر دیا لیکن جہاں زمین کچھ نیچی آئی وہاں پھسل پھسل کر گرنے لگے۔ یہاں کھیت تھے جن میں ہل چل چکا تھا۔

اب ان سپاہیوں کو ایک چھوٹی سی جھیل نظر آئی۔ اس جھیل کو تین رنگین دیواریں کھینچ کر تقسیم کیا تھا۔ پانی اس کا اس قدر صاف تھا کہ پیندے میں جو سنگ ریزے اور سونے کے ذرّے پڑے تھے ان مشعلوں کے شعلوں کا عکس صاف نظر آتا تھا۔ جب پانی میں بلبلے اٹھتے تو وہ روشنی کے عکس سے چمکتے تارے معلوم ہوتے اور بڑی بڑی مچھلیاں جن کے نتھنوں میں چھوٹی چھوٹی جڑاؤ بالیاں پڑی تھیں پانی میں اوپر کو اٹھتی نظر آنے لگیں۔

بہت خوش ہو کر اور ہنس ہنس کر سپاہیوں نے مچھلیوں کے گلپھڑوں میں انگلیاں ڈال کر ان کو پکڑ لیا۔ اور پکڑ کر ان کو میزوں پر ڈالا۔ یہ مچھلیاں نسلِ باربا سے تھیں اور سب ان اصلی اور حقیقی عائس لینل کی اولاد میں تھیں جنہوں نے اس تخم پُراسرار کو سے کر جس میں دیبی چھپی بیٹھی تھی ان کو نکالا تھا۔ اس خیال سے کہ مذہب کی توہین ہوتی ہے ان وحشیوں کی اشتہا اور تیز ہوئی۔ انہوں نے تانبے کی دیگوں میں پانی بھر کر اس کے نیچے آگ جلائی اور ان خوبصورت مچھلیوں کو جوش کھاتے گرم پانی میں بے قرار و بےچین دیکھ کر خوش ہوئے۔

مستاجر ٹولیاں باندھے موجوں کی طرح اٹھے اور ایک نے دوسرے کو دھکا دیکر آگے بڑھایا۔ اب ان کو کس کا ڈر تھا۔ پھر شراب پینی شروع کی۔ تیل اور عطر ان کی پیشانیوں سے ان کے پھٹے کپڑوں پر گر کر ان کو تر کرتے تھے۔ نشہ تیز ہوا تو میزیں ان کو ڈگمگاتے جہاز اور کشتیاں معلوم ہوئیں۔ میزوں پر اپنے دونوں ہاتھ ٹیکے وہ مخمور آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھتے تاکہ جن چیزوں کو اٹھا نہیں سکتے کم از کم ان کو آنکھوں سے تو دیکھ لیں۔ اور اس دیکھنے میں ان کو کھا جائیں۔ بعض ان سرخ کپڑوں پر جن پر کھانے کی رکابیاں اور قابیں رکھی تھیں چلنے لگے۔ ہاتھی دانت کی کرسیوں اور صور کی بلوریں صراحیوں کو توڑ کر ان کے ٹکڑے اڑا دئے۔ ٹوٹے ہوئے برتنوں میں دم توڑتے غلاموں کی آہیں

اور کرب کی چیخیں، ادھر سپاہیوں کے گانے بجانے کا شور غرض ایک قیامت برپا تھی۔ اب سپاہیوں نے شرابیں اور کھانا اور مانگا اور اس کے ساتھ عورتوں کی بھی فرمائش کی۔ یا اگر درختوں کے پتوں کی طرف نگاہ گئی تو سمجھے کہ جنگل میں شکار کھیلتے ہیں اور اپنے ہی ساتھیوں پر اُن کو جنگل کا کوئی جانور سمجھکر دوڑ پڑے۔ اب درخت جلنے شروع ہوئے۔ ایک درخت سے دوسرے درخت میں آگ لگی۔ درختوں کی چوٹیوں سے دھوئیں کے بقعے اس طرح اُٹھے جیسے جوالا مکھی پہاڑوں سے دھوئیں اور راکھ کے ستون اُٹھتے ہیں۔ غل بڑھا۔ زخمی شیر اپنے پنجروں میں دھاڑنے لگے۔

یکایک محل میں روشنی ہوئی۔ برآمدے بھی روشن ہو گئے۔ بیچ کا دروازہ کھلا اور دہلیز پر ایک عورت یعنی ہملکار برقہ کی بیٹی سیاہ لباس پہنے نظر آئی۔ اُوپر والی منزل کا زینہ جو ترچھا واقع تھا اُتری۔ پھر دوسری اور تیسری منزل کی سیڑھیاں اُتر کر محل کے بلند چبوترے پر آکر ٹھہری۔ یہ چبوترہ اسی سطح پر تھا جہاں جہازوں والا آبنوس کا زینہ ختم ہوتا تھا۔ ہملکار کی بیٹی جہاں آکر کھڑی ہوئی تھی وہیں بےحس و حرکت کھڑی رہی سر جھکائے تھی اور اسی حال میں ایک نگاہ اُس نے سپاہیوں پر ڈالی۔

اِس عورت کے ہر پہلو پر ایک ایک صف مردوں کی کھڑی تھی۔ اُن مردوں کے چہرے زرد اور اُن کے لباس سپید تھے۔ لباس کا حاشیہ سُنہری تھا، اور وہ اتنا نیچا تھا کہ قدموں تک آتا تھا۔ اُن کے مُنہ پر ڈاڑھی تھی اور نہ سر پر بال تھے۔ بلکہ بھنویں تک نہ تھیں۔ انگلیوں میں انگوٹھیاں چھلے بکثرت پہنے تھے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک چنگ تھا اور سب مل کر تیز آواز میں خُدا کی حمد گانے میں مصروف تھے۔ یہ خُدا جس کی تعریف گاتے تھے قرطاجنہ کا تھا اور اس شہر کا نگہبان مانا جاتا تھا۔ یہ کل مرد ہیکل تانیت کے خُفیئے کاہن تھے۔ ہملکار کی بیٹی سلامبو ان کو اکثر محل میں مدعو کیا کرتی تھی۔

آخر کار وہ آبنوس والے زینے سے اُتری۔ تانیت کے کاہن اُس کے پیچھے پیچھے تھے۔ زینہ اُتر کر سلامبو سرو کی قطاروں کے بیچ میں آکر روش پر آہستہ آہستہ چلنے لگی۔ فوجی افسر جو کرسیوں پر بیٹھے تھے اُسے دیکھ کر کسی قدر پیچھے ہٹے۔ بالوں پر بنفشہ کا غازہ چھڑکا تھا۔ اور وہ سب ایک جُوڑے میں سر کے اوپر جیسا کہ بنی کنعان کی لڑکیوں کا قاعدہ تھا بندھے تھے۔ یہ جوڑا اتنا اُونچا تھا کہ اس کی وجہ سے سلامبو کا قد بھی اُونچا معلوم ہوتا تھا۔ اور موتیوں کی چوڑی چوڑی لڑیاں کنپٹیوں سے شروع ہو کر دونوں باچھوں کے قریب سے گذر کر نیچے لٹکی تھیں۔ لبوں کی سُرخی ایسی تھی جیسے انار کی کلی کچھ کھلی کچھ بند ہو۔ سینے پر بہت سی جواہر جڑی تختیاں جو مختلف رنگوں میں فلسِ ماہی کی طرح چمکتی تھیں، پڑی تھیں۔ گلے میں بغیر آستینوں کی عبا تھی۔ جس کی سیاہ زمین پر سُرخ گُل بوٹے کڑھے تھے۔ دونوں ہاتھ برہنہ تھے اور اُن پر الماس کے زیور تھے۔ دونوں پاؤں میں ایک ہلکی سی سونے کی زنجیر پڑی تھی۔ تاکہ رفتار میں قاعدے سے پاؤں اُٹھے۔ سب سے اوپر کے لباس میں ایک سُرمئی رنگ کی ردا تھی۔ جو معلوم نہیں کہاں کے کپڑے کی تھی۔ یہ ردا اتنی لمبی تھی کہ اوڑھنے کے بعد چلنے میں پیچھے گھسٹتی چلتی تھی۔ اور چلنے میں ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے کوئی چوڑی موج لہراتی ہو۔ کاہن جو سلامبو کے ہمراہ تھے وقتاً فوقتاً اپنے چنگ بجاتے تھے۔ اور جب چنگ بجنے بند ہوتے تھے تو سلامبو کے پاؤں کی زنجیر کی ہلکی آواز رہ جاتی تھی اس آواز میں پاؤں میں جو کاغذ کی چپلیاں پہنے تھی اُن کی آواز شامل ہوتی تھی۔

ابھی تک کوئی سلامبو کے حالات سے واقف نہ تھا۔ صرف اتنا مشہور تھا کہ وہ محل میں سب سے علیحدہ عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتی ہے۔ بعض سپاہیوں نے رات کے وقت محل کی چھت پر اُسے اِس شکل میں دیکھا تھا کہ اُس کے گرد آگردان روشن ہیں اور اگر کا دُھواں اُٹھ رہا ہے اور سلامبو تاروں بھری رات میں زمین پر

جھکی عبادت میں مصروف ہے۔ آنکھیں اس کی ایسی تھیں جیسے کسی بہت دور کی چیز کو جو دنیا کے حدود سے بھی ماورا ہو دیکھ رہی ہیں۔ سر نیچا کیے داہیں ہاتھ میں آبنوس کا چنگ لیے آگے بڑھی۔

بعض لوگوں نے اس کو آہستہ کہتے سنا "مرگئیں۔ سب مرگئیں۔ اب تم میری آواز پر کیوں میرے پاس آنے لگیں۔ اب تم جیتی نہیں ہو کہ پانی کے کنارے بیٹھکر میں تمہارے منہ میں پھل ڈالوں۔ اور تم کھاؤ۔ تمہاری خوبصورت آنکھوں میں جو چشمے کے شفاف قطروں سے بھی زیادہ پاکیزہ تھیں ربۃ تانیت کے اسرار مخفی تھے" پھر سلامبو نے ان مچھلیوں کے نام لیکر پکارے۔ یہ نام وہی تھے جو سال میں مہینوں کے تھے۔ یعنی سیو، سیوان، تاموز، ایلول، تشری، شبیار" افسوس سب مرگئیں۔ اے ربۃ مجھ پر رحم کر"

سپاہی یہ تو سمجھے نہیں کہ وہ کیا کہہ رہی ہے سب اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اور اس کے لباس کو حیرت سے دیکھنے لگے۔ سر جھکائے بار بار سپاہیوں کی طرف ہاتھ پھیلا کر کہتی تھی " ہائے تم نے یہ کیا کیا۔ ضیافت میں تمہارے لئے گوشت روٹی تیل اور ہمارے غلہ خانوں میں ہر قسم کا اناج موجود تھا۔ ہیکالومپس سے میں نے مویشی منگوائے اور جنگلوں میں بڑے بڑے شکاریوں کو بھیجا کہ وہ تمہارے لئے شکار مار کر لائیں" سلامبو کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اور آواز میں تیزی پیدا ہوئی۔ اور کہنے لگی " تمہیں کچھ اس کا بھی خیال ہے کہ وہ جگہ کیا ہے جہاں تم ہو۔ تم کسی مفتوحہ شہر میں ہو یا اپنے آقا کے گھر میں ہو؟ اور آقا کون۔ میرا باپ ہملکار برقہ خدائے بعل کا خادم۔ میرا باپ وہ تھا کہ جب لوتائیوں نے چاہا کہ تمہاری فوجیں اس کی مدد کو دی جائیں تو میرے باپ نے انکار کر دیا۔ اب تمہاری فوجوں نے میرے باپ کے غلاموں کے خون سے اپنی تلواروں کو رنگا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میرے باپ سے زیادہ لائق اور کارفرما تمہارے ملکوں میں کوئی موجود ہے۔ ذرا ہمارے اس محل کے زینے کو دیکھو جس کے گوشوں پر ہماری مختلف بحری فتوحات کے

نشان نصب ہیں۔ اپنا ہاتھ نہ روکو، ان کو بھی آگ لگا دو۔ میں اپنے گھر کے جن کو یعنی اس کالے سانپ کو جو اوپر محل میں نیلوفر کے پتوں میں استراحت کرتا ہے اپنے ساتھ لیکر یہاں سے نکل جاؤنگی سیٹی بجاتے ہی میرے پاس آجائے گا۔ اور جب میں جہاز پر سوار ہوں گی اور جہاز کے چلنے سے جو سپید کفوں کی لکیری پیچھے بنتی چلے گی اُس پر میرا یہ سانپ میرے پیچھے پیچھے آئے گا۔" سلامبو کے نازک نتھنے پھڑکنے۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ گلے کے جواہرات کو ناخنوں سے اتنا ملا کہ ناخن ٹوٹنے لگے۔ آخر کار کہنے لگی: "اے مفلس و محتاج قرطاجنہ تیری حالت کیسی قابلِ رحم ہے۔ دشمن سے اپنی حفاظت کا سامان تیرے پاس نہیں۔ پرانے وقتوں کے وہ تیرے صاحبِ عزم کہاں گئے جو سمندروں کو طے کرتے تھے اور اُن کے ساحلوں پر ہیکل اور عبادت خانے بناتے تھے۔ تیرے گرد جو قومیں آباد تھیں وہ نہ صرف خشکی پر محنت و مشقت کرتی تھیں بلکہ سطحِ بحر پر بھی۔ جہاں تیرے جہازوں کے چپّو موجوں پر ہل چلاتے تھے۔ اور ان ہی پر ترقی کی کمی یا زیادتی کا دار و مدار تھا۔"

سلامبو نے اب خدائے ملک قرۃ کے کارنامے گانے شروع کئے۔ ملک قرۃ اہلِ صیدان کا خدا اور سلامبو کے خاندان کا مورثِ اعلیٰ مانا جاتا تھا۔ سلامبو نے ارسیقونیا کے کوہساروں میں اس خدا کے بلند ہونے کا ذکر کیا۔ اور تارتیسس تک اُس کے سفر کے حالات بیان کئے! اور اُس جنگ کا ذکر کیا جو ملک قرۃ نے ماسس بعل سے سانپوں کی ملکہ کا انتقام لینے کو لڑی تھی۔

اِس دیونی کے تعاقب میں ملک قرۃ جنگل میں گیا جہاں ایک چاندی سے چمکتے چشمے کے خمدار رہگزر کے کنارے اِس دیونی کی دُم خشک پتوں میں حرکت کرتی نظر آتی تھی۔ بغرض چلتے چلتے ملک قرۃ ایک سبزہ زار میں آیا۔ یہاں اُس نے چند عورتیں دیکھیں جن کے نیچے کے دھڑ اژدہوں کے سے تھے۔ یہ عورتیں دُموں کو زمین پر ٹیکے سرو قد

ایک حلقے میں کھڑی تھیں جس کے بیچ میں آگ روشن تھی۔ آسمان پر ماہتاب زرد روشنی کے ہالے میں خمن کی مثل سُرخ معلوم ہو رہا تھا۔ ان عورتوں کی زبانیں بیچ سے دو پارہ ہوئی ماہی گیر کے کانٹے معلوم ہوتی تھیں۔ یہ زبانیں ان عورتوں کے مُنہ سے نکل کر آگ تک پہونچتی تھیں۔

سلامبو نے بڑی خوش الحانی سے یہ کُل واقعات گائے۔ اب اُس نے گانا بند کیا اور بتایا کہ ملک قترہ نے کس طرح ماسیس لعل کو مغلوب کیا۔ اور اس کا سر کاٹ کر اپنے جہاز کے آگے کے سرے پر نصب کیا۔ ہر موج کے آنے پر یہ کٹا ہوا سر کفوں کے نیچے چلا جاتا تھا۔ پھر آفتاب کی حدت سے وہ لوہے کی مثل سخت ہو گیا۔ لیکن اس پر بھی ماسیس لعل کی آنکھوں سے آنسو نکلنے نہ تھمے اور آنسو برابر سمندر میں گرتے رہے۔

سلامبو نے یہ کُل واقعات قدیم کنعانی زبان میں گائے تھے۔ مستاجر سپاہی جو سب غیر قوموں کے لوگ تھے اس کا ایک حرف بھی نہ سمجھ سکے۔ آپس میں پوچھتے تھے کہ یہ عورت غصے اور عتاب کے چہرے بنا بنا کر ہم کو کیا کہہ رہی ہے۔ سپاہی کہیں میزوں پر کہیں کوچوں پر کہیں سرو کے درختوں پر چڑھے اُس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ اُن کے مُنہ کھُلے تھے اور گردنیں باہر کو نِنی تھیں۔ وہ کوشش کرتے تھے کہ ان غیر واضح قصوں کو وقت اور زمانے کے اعتبار سے دیوتاؤں کی سرگذشت کے غُبار میں اپنے تخیل میں اس طرح گردش دیں جیسے بادلوں میں خیالی شکلیں بنتی بگڑتی ہیں۔ یہاں صرف بے ڈاڑھی والے کاہن سلامبو کی بات سمجھ سکتے تھے۔ بُڑھیوں سے بھی زیادہ ضعیف و کمزور حالت میں وہ اپنے باطنی جذبات سے لرزہ براندام تھے۔ کچھ تو اُن کے یہ جذبات تھے اور کچھ خوف ان لوگوں کا بھی غالب تھا جو اُن کے گرد کھڑے تھے۔ چنانچہ جب وہ چنگ بجاتے تھے تو اُنکے ہاتھوں پر رعشہ معلوم ہوتا تھا۔ اور نہایت غمگین نغمہ اُنکے چنگ سے پیدا ہوتا تھا۔

لیکن مستاجر سپاہیوں کو ان کاہنوں کی طرف مطلق توجہ نہ تھی۔ اور وہ ہمہ تن سلامبو کا گانا سننے کی طرف متوجہ تھے۔ وہ برابر اس کوشش میں تھے کہ اس کا گانا سُنکر

اس کا مطلب سمجھیں۔

حاضرین میں کوئی شخص سوائے نمودیا کے سردار کے سلامبو کے چہرے اور آواز کی طرف ایسا متوجہ نہ تھا کہ اُس پر بالکل ہی بیخودی کا عالم چھایا ہو۔ یہ سردار اُن میزوں کے قریب تھا جن کے گرد مستاجر فوجوں کے افسر بیٹھے تھے۔ وہ اپنی ہی قوم کے لوگوں میں بیٹھا تھا۔ اُس کی پیٹی میں اتنے تیر تھے کہ عبا وہاں سے اُبھری معلوم ہوتی تھی۔ اُس کی یہ عبا یا رِدا سر پر چپٹ نسے کر تسموں سے بندھی نیچے تک لٹکی تھی۔ کندھوں پر سے یہ عبا گو ہٹی ہوئی تھی مگر اُس کے چہرے کا نقشہ اُس میں کچھ ایسا چھُپا تھا کہ سوائے آنکھوں کی چمک کے باقی سب تاریکی میں تھا۔ ضیافت میں اُس کی شرکت محض اتفاقی امر تھا۔ آج کل وہ ہملکار برقہ کے گھر میں اپنے باپ کے حکم سے رہتا تھا۔ کیونکہ اُس زمانے میں بادشاہوں کا دستور تھا کہ وہ اپنی اولاد کو معزز خاندانوں میں سکونت کے لئے بھیج دیا کرتے تھے تاکہ اُنکی شادیاں اچھی جگہ ہو جائیں۔ اور اس کام کے لئے سب سے بہتر طریقہ یہی سمجھا جاتا تھا۔ اب اِس نمودیا کے سردار کو ہملکار کے گھر میں رہتے ہوئے چھ ماہ گذرے تھے مگر اس کُل زمانے میں سلامبو کی جھلک تک اُس نے نہ دیکھی تھی۔ اِس نوجوان سردار کا نام نرہیواس تھا۔ اسوقت وہ زمین پر بیٹھا تھا۔ ڈاڑھی کی نوکیں کمر میں جو خنجر تھے اُن کے قبضوں تک پہونچی تھیں۔ سلامبو کو دیکھ دیکھ کر وہ اپنے نتھنے اِس طرح پھلاتا تھا جیسے کہ بانسوں کے جھنڈ میں کوئی چیتا بیٹھا اپنے نتھنے پھلاتا ہو۔

میزوں کے دوسری طرف ایک دیوہیکل آدمی ملک لبیہ کا رہنے والا بیٹھا تھا۔ اُسکے جسم پر سوائے فوجی خفتان کے اور کچھ نہ تھا۔ اس خفتان میں پیتل کی چیزیں کچھ ایسی لگی تھیں کہ ریشمین گدا جس پر وہ بیٹھا تھا اُن سے پھٹا جاتا تھا۔ اُس کے سر کے بال چھوٹے اور گھونگروالے تھے۔ گلے میں ایک ہار جس میں چاندی کا ایک ہلال لٹکا تھا سینے کے بالوں میں اُلجھا ہوا تھا۔ چہرے پر جگہ جگہ خون کے داغ تھے۔ اس وقت وہ اپنی بائیں کہنی پر جھکا

اپنا چوڑا چکلا منہ کھولے ہنس رہا تھا۔ سلامبو نے ملک قرطاجنہ کی تعریف میں اپنا گیت گانا بند کیا۔ چونکہ عورت کی نازک احتیاط مزاج میں تھی اس لئے کہیں کہیں اپنا مطلب مستاجروں کی مختلف زبانوں میں بھی بیان کرتی جاتی تھی۔ تاکہ اُن کا غصہ کچھ دھیما ہو۔ یونانیوں سے یونانی زبان میں اور اسی طرح لیگوریا، کمپانیہ اور حبش والوں سے اُن کی زبانوں میں تقریر کی۔ ان میں جس کسی سے بات کی وہ سمجھا کہ وطن کے نغمے سنتا ہے۔ جب سلامبو قرطاجنہ کے حالات بیان کرنے میں وارفتہ ہوئی اور قرطاجنہ کی جو پرانی لڑائیاں روما کے ساتھ ہوئی تھیں اُن کا ذکر کیا تو سپاہیوں نے اس کی تعریف کی۔ اُن کی برہنہ تلواروں کی چمک نے سلامبو کے دل میں جوش پیدا کیا۔ اور وہ ہاتھ پھیلا کر زار و قطار رونے لگی۔ اس میں جو چنگ اُس کے ہاتھ میں تھا وہ گر گیا۔ سلامبو خاموش ہوئی اور کچھ دیر تک دونوں ہاتھ سینے پر رکھے آنکھیں بند کئے کھڑی رہی۔ یہ کیفیت اُس کی ان لوگوں کے جوش و خروش سے ہوئی تھی جو اس کے گرد موجود تھے۔

ماتو، لیبیہ کا رہنے والا، سلامبو کی طرف جھکا کھڑا تھا۔ سلامبو بلا قصد اس کے قریب آئی۔ ماتو کی خودداری دیکھکر سلامبو مجبور ہوئی کہ مستاجر فوجوں سے مصالحت اس طرح کرے کہ سونے کے ایک پیالے میں شراب انڈیل کر ماتو کو دے۔

جامِ شراب دے کر سلامبو نے ماتو سے کہا کہ نوش کیجئے۔ ماتو نے جام ہاتھ میں لے شراب پی لی۔ جب پیالہ اُٹھا کر لبوں سے لگانے ہی کو تھا تو گالیہ کا ایک سپاہی، اور اتفاق سے یہ وہی شخص تھا جسے گِسکو نے اپنے عصا سے مارا تھا، ماتو کے قریب آیا۔ ماتو اُٹھکر اُس کی طرف متوجہ ہوا۔ گالیہ کے سپاہی نے ماتو کا کندھا پکڑ کر مذاق میں اپنی زبان میں کچھ کہا۔ اسپندیوس جو پاس کھڑا تھا اُس نے چاہا کہ گالیہ کے سپاہی نے جو کچھ کہا تھا اُس کا مطلب بیان کرے۔

ماتو نے کہا "ہاں ہاں بیان کرو"

اسپندیوس بولا "خدا آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آپ عنقریب دولتمند ہونیوالے ہیں۔ شادی آپ کی کب ہوگی؟"

ماتو "شادی کیسی؟"

گالیہ کا سپاہی کہنے لگا "آپ ہی کی شادی سے مطلب ہے کیونکہ ہمارے ملک کا دستور ہے کہ جب کوئی عورت کسی سپاہی کو اپنے ہاتھ سے شراب دیتی ہے تو گویا وہ اپنی ہمبستری کی بھی اُسکو اجازت دیتی ہے۔"

یہ بات پوری منہ سے نکلی بھی نہ تھی کہ نومیدیا کا شہزادہ نرہیواس کرسی سے اُٹھا اور کمر سے ایک جاولین نکال دونوں پاؤں میز میں اڑا ماتو کا نشانہ بنا اس زور سے اسکی طرف جاولین کو پھینکا کہ ماتو کے بازو میں پھل گھسکر اُس کا دستہ باہر کو لرزنے لگا۔

ماتو نے فوراً اپنے ہاتھ سے جاولین کا پھل بازو سے گھسیٹ کر نکالا لیکن وہ بازو جس میں زخم آیا تھا بیکار ہوگیا۔ ماتو کو اپنا لباس اُتارنا پڑا۔ اب سامنے جو میز رکھی تھی اور اس پر جو کچھ تھا سب کو دونوں ہاتھوں سے اُٹھا اُس نے نرہیواس پر کھینچ مارا۔ نرہیواس کے گرد آدمیوں کی بھیڑ تھی۔ بہت سے آدمی دونوں کے بیچ میں آگئے۔ نومیدیا کے لوگ اور سپاہی اتنے پاس پاس تھے کہ کوئی اُن میں سے تلوار نہ کھینچ سکتا تھا۔ ماتو اپنا سر اِدھر اُدھر مارتا اس بھیڑ میں گھس پڑا جب سر اُٹھا کر دیکھا تو نرہیواس اپنی جگہ پر نہ تھا۔ چاروں طرف نظر دوڑا کر ماتو اُسکو ڈھونڈنے لگا۔ سلامبو بھی چلی گئی تھی۔ ماتو نے نظر اونچی کی تو دیکھا کہ محل کا سرخ دروازہ جو اب تک کھلا تھا بند ہو رہے کو ہے۔

اب ماتو آبنوس والے زینے پر اور دو دو زینوں پر جو ترچھے واقع ہوتے تھے، چڑھتا نظر آیا۔ یہاں تک کہ سرخ دروازے تک وہ پہنچ گیا۔ اور آتے ہی اُس نے اپنے پورے جسم سے دروازے کو دھکا دیا۔ شدت سے ہانپ رہا تھا اور اس خیال سے کہ کہیں گر نہ پڑے

دیوار کا سہارا لیکر وہ کھڑا ہو گیا۔

ایک آدمی ماتو کے پیچھے پیچھے اندھیرے میں آرہا تھا۔ محل کے ایک گوشے کے حائل ہونے سے ضیافت کی روشنیاں یہاں تک نہ پہونچتی تھیں۔ اسوجہ سے یہاں اندھیرا تھا۔ یہ آدمی اسپندیوس تھا۔

ماتو نے کہا: "دُور رہو۔"

اسپندیوس نے جواب نہ دیا۔ اور اپنے کُرتے کا دامن دانتوں سے پھاڑ کر ماتو کے قریب دوزانو بیٹھا اور بہت ہلکے سے اُس کا بازو پکڑا اور اندھیرے میں اُس مقام کو ٹٹولنے لگا جہاں زخم آیا تھا۔

چاند اس وقت بادلوں میں اس طرح حرکت کر رہا تھا جیسے سمندر میں جہاز بادبان لگائے جاتا ہو۔ اس کی روشنی میں اسپندیوس نے دیکھا کہ بازو کے عین وسط میں ایک بڑا گھاؤ ہے۔ فوراً کپڑے کی پٹی اُس نے باندھی۔ اس میں ماتو کو تکلیف ہوئی اور اُس نے کہا:-

"چھوڑ دو۔ مجھکو میرے حال پر رہنے دو۔"

اسپندیوس غلام نے جواب دیا "آپ وہ ہیں جنہوں نے مجھکو قید سے رہا کیا۔ اب میں آپ ہی کا ہوں۔ آپ میرے آقا اور میں آپ کا غلام ہوں۔ حکم دیجئے تاکہ بجا لاؤں۔"

ماتو دیوار سے لگا لگا محل کے چاروں طرف پھرا۔ برآمدے کا اندازہ کیا اور ہر قدم پر کان لگائے رکھے۔ خاموش کمروں کو سونے چاندی کی سلاخوں میں سے دیکھتا رہا۔ آخر کار نا اُمید ہو کر وہ ایک جگہ ٹھہر گیا۔

اسپندیوس نے ماتو سے کہا: "خدارا اس وجہ سے کہ میں کمزور ہوں، آپ مجھ سے نفرت نہ کیجئے۔ میں اس محل میں رہ چکا ہوں۔ چپے چپے سے واقف ہوں میں یہاں کی

دیواروں کے بیچ میں سانپ کی طرح رینگ سکتا ہوں۔ دیکھئے یہ وہ کمرہ ہے جسے ایوانِ سلاف کہتے ہیں۔ اسکے ہر پتھر کے نیچے سونے کی اینٹ دبی ہے۔ اور اسی ایوان سے ایک زمین دوز راستہ مقابر کی طرف جاتا ہے۔"

ماتو بولا "پھر اس سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

اسپنڈیوس نے کچھ جواب نہ دیا۔

یہ دونوں اس وقت محل کے برآمدے میں تھے۔ اُن کی نگاہ کے سامنے ایک وسیع قطع پھیلا پڑا تھا معلوم ہوتا تھا کہ سمندر میں اپنی موجوں کے ایک سخت پتھر کا ہو گیا ہے۔ موجوں کی طرح بڑے بڑے سیاہ تودے جابجا نظر آتے تھے۔ مشرق کی طرف البتہ روشنی کی ایک تحریر ظاہر ہوئی۔ اور کچھ دُور نیچے کی طرف میگارا کی نہروں نے اپنے چمکتے خمدار راستوں سے باغوں کو جُدا کر کے دکھانا شروع کیا۔ آفتاب کے طلوع ہوتے ہی رفتہ رفتہ پانچ پہل والے ہیکلوں کی مخروطی چھتیں، سیڑھیاں، روشیں، دیواریں اُفق کے مقابل نظر آنے لگیں۔ اور خاکنائے قرطاجنہ کے گرد سپید کفوں کا ایک حلقہ سا دکھائی دیا۔ ہرطرف زمردی فرش بچھا نظر آتا تھا۔ اور صبح کی سرد ہوائیں سب چیزیں معلوم ہوتا تھا جمی پڑی ہیں۔ لیکن جب آسمان پر گلابی رنگ تیز ہوا تو پہاڑیوں پر اُوپر سے لیکر نیچے تک مکانوں کا پاس پاس ہونا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پہاڑی بکریوں کے ریوڑ بلندی سے نشیب میں اُترتے ہوں۔ ان مکانوں کے سامنے سڑکیں اور بازار ویران پڑے تھے۔ دیواروں میں جابجا کھجور کے درخت پھوٹ کر خوب اُونچے ہو گئے تھے۔ لیکن ان میں کسی قسم کی حرکت یا جنبش نہ معلوم ہوتی تھی۔ پانی بھرے حوض اور تالاب ایسے نظر آتے تھے جیسے چاندی کی ڈھالیں جو کبھی کھوئی گئی تھیں صحن میں بکھری پڑی ہیں۔ پہاڑی پر منارۂ ہرمیوم کی روشنی زرد ہو چلی۔ قلعۂ قرطاجنہ کی بلندی پر سرو و شمشاد کے جھنڈ میں عشمون کے گھوڑوں کو معلوم ہو چلا ہے

کہ دن نکلنے کو ہے۔ گھوڑے سنگِ مرمر کی مُنڈیروں پر اپنے سُم مار مار کر آفتاب کی طرف دیکھتے اور ہنہناتے ہیں۔ آسمان پر آفتاب نمودار ہوا۔ اسپنڈیوس نے کچھ پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھ اُٹھائے۔ سورج کے نکلتے ہی ہر چیز میں جُنبش اور حرکت پیدا ہوئی معلوم ہوتا تھا کہ تمام عالم سُرخ روشنی میں نہایا کھڑا ہے۔ غرض کچھ عجیب کیفیت تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ گویا خُدا کا سایہ قرطاجنہ کے سر سے اُٹھ گیا ہے مگر اس وقت وہ اپنی روشن کرنوں کی پوری قوت سے گویا اپنی ہر رگ سے اِس شہر پر سونا برسا رہا ہے۔ جہازوں کے آگے کی نوکیں چمکنے لگیں۔ ہیکلِ خامون کی چھت ایسی چمکتی تھی جیسے کہ آگ لگی ہو ہیکلوں اور عبادتخانوں کے دروازے کھلے اور روشنی اُن کے اندر کے درجوں میں نظر آئی۔ اور گاؤں سے آئی ہوئی بڑی بڑی گاڑیوں کے پہیے سڑکوں کے سنگین فرش پر لُڑکتے سُنائی دیئے۔ ساندنیاں پُشت پر بڑے بڑے بوجھ لادے ڈھلواں راستوں پر اُڑی چلی جاتی تھیں۔ صرافوں نے کپڑے کے سائبان اپنی دکانوں پر لگانے شروع کر دیے۔ آسمان پر لق لق اُڑتے نظر آئے۔ اور یہی کیفیت سمندر پر جہازوں اور کشتیوں کی تھی کہ اِن سب پر سفید بادبان چڑھے تھے۔ ہیکلِ تانیت میں وہاں کے گانے بجانے والیوں نے طنبورے بجانے شروع کئے۔ اور اِن پژاووں سے جن میں مٹی کے تابوت پکائے جاتے تھے۔ دُھواں اُٹھنے لگا۔ یہ پژاوے ماپالیا کے دوسری طرف ایک پہاڑی پر تھے۔ اسپنڈیوس محل کے کٹہرے پر جُھکا کھڑا تھا اور اس کا دانت سے دانت بج رہا تھا۔

اسپنڈیوس بولا۔ "آقا آپ نے جو کچھ فرمایا بجا اور دُرست ہے۔ میں خوب سمجھتا ہوں کہ حضور کیوں اس محل کو لُوٹنے سے پرہیز کرتے ہیں۔"

ماتو یہ آواز سُن کر جاگا۔ اور اسپنڈیوس نے اس سے کہنا شروع کیا۔ "ذرا مُلاحظہ فرمائیں کہ دولت کس کثرت سے ہے۔ مگر اس کی حفاظت کا سامان کچھ نہیں۔" پھر اس نے

اپنا دایاں ہاتھ بڑھا کر ان لوگوں کی طرف اشارہ کیا جو پل سنگین سے آگے ریت میں سونے کے ذرے تلاش کرتے تھے۔ اور کہنے لگا۔ "دیکھئے یہ فلاکت زدہ بھی قرطاجنہ کی جمہوری ریاست سے کم نہیں۔ ریاست تو سمندر کے کنارے دولت کی طمع میں جھکی ساحل کی زمین میں انگلیاں گڑوتی ہے اور موجوں کا شور اسکو آقا کی آواز نہیں سُننے دیتا جو پیچھے پیچھے چلا آتا ہے۔"

اسپندیوس ماتو کو برآمدے کے دوسری طرف لے گیا۔ یہاں سے اُس نے ماتو کو ایک باغ دکھایا جہاں درختوں میں سپاہیوں کی تلواریں لٹکی چمک رہی تھیں۔ اسپندیوس کہنے لگا۔ "ان میں وہ لوگ بھی ہیں جنکو ریاست سے نفرت اور عداوت ہو چکی ہے۔ اب کوئی چیز اُن کو قرطاجنہ سے وابستہ نہیں کرتی۔ نہ خاندانی رشتے نہ قول و قسم کا پاس۔ نہ ایک ہی سے خداؤں کی بندگی۔"

ماتو دیوار سے لگا کھڑا رہا۔ اسپندیوس قریب آیا اور آہستہ آواز سے ماتو سے کہنے لگا۔ "آپ میرا مطلب سمجھتے ہیں۔ ہمارے لئے وہ وقت آنے والا ہے، ہم بادشاہوں کا سُرخ لباس پہنے عطر اور خوشبوؤں میں ڈوبے ہوں گے۔ اور اس غلام کو بھی ضرورت ہو گی کہ اپنی خدمت کے لئے غلام رکھے۔ کیا آپ ابھی تک فوجی زندگی میں ننگی زمین پر سونے سے بیزار نہیں ہوئے۔ کیا ہر وقت نفیرِ جنگ سنتے سُنتے آپ کے کان نہیں تھکے۔ آپ ابھی تک اس خیال میں ہیں کہ آپکے آرام کا وقت پھر کبھی آئے گا۔ مگر وہ وقت اس سے زیادہ نہ ہو گا کہ دُشمن آپکے گلے سے زرہ اتار کر آپ کی لاش کو کہیں پھینک دے کہ گدھ اسکو کھالیں۔ یا وہ وقت جب آئے کہ بڈھے اور کمزور ہو کر اندھوں، لنگڑوں کی طرح لکڑی ٹیکتے ہوئے ایک دروازے سے دوسرے دروازے پر اپنی جوانی کے قصّے نمک فروشوں یا بچوں کو سُناتے پھریں۔ آپ ذرا اُن بدسلوکیوں کو یاد کریں جو آپ کے افسروں نے آپکے ساتھ کی ہیں۔ اور یہ بدسلوکیاں بھی کس کیساتھ

کی ہیں۔ اُس بہادر کے ساتھ جو دشمن کی تاک میں برف و باراں میں بیٹھا جلتی دھوپ میں جس نے بڑی بڑی راہیں طے کیں۔ جس نے قواعد کی سختیاں اور صلیب پر چڑھائے جانیکا خوف برداشت کیا۔ اور ان سب تکلیفوں کے صلے میں آپ کی عزت افزائی اس طور پر ہوئی کہ ایک ہار آپ کو عنایت ہوا کہ اُسے آپ اپنے گلے میں اس طرح لٹکائیں جیسے خچر کے گلے میں گھنٹیوں کا طوق لٹکایا جاتا ہے کہ چلنے میں کان بہرے رہیں اور تھکن بھی معلوم نہ ہو۔ یہ صلہ اُسکو دیا گیا ہے جو ہمت و شجاعت میں برہوس ہے، کاش اب بھی آپ رضامند ہو جائیں پھر آپ بڑے بڑے سرو ایوانوں میں جب کہ وہاں چنگ و رباب کی آوازیں بلند ہونگی۔ پھولوں کے تکئے لگائے حسین عورتوں اور ظریفوں کی صحبت ہوگی۔ کیسے خوش اور مسرور رہیں گے۔ یہ نہ فرمائیے کہ اس قسم کے قصد یا اُس میں کامیابی غیر ممکن ہے۔ کیا اسوقت متاجر فوجوں کے قبضے میں قرطاجنہ کا رگیم نہیں ہے۔ ان کے علاوہ اٹلی کے اور قلعے بھی اس فوج کے تصرف میں ہیں۔ اس وقت کون آپ کا مزاحم ہو سکتا ہے۔ ہملکار اس وقت یہاں موجود نہیں، رعایا کو اُمرا سے نفرت ہے۔ گِسکو کے ہمراہ جو لوگ ہیں وہ بزدل اور نامرد ہیں۔ وہ کیا کر سکتے ہیں لیکن آپ جوان مرد عزم اور ہمت کے آدمی ہیں۔ آپ کی اطاعت وہ فوراً قبول کر لیں گے۔ کارفرمائی کیجئے پھر قرطاجنہ ہمارا ہے، اس پر حملے کا حکم دیجئے۔"

ماتو نے کہا "نہیں میں خود اس وقت ربۃ مولخ کے غضب میں مبتلا ہوں۔ اس غضب کو میں نے خود اُس کی آنکھوں میں دیکھا ہے۔ اور اس کے ہیکل میں ایک سیاہ فام کو جاتے دیکھا ہے۔" اتنا کہہ کر ماتو مڑا اور پوچھنے لگا "سلامبو کہاں گئی؟"

اسپندیوس یہ سمجھکر کہ ماتو پر اس وقت کوئی تکلیف گذر رہی ہے آگے کچھ نہ بولا۔ ان دونوں کی پُشت کی طرف ابھی تک دھواں اُٹھ رہا تھا اور جھلسی ہوئی شاخوں سے بندروں کی لاشیں

آدھی جلی آدھی سالم کھانے کے برتنوں پر گرتی تھیں۔ انہی لاشوں میں سپاہی شراب پیئے خراٹے لیتے تھے۔ منہ ان کے کھلے تھے۔ یہ حال تو ان کا تھا جو سوتے تھے۔ جو جاگتے تھے وہ روشنی کی چمک سے بچنے کیلئے سر جھکائے تھے۔ زمین پر خون کے تھالوں میں کھلی ہوئی مٹی چھپی تھی۔ ہاتھی اپنے سلامی دار احاطوں میں بند چیخ چیخ کر اپنی زخمی سونڈیں پھراتے۔ غلہ خانے کے پاس گیہوں کی بوریاں کھلی پڑی تھیں۔ دروازے پر آدمیوں کے اژدہام میں رتھیں اڑی پھنسی کھڑی تھیں۔ سرو کے درختوں پر مور دمیں پھیلائے ناچتے اور جھنگارتے تھے۔

اسپنڈیوس کو ماتو کی اس چپ لگنے میں حیرت تھی۔ ماتو کا رنگ اب پہلے سے بھی زیادہ زرد تھا۔ کٹہرے پر دونوں ہاتھ ٹیکے افق کی طرف نگاہ جمائے غور میں تھا۔ اسپنڈیوس نے بھی جھک کر ادھر دیکھنا شروع کیا۔ اور آخر کار اسکو بھی وہ چیز نظر آگئی جس کی طرف ماتو غور سے دیکھ رہا تھا۔ عتیقہ والی سڑک پر کوئی زریں چیز گرد و غبار میں لڑکتی اور چمکتی اسکو دکھائی دی۔ یہ ایک رتھ کے سامنے کا حصہ تھا۔ رتھ میں دو خچر جتے تھے۔ ایک غلام رتھ کے بم کے آگے خچروں کی راسیں پکڑے دوڑتا تھا۔ رتھ کے اندر دو عورتیں بیٹھی تھیں۔ خچروں کی ایالوں پر نیلے موتیوں کا جال چڑھا تھا۔ اور ایرانی طریقے پر خچروں کی دونوں ایالیں کانوں کے بیچ میں اونچی اٹھی تھیں۔ عورتوں کو پہچانتے ہی اسپنڈیوس کے منہ سے آواز نکلنے ہی کو تھی کہ اس نے اپنے کو روکا۔

ایک بڑا سا پردہ ان عورتوں کے پیچھے ہوا میں اڑ رہا تھا۔

باب (۲)

سکہ کو روانگی

دو دن کے بعد مستاجروں کا لشکر یہ کہکر کہ وہ قرطاجنہ سے سکہ کو جائے گا، اور وہیں قیام کرے گا، سکہ کو روانہ ہوگیا۔ ہر سپاہی کو ریاست کی طرف سے ایک ایک اشرفی دی گئی۔ اور جسقدر تعریفیں اس اُجرتی سپاہ کی ممکن ہوئیں وہ کی گئیں۔

اُن سے کہا گیا کہ تم قرطاجنہ کو مصائب اور آفات سے نجات دینے والے ہو لیکن اگر تم نے یہاں زیادہ قیام کیا تو شہر کے لوگ فاقوں سے مرجائیں گے اور شہر دوالیہ ہوجائے گا۔ اس وقت رخصت ہو اور تمہاری اس وقت کی روانگی کا اظہار تشکر و احسانمندی ریاست کی جانب سے آئندہ کسی وقت کیا جائے گا۔ ہم رعایا پر محصول لگانے والے ہیں۔ اس رقم سے ہم تمہاری پوری تنخواہ ادا کردینگے۔ اور جہاز بھی تیار کردینگے کہ وہ تمکو تمہارے وطن پہونچادیں۔

اِن فقروں کا جواب سپاہیوں کو دینا نہ آیا۔ ہمیشہ لڑائی کے میدان میں زندگی گذری تھی۔ شہر میں رہنا خود اُن کو عذاب معلوم ہوتا تھا۔ پس ریاست نے جو کچھ اُن سے کہا انہوں نے بلاپس وپیش اُسے منظور کرلیا۔ اب شہر والے فصیلوں پر چڑھے کہ لشکر کی روانگی کا تماشہ دیکھیں۔

مستاجر سپاہی بغیر کسی ترتیب کے بازار خاموں میں سے ہوتے ہوئے باب القرطہ سے گذرنے لگے۔ تیر اندازوں اور پیدلوں کی فوجیں ملی جُلی تھیں۔ افسر اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ تھے۔ لوستیانی اور یونانی سپاہی مضبوطی سے قدم ڈال کر چلتے تھے۔ اور اُن کے بھاری جوتوں کی آواز سڑک کے سنگین فرش پر زور زور سے ہوتی تھی پتھروں کی چوٹوں سے اُن کی ڈھالوں میں گڑھے پڑے تھے۔ دھوپ اور گرمی میں لڑتے لڑتے اُن کے چہرے سیاہ ہوگئے تھے اور اُن کی گھنی ڈاڑھیوں سے جن میں اُنکے مُنہ چھُپے تھے کھرکھری آواز نکلتی تھی۔ اور پھٹی زرہیں جو اُن کے بدن پر تھیں اُن کے کٹے تلواروں کے قبضوں سے ٹکرا کر چھن چھن کرتے تھے۔ اُن کے ننگے ہاتھ پاؤں جو فی الواقع زبردست آلاتِ حرب تھے اُن کی فولادی زرہ کی کڑیوں میں سے دکھائی دیتے تھے۔

جب یہ لشکر چلا تو نیزے، تبر، ڈھالیں، نمدے کی ٹوپیاں، برنجی خود باقاعدہ حرکت کرتے نظر آتے۔ سڑکوں، بازاروں راستوں میں وہ اس کثرت سے بھر گئے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ دیواریں اب شق ہوجائیں گی۔ اُونچے مکانات کے سامنے جو چھ چھ منزل کے تھے اور اُن پر قیر پھرا تھا جس قدر جگہ تھی وہ ان ہی مسلح سپاہیوں سے بھر گئی تھی۔ بالاخانوں پر لوہے یا سرکنڈوں کی جالیوں سے عورتیں چہروں پر نقاب ڈالے بالکل خاموش بیٹھی لشکر کے کوچ کرنے کا تماشہ دیکھتی تھیں۔ مکانوں کی چھتیں، دیواروں کے کنگورے شہر کی خلقت سے پٹے پڑے تھے۔ سوائے آدمیوں کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ قرطاجنی جس قدر تھے سب سیاہ لباس پہنے تھے۔ ملاحوں کی سُرخ صدریاں البتہ ان سیاہ پوشوں میں خُون کے داغ معلوم ہوتے تھے اس بھیڑ میں بچے بھی تھے۔ بالکل ننگے دھڑنگے۔ تانبے کے زیور پہنے تھے اور اُن میں سے اُن کی سیاہ جلد نظر آتی تھی۔ کہیں ستونوں پر کہیں درختوں پر چڑھے کھجوروں کے پتوں

میں سے ہاتھ ہلاتے تھے۔ اور ریاست کے ارکانِ مجلس جنکو اصطلاح میں "بزرگ" کہتے تھے برجوں اور میناروں کے چبوتروں پر خاموش کھڑے تھے۔ کسی کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ مقدس "بزرگ" کس خیال میں مستغرق کھڑے ہیں۔

اُن کے قد و قامت سب اُفق کے مقابل نظر آتے تھے۔ صورت میں خیال تھے اور بے حسی میں پتھر۔

سب کے دل میں ایک ہی خوف تھا اور وہ یہ کہ کہیں یہ لشکر اپنی قوت کا اندازہ کر کے شہر سے نکلنا نہ چاہے اور شہر ہی میں پڑاؤ ڈال دے۔ لیکن بغیر کسی قسم کی بدگمانی کے لشکر والے اس طرح شہر سے نکل چلے کہ شہر والوں کی ہمت بڑھی اور وہ سپاہیوں سے بے باک اور بے تکلف ہو گئے۔ کبھی وہ پاس آ کر گلے ملتے، کبھی اُن سے التجا کرتے۔ بعض ظاہرداری اور مکاری میں یہاں تک کہتے کہ "آپ شہر سے نہ جائیں"۔ غرض شہر والوں نے سپاہیوں پر گلاب چھڑکا، پھول برسائے، روپیہ نچھاور کیا، اُن کو تعویذ دئے کہ دکھ بیماری پاس نہ آئے۔ لیکن انہی تعویذوں پر پہلے وہ تین بار تھوک چکے تھے کہ گلے میں ڈالتے ہی پہننے والا موت کے حوالے ہو جائے۔ بعض نے انہی تعویذوں میں گیدڑ کے بال رکھ دئے تھے کہ جو کوئی اُن کو پہنے اُس کا دل ٹوٹ جائے۔ ظاہر میں تو وہ ان سپاہیوں کیلئے اپنے معبود ملک قرۃ سے دعائیں مانگتے تھے مگر باطن میں چاہتے تھے کہ اُن پر خداؤں کا قہر نازل ہو۔

اب سپاہیوں کا سامان آنا شروع ہوا۔ بوجھ اٹھانے والے جانور اور ایسے لوگ جو پیچھے رہ گئے تھے آئے۔ بیمار سپاہی درد میں کراہتے سانڈنیوں پر سوار تھے۔ بعض لنگ کرتے دوست کا سہارا لئے چلتے۔ نشے باز شراب کے مشکیزے لئے تھے۔ کھانے کے شوقین گوشت کی رانیں، پھل اور مٹھائیاں اور مکھن انجیر کے پتوں میں لپٹا ہوا لئے جاتے تھے۔ اور تھیلوں میں بارانی برف بھرے تھے۔ بعض کے پاس دھوپ

بھیجنے کے لئے چھڑیاں تھیں اور بعض کے کندھوں پر بڑے بڑے چھتر لپیٹے ہوئے رکھے تھے۔ بعض کے پیچھے کتّے، نولے اور چیتے تھے۔ عورتیں خچروں پر سوار اُن حبشنوں کو گالیاں دیتی چلتی تھیں جنہوں نے ملقہ کے کسبی خانوں کو چھوڑ کر سپاہیوں کے ساتھ جانا پسند کیا۔ بہت سی عورتیں اپنے بچوں کو تسموں سے باندھے گلے میں لٹکائے دودھ پلاتی جاتیں۔ خچروں کو جن کی کمر ڈیروں خیموں کے بوجھ سے دوہری ہوئی جاتی تھی۔ اُن کے چلانے والے تلوار کی نوک سے ہولے دے کر اُن کو آگے بڑھاتے۔ ایک بڑا انبوہ نوکروں اور سقّوں کا ساتھ تھا۔ یہ لوگ قرطاجنہ میں ادنیٰ ترین طبقے کے تھے۔ بخار نے اُن کے چہرے زرد کر رکھے تھے اور وہ غلیظ اور ناپاک تھے۔ اُن کے کپڑوں میں جوئیں بھری تھیں۔ یہ لوگ اُجرتی سپاہیوں کے خدمتگار تھے۔

جب لشکر شہر سے باہر ہو گیا تو شہر والوں نے شہر کے دروازے اندر سے بند کر لئے لیکن فصیلوں پر جو لوگ چڑھے تھے وہ ابھی تک نہ اُترے۔ شہر سے نکلکر لشکر والے تمام خاکنائے میں جس پر قرطاجنہ آباد تھا پھیل گئے۔ لشکر والے اب کئی حصّوں میں تقسیم ہو گئے۔ رفتہ رفتہ جب لشکر دُور پہونچ گیا تو اُس کے برچھے گھاس کے تنکے معلوم ہونے لگے اور آخر کار پورا لشکر گرد و غبار کے ایک بادل میں غائب ہو گیا۔ سپاہیوں نے پیچھے مُڑ کر دیکھا تو سوائے قرطاجنہ کی لمبی فصیلوں اور اُن کے کنگوروں کے جو افق کے مقابل نظر آتے تھے اور کچھ نہ دکھائی دیا۔

سپاہیوں نے یک لخت ایک شور سنا۔ ان کو اپنی تعداد کا اندازہ نہ تھا۔ سمجھے کہ کچھ ساتھ والے جو شہر میں رہ گئے ہیں وہ مذاق کے طور پر کسی بتخانے کو لوٹنے لگے ہیں۔ غرض یونانیوں نے اب مرتینیوں کا پرانا گیت گانا شروع کیا جس کا مضمون تھا کہ:

"میں اپنے نیزے اور تلوار سے ہل چلاتا ہوں اور فصل کاٹتا ہوں۔ میں گھر کا

کارفرما ہوں۔ میرا دشمن ہتیار پھینک کر میرے قدموں میں گرتا ہے اور وہ مجھکو مالک آقا اور بادشاہ کہتا ہے۔"

گیت سنتے ہی سپاہیوں نے شور مچایا اور سب اچھل اچھل کر چلنے لگے۔

سپاہیوں میں جو سب سے زیادہ ظریف اور شوخ طبع تھا اس نے کہانیاں کہنی شروع کیں۔

لشکر کی مصیبتوں کا زمانہ اب ختم ہو چکا ہے۔ جب وہ تونس پہونچا تو بعض سپاہیوں کو معلوم ہوا کہ جزائر بلیارک کے قبیلہ اندازوں کا ایک دستہ پیچھے رہ گیا ہے۔ یا معلوم نہیں وہ کہاں ہے۔ اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ اس پر کوئی بولا کہ وہ پیچھے آتے ہوں گے۔ اسکے بعد پھر کسی کو اُن کا خیال تک نہ آیا۔

لشکر جب تونس پہونچا تو بعض لشکر والے تو مکانوں میں رہنے چلے گئے اور باقی جس قدر تھے اُنہوں نے شہر کے باہر ڈیرے ڈالے۔ شہر والے سپاہیوں سے گپ شپ کرنے آئے۔

قرطاجنہ کی سمت میں رات بھر لشکر والوں نے جا بجا آگیں روشن دیکھیں۔ ان روشنیوں کی جھلک ایسی تھی جیسے بڑی بڑی مشعلیں جلائی جائیں اور جھیل کی ساکت سطح پر اُن کا عکس پڑے۔ لشکر میں کوئی ایسا نہ تھا جو بتاتا کہ کس تہوار کی خوشی میں یہ آگیں جلائی گئی ہیں۔

دوسرے دن لشکر کا گذر ایک ایسے علاقے میں ہوا کہ جہاں کھیتی باڑی بہت تھی۔ ہر طرف ہرے بھرے کھیت ہی کھیت نظر آتے تھے۔ سڑک کے کنارے شروع قرطاجنہ کے کھلیانوں کا ایک سلسلہ چلا گیا تھا۔ کھجوروں کے خیابانوں میں نالیوں میں پانی بہ رہا تھا۔ پہاڑوں کے بیچ میں جو گہرے غار پڑتے تھے اُن میں سُرخی مائل غبار بھرا تھا۔ اُن کی پُشت پر نیلے رنگ کے پہاڑ اپنی چوٹیاں بلند کئے تھے۔ ہوا گرم چلتی تھی۔ ناگ پھنی کے چوڑے

چوڑے پتوں پر گرگٹ دوڑتے پھرتے تھے۔

لشکر اب آہستہ کوچ کرنے لگا۔ علیحدہ علیحدہ دستہ قائم کرکے سفر کرتا تھا۔ ایک دستے کا فصل اُس کے پیچھے رہ جانے سے دوسرے دستے سے بڑھنے لگا۔ باغوں کی دیواروں سے باہر جتنے خوشے انگوروں کے لٹکے دیکھے اُن کو نوچ کر کھا گئے۔ گھاس پر لیٹے لیٹے وہ بیلوں کے سینگوں کو دیکھتے اور تعجب کرتے کہ کس مصنوعی ترکیب سے اُن میں بل ڈال کر اُن کو خمدار بنایا ہے۔ بھیڑوں کو دیکھتے کہ اُن پر چمڑے کے غلاف چڑھے ہیں تاکہ اُن کی اُون خراب نہ ہو۔ زمین کو دیکھتے تھے کہ اس پر ہل اس طرح چلایا ہے کہ زمین کی تقسیم ہیرے کی مجلا سطحیں معلوم ہوتی ہیں۔ ہل اُن کے جہازوں کے لنگر کی شکل کے تھے۔ انار کے درختوں میں سلفیوم ڈالتے تھے۔ (جو ایک قسم کی رسیلی نباتات افریقہ میں کایرنی کے قریب پیدا ہوتی تھی۔ اُس کا عرق غذا اور دوا دونوں میں مستعمل تھا۔) زمین کی شادابی اور پھر انسان نے اپنی عقل لڑا کر جو باتیں پیدا کی تھیں اُن پر سب حیرت زدہ تھے۔

بھاری خیموں کے جو بوجھ بندھے پڑے تھے اور جنکو ابھی تک کھولا نہ تھا رات کو سپاہی انہی پر پڑ کر ستاروں کو دیکھتے سو گئے۔ اس وقت اُن کو ہملکار کے باغ والی ضیافت کا افسوس ہو رہا تھا۔

دوسرے دن دوپہر کو وہ ایک دریا کے کنارے ٹھیرے۔ یہاں گنجان سرسبز خوشبودار پھولوں کی جھاڑیاں بکثرت تھیں۔ آتے ہی نیزے تلواریں اور سر سے خود اُتار پھینکے۔ دریا میں خوب غل مچا مچا کر نہائے۔ ٹوپیوں میں پانی بھر کر پیا۔ کسی کسی نے پانی اس ترکیب سے پیا کہ جہاں مویشی پانی پیتے تھے وہیں گئے اور پیٹ کے بل لیٹ کر بیلوں اور اونٹوں کی طرح پانی پینے لگے۔ بارکش جانوروں کی پیٹھ سے اب بوجھ نیچے گرائے جانے لگے۔ اسپنڈیوس اس وقت ایک سانڈنی پر سوار تھا جو ہملکار کے شترخانے

سے اس نے چرائی تھی۔ دور سے اس نے ماتو کو اس حال میں دیکھا کہ سرنگا زمین کی طرف نظریں گڑیں۔ گلے میں رومال بندھا اور اس میں ایک ہاتھ پڑا دریا کی موجوں کو دیکھتا اپنے خچر کو پانی پلا رہا ہے۔ اتنا دیکھتے ہی اسپندیوس جھیڑیں سے رستہ نکالتا اور آقا آقا پکارتا ماتو کے پاس پہونچا۔

ماتو نے اسپندیوس کے اس اخلاق کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔ اسپندیوس نے اس کا کچھ خیال نہ کیا۔ اور وہ ماتو کے پیچھے آکر کھڑا رہا۔ کبھی کبھی وہ قرطاجنہ کی طرف نگہ مند نگاہ ڈالتا۔

اسپندیوس ایک یونانی معلم کا بیٹا کمپانیہ کی ایک کسبی کے پیٹ سے تھا۔ پہلے وہ عورتیں فروخت کر کے بڑا مالدار ہو گیا تھا۔ لیکن پھر ایک جہاز کے غرق ہو جانے سے تباہ ہو گیا۔ سمنی یوم کے گڈریوں کے ساتھ ہو کر رومانیوں سے لڑا۔ لڑائی میں رومانیوں نے اسے قید کر لیا۔ قید سے نکل بھاگا۔ مگر پکڑا گیا۔ پھر کسی طرح اس قید سے فرار ہوا۔ مگر پھر گرفتار ہوا۔ پہلے پتھر کے کاموں میں پھر حماموں میں کام پر لگایا گیا۔ جب اذیت پہونچی تو چیخا چلایا۔ ایک آقا سے دوسرے آقا کے ہاتھ بکتا رہا۔ ہر قسم کے جسمانی درد و عذاب برداشت کئے۔ جب بالکل ہی نا امید ہوا تو جس جہاز پر قیدی کی حیثیت سے چپو چلانے کی خدمت سپرد تھی وہاں سے سمندر میں کود پڑا۔ اہلکار کے ملاحوں نے پانی سے نکالا۔ آدھی جان رہ گئی تھی۔ غرض اس حال میں وہ قرطاجنہ لایا گیا اور میگارا میں اس مکان میں داخل کیا گیا جہاں غلام رہتے تھے۔ چونکہ فی الحقیقت وہ رومانیوں کا قیدی تھا اس لئے رومانیوں کے پاس اس کا واپس کیا جانا ضروری تھا جس کے معنی موت تھے۔ جب ضیافت میں ہنگامہ ہوا تو اسپندیوس اس ہڑبونگ میں سپاہیوں کے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔ اس سفر میں وہ برابر ماتو کے ساتھ رہا۔ اس کے لئے کھانا لاتا۔ گھوڑے سے اترنے میں اس کی مدد کرتا۔ رات کو

اس کا بستر درست کرتا۔ اس توجہ اور خدمت سے آخر کار ماتو کو بھی اس کا خیال ہوا۔ رفتہ رفتہ ماتو نے اپنے دل کا حال اس سے کہدیا۔

ماتو خلیج سرتس میں پیدا ہوا تھا۔ باپ اُسکو ہیکل عمون کی زیارت کو لے گیا۔ گرمانتیس کے جنگلوں میں ہاتھی کا شکار کھیلتا رہا۔ اور آخر کار ریاست قرطاجنہ کی فوجی ملازمت اختیار کرلی جب قرطاجنہ والوں کا قبضہ دریائے بائم پر ہوا تو ماتو فوج میں جمعدار کر دیا گیا۔ اس وقت ریاست قرطاجنہ کو چار گھوڑے ۲۳ بشل گیہوں اور ایک پورے جاڑے کی تنخواہ ماتو کو ادا کرنی تھی۔ ماتو اپنے خداؤں سے ڈرتا تھا اور چاہتا تھا کہ موت آئے تو اپنے وطن میں آئے۔

اسپندیوس نے جن قوموں کو دیکھا تھا اور جن جن ملکوں کا سفر کیا تھا وہاں کے حالات ماتو کے سامنے بیان کیا کرتا۔ اسکو بہت سے کام بھی آتے تھے مثلاً پاؤں میں پہننے کی چپلیاں، مور کا شکار کھیلنے کے برچھے برچھیاں وہ بنانی جانتا تھا۔ بعض وقت اسپندیوس بات کہتے کہتے رک جاتا اور اس کے حلق سے ایک بڑی گہری آہ نکلتی۔ ماتو کا خچر اب تیز چلنے لگا۔ جو پیچھے آ رہے تھے اُن کی رفتار بھی بڑھی۔ اسپندیوس پھر باتیں کرنے لگا۔ کچھ دنوں تک وہ سراسیمہ اور پریشان معلوم ہوتا تھا لیکن چوتھے دن کی شام کو اُسکی پریشانی کم ہو گئی۔

اسپندیوس اور ماتو اس وقت لشکر کے دائیں جانب چل رہے تھے۔ انکا راستہ ایک پہاڑی کے ڈھلان پر تھا۔ نیچے ایک میدان رات کے غبار اور کہر میں تاریک پھیلا تھا۔ سپاہیوں کی صفیں جو اُن سے نیچے جا رہی تھیں وہ اندھیرے میں کبھی اونچی کبھی نیچی ہوتی معلوم ہوتی تھیں۔ جب یہ صفیں کبھی اونچی زمین کے ایسے ٹکڑوں پر گذرتی تھیں جہاں چاندنی ہوتی تو ستارے کی طرح کسی برچھی کی نوک یا کسی کے سر کا خود چمکتا نظر آتا۔ مگر پھر یہ سب چمک تاریکی میں محو ہو جاتی۔ تاریکی سے پھر اور صفیں نکل کر چاندنی میں آتیں

اور یہی سلسلہ برابر جاری رہتا۔ بھیڑوں کے گلّے آہٹ سے جاگ کر بولنے لگتے اور ایک قسم کی نرمی اور لطافت رُت نے زمین پر محسوس ہوتی۔

اسپندیوس سر پیچھے کو ڈال آنکھیں بند کر زور زور سے سانس لیکر ٹھنڈی ہوا کا لطف اُٹھا رہا تھا۔ ہاتھ پھیلا کر انگلیوں کو حرکت دیتا کہ ٹھنڈی ہوا جو اس وقت اُس کے جسم کو راحت دیتی تھی اُس کا لطف زیادہ ہو۔ اس اُمید میں کہ اب انتقام لینے کا وقت قریب آرہا ہے اس کی طبیعت سنبھلتی جاتی تھی۔ مُنہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا کہ سسکیاں کسی طرح بند ہوں۔ انتقام لینے کی خوشی اتنی بڑھی کہ اس سے ایک قسم کی نقاہت پیدا ہوئی۔ جس اُونٹنی پر سوار تھا اُس کی مہار ہاتھ سے چھوڑ دی۔ سانڈنی بدستور لمبے لمبے قدم مارتی اپنے رستے چلا کی۔ ماتو اس عرصے میں پھر اپنی پہلی سی مغموم اور افسردہ حالت میں آگیا۔ خچر پر بیٹھا تھا۔ ٹانگیں لٹکی ہوئی زمین پر گھاس میں لگتی تھیں اور اُن سے مسلسل ایک آواز پیدا ہوتی تھی۔

اب سڑک سامنے اتنی دُور تک پھیلی تھی کہ کہیں ختم ہوتی نہ معلوم ہوتی تھی۔ جب کسی میدان سے گذر لیتے تھے تو ہمیشہ مدوّر شکل کی ایک ارض مُرتفع آتی تھی۔ اور پھر راستہ وادی میں اترتا۔ جب وہ اُن پہاڑوں کے قریب پہونچتے تھے جو چاروں طرف حلقہ کئے تھے تو معلوم ہوتا کہ پہاڑ اپنی جگہ سے کھسک کر آگے بڑھ گئے ہیں۔ کبھی کبھی املی کے درختوں کے سبز پتوں میں سے کوئی دریا جھلکتا نظر آتا۔ مگر کچھ دُور آگے جا کر پہاڑوں کے موڑ پر غائب ہو جاتا۔ کبھی کبھی راہ میں کوئی بڑا بھیانک چٹان آجاتا جس کی شکل یا تو کسی جہاز کے آگے کے حصّے کی سی معلوم ہوتی یا کسی عظیم الشان بُت کی بیٹھک معلوم ہوتی کہ بُت غائب ہو گیا اور اُس کی نشست کا پتھر رہ گیا۔ سارے وقفوں پر راہ میں اُن کو ایسے بُت خانے ملتے تھے جن کی شکل مُستطیل کی ہوتی۔ یہ بُت خانے ان زائروں کے قیام کئے لئے تھے جو سکّہ کے شہر میں ہیکلِ تانیت کی زیارت کو آتے۔ یہ مکانات

بجائے چھت کے قبروں کی طرح اُوپر سے بند تھے۔ لبیہ کے لوگ اُن کے دروازوں کو زور زور سے دھڑ دھڑاتے کہ اندر سے کوئی اُن کو کھولے اور وہ داخل ہوں لیکن کوئی صدا اندر سے برآمد نہ ہوتی۔ آگے بڑھے تو ایسی زمین آئی جس میں کھیتی کہیں اتفاق سے نظر آتی۔ پھر یک لخت وہ ایسی زمین پر آئے جہاں ریگ کے قطعات پھیلے پڑے تھے اور اُن پر کانٹوں کی جھاڑیاں بکثرت تھیں۔ پتھروں میں بھیڑوں کے گلے بیٹھے جگالی کرتے تھے۔ اُن کی رکھوالی ایک عورت کرتی تھی جس کے جسم پر کمر سے نیچے نیلے کمبل کا ایک ٹکڑا لپٹا تھا۔ سپاہیوں کی برچھیوں کی چمک دیکھتے ہی چیخیں مارتی بھاگی۔ سپاہی جس وقت نیچی نیچی پہاڑیوں کے ایک سلسلے میں سے گذرنے لگے جس کا رنگ سُرخی مائل تھا تو اُن کو سخت بدبو معلوم ہوئی۔ چنانچہ خرنوب کے ایک اُونچے درخت کی طرف جب نظر گئی تو اُس میں کوئی غیر معمولی چیز دکھائی دی۔ درخت کے پتّوں سے اُوپر ایک شیر کا سر نظر آیا۔ جلدی سے کچھ لوگ اُس طرف گئے۔ وہاں دیکھا کہ ایک شیر کے چاروں ہاتھ پاؤں ایک صلیب پر کیلوں سے ٹھکے ہیں۔ شیر کا سر اُس کے سینے پر جُھکا ہوا ہے اور اگلے دونوں ہاتھ سر کے بالوں میں چھپے ہیں۔ اور وہ اس طرح پھیلے ہیں جیسے کسی پرندے کے دو پر پھیلائے ہوں۔ ایک ایک پسلی موٹی کھال میں اُبھری علیحدہ علیحدہ نظر آتی ہے۔ پچھلے دونوں پاؤں ایک کے اُوپر ایک رکھ کر اُن میں میخ ٹھونک دی ہے۔ اور وہ صلیب کی کڑی سے کسی قدر باہر نکلے ہیں۔ سیاہ خُون بالوں میں سے بہتا ہوا دُم کی نوک پر آکر جم کر بالکل خُشک ہو گیا ہے۔ دُم بالکل سیدھی صلیب کی بیچ والی لکڑی سے ملی ہوئی لٹک رہی ہے۔

سپاہیوں نے شیر کو صلیب پر لٹکا دیکھکر اس کے گرد اُچھلنا کُودنا ناچنا اور پھبتیاں اُڑانی شرُوع کیں۔ کسی نے اس مُردہ شیر کو رومہ کا قنصل کہا۔ کسی نے رومہ کا رئیس اعظم۔ اور کنکریاں اُٹھا کر اُسکے مُنہ پر ماریں تاکہ مچھر دُور ہوں۔

سو قدم آگے بڑھے تو دو شیر اور صلیب پر چڑھے نظر آئے۔ اس کے بعد یکایک ایک بڑی قطار صلیبوں کی دیکھی۔ ہر صلیب پر ایک شیر لٹکا تھا۔ ان میں بعض شیروں کو مرے ہوئے اتنی مدت ہوئی تھی کہ صلیب کی لکڑیوں پر سوائے اُن کے ڈھانچ کی چند ہڈیوں کے اور کچھ باقی نہ تھا۔ بعض کو جانور آدھا کھا چکے تھے۔ بعض کے جبڑے بڑی ہیبت ناک شکل میں مُڑے تُڑے نظر آتے تھے۔ بعض شیر ان میں بڑی جسامت کے تھے اور اُن کے بوجھ سے بیچ کی لکڑی صلیب کی جُھک کر ٹیڑھی ہو گئی تھی اور اُن کی لاشیں ہوا میں جُھولتی تھیں۔ کوّوں کے جُھنڈ کے جُھنڈ اُن پر منڈلا رہے تھے۔ غرض قرطاجنہ کے کسان اور کاشتکار جب کبھی کسی جنگلی درندے کو پکڑتے تھے تو وہ اس طریقے سے انتقام لیتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ اس مثال سے دوسرے درندوں میں خوف پیدا ہوگا۔ اب سپاہیوں کی ہنسی بند ہوئی اور حیرت اور تعجب نے اُنھیں بالکل خاموش کر دیا۔ اور سوچنے لگے کہ وہ قوم بھی کیسی بد ہوگی جسے شیروں کو مغلوب کرنے میں لطف آتا ہوگا۔

علاوہ اسکے سپاہی پہلے ہی سے تکلیف میں تھے۔ بالخصوص ان سپاہیوں کو جو اطرافِ شمال کے تھے ایک پریشانی اور پیدا ہوئی۔ جھاڑیوں کے کانٹوں سے اُنکے ہاتھ گھائل ہوتے۔ بڑے بڑے مچھر اُن کے کانوں کے پاس آکر بھنبھناتے۔ پھر وہ ڈرتے تھے کہ کہیں راستہ بھول کر ریگستان میں نہ پہونچ جائیں اور وہاں سب غارت ہو جائیں۔ کیونکہ یہاں کے ریگستان بڑے خوف و خطر کے مقامات تھے۔ بہت سے سپاہی آگے جانے پر راضی نہ ہوئے اور کچھ ایسے بھی تھے جو قرطاجنہ کی طرف پلٹ گئے۔

آخرکار ساتویں دن ایک پہاڑ کے نیچے جب لمبا چکر کاٹ چکے اور راستہ دفعتاً دائیں ہاتھ کو مڑا تو سپید سپید چٹانوں کے اُوپر شہر پناہ کی دیواروں کا ایک سلسلہ دیکھا۔

چٹان اور دیواریں ایسی ہم رنگ تھیں کہ دونوں میں تمیز کرنی مشکل تھی۔ جب کچھ اور آگے بڑھے تو سکہ کا پورا شہر اُن کی نظر کے سامنے آگیا۔ اور شام کی سُرخ روشنی میں فصیلوں پر نیلی زرد اور سپید نقابیں اُڑتی نظر آئیں۔ یہ نقابیں ربۃ تانیت کی کاہناؤں کی تھیں۔ جو جلدی سے ہیکل سے نکل کر لشکر کے خیر مقدم کو آئیں تھیں۔ یہ کاہنات فصیل پر صفیں باندھے کھڑی طنبورے اور جھانج بجاتی تھیں۔ اور چنگ جو اُن کے ہاتھ میں تھے اُن کے تاروں میں سے آفتاب کی شعاعیں گذرتی دکھائی دیتی تھیں۔ آفتاب اِس وقت نومیدیا کے پہاڑوں کے پیچھے جو یہاں سے بہت دور تھے غروب ہو رہا تھا۔ کچھ کچھ وقفوں کے بعد یہ طنبورے اور جھانج بجنے بند ہو جاتے اور ایک بڑی بھیانک اور کرخت آواز بے محل ایسی سُنائی دیتی تھی۔ جیسے کوئی مُنہ میں زبان کو بڑی تیزی سے اِدھر اُدھر چلا کر آواز پیدا کرے۔ تانیت کی جو کاہنات ساز بجانے میں مصروف نہ تھیں وہ فصیل کی مُنڈیروں پر کہنیاں ٹیکے جھکی کھڑی تھیں۔ اور وہ اس قدر خاموش اور بےحس و حرکت تھیں۔ جیسے مصر میں پتھر کا وہ بُت جسے ابوالہول کہتے ہیں۔ یہ عورتیں اپنی سیاہ آنکھوں سے بڑھتے ہوئے لشکر پر تیر چلا رہی تھیں۔

سکہ کا شہر بڑی زیارت گاہ تھا۔ تانیت کے ہیکل اور اُس کے مُتعلقہ مکانات نے آدھا شہر گھیر رکھا تھا۔ غرض لشکر والوں نے شہر کے باہر جہاں چاہا اپنے خیمے نصب کئے۔ جو لوگ فوجی قواعد کے پابند تھے انہوں نے کمپنیاں بنا کر باقی نے قومیت کا لحاظ کر کے اپنے اپنے خیمے لگائے کچھ ایسے بھی تھے کہ جہاں چاہا اور جس طرح چاہا رہ پڑے۔ یونانیوں نے اپنے چمڑے کے خیمے متوازی صفوں میں نصب کئے۔ ائی بیریا والوں نے اپنے کپڑے کے ڈیرے حلقوں میں کھڑے کئے۔ گالیہ والوں نے لکڑی کے تختوں سے مکان بنالئے۔ لبیہ کے آدمیوں نے پتھر اکٹھے کر کے اُن کے غار سے بنا لئے۔ حبشیوں نے ہاتھوں سے ریت میں گڑھے کھودے اور اُنہی میں جا رہے۔ بہت سے ایسے

بھی تھے جن کی سمجھ میں نہ آیا کہ کہاں رہیں وہ اسباب کے تودوں پر کودتے اُچھلتے پھرے اور جب رات ہوئی تو زمین پر اپنے پھٹے پرانے جبّے تان کر سو گئے۔

اُن کے چاروں طرف ہموار میدان اور میدانوں کے گرد پہاڑ تھے۔ پہاڑوں کے دامن پر بلوط اور صنوبر کے بن کھڑے تھے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ باد و باراں کا طوفان اُٹھتا اور مینہ کی ایک جھڑی آسمان سے زمین تک ایک ڈوریئے کے پردے کی طرح لٹکی نظر آتی۔ یہاں کا کُل منظر لطافت و متانت کے ساتھ زمرّدی رنگ میں ڈوبا کھڑا تھا۔ کبھی گرم ہوا چلتی اور ریت اُڑ کر بگولے کی شکل اختیار کر کے ہوا کے آگے آگے اُڑتا چلا جاتا۔ سکہ کے بلند پہاڑوں سے ایک چشمہ بہتا ہوا غاروں میں گرتا۔ شہر میں بلندی پر ہیکل کی زریں چھت پیتل کے ستونوں پر قائم نظر آتی۔ یہ ہیکل دیوتا تانیت یعنی مشتری کا تھا جو قرطاجنہ اور اُس کے ملک کی مالک مانی جاتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس نے اپنی روح اس شہر اور ملک میں سما دی ہے اور اپنی طاقت کو زمین کے نشیب و فراز میں نمایاں کیا ہے۔ حرارت اور برودت کا فرق، روشنی اور سایہ کی تبدیلیاں اُسی کے زور و قوت کے کرشمے اور اُسی کے ازلی تبسم کی سحر کاریاں ہیں۔

پہاڑوں کی چوٹیاں ماہِ نو کی شکل میں دکھائی دیتی تھیں۔ بعض چوٹیاں ایک حسین عورت کا سینہ معلوم ہوتی تھیں جس پر چھاتیاں اُبھری ہوں۔ سپاہیوں نے اپنی خستگی زمین پر گر اور لوٹ لگا کر اتار دی اور اُن کی یہ افتادگی فی نفسہٖ ایک لذت تھی۔

اسپندیوس کی صحبت آخر کار ماتو نے قبول کر لی۔ ماتو جب باہر جاتا تو وہ ایک غلام کی طرح اُس کے پیچھے چلتا۔ کبھی ماتو اسپندیوس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سہارا لیتا کیونکہ اسپندیوس کا قد چھوٹا تھا۔

ایک دن دونوں شام کے وقت لشکر کے بازار میں سے گذرتے تھے

کہ اُن کو چند آدمی سپید پوش ملے۔ اُن میں نرہیواس بھی تھا۔ جو نومیدیا کے بادشاہ کا فرزند تھا۔

"ماتو اُسے دیکھتے ہی چوکنا ہوا اور اُس نے اسپندیوس سے کہا کہ اپنی تلوار دو میں اس شخص کو قتل کر دونگا"

اسپندیوس نے ماتو کو ایسے فعل سے روکا۔ اور کہا کہ ابھی اِس کا وقت نہیں ہے۔ اتنے میں نرہیواس ماتو کے اور قریب آگیا۔ اور اُس نے اپنے دونوں انگوٹھے چُوے جو اس بات کی علامت تھی کہ وہ دوست رہنا چاہتا ہے۔ پہلے جو کچھ ہوا تھا اُس کی معذرت کی اور کہا وہ جو کچھ ہوا حالتِ سُکر میں ہوا۔ اب اُس نے ماتو سے سیاست قرطاجنہ کی بہت سی شکایتیں کیں۔ لیکن یہ نہ بتایا کہ اِس لشکر میں اُس کا آنا کس وجہ سے ہوا۔

اسپندیوس سوچنے لگا کہ کیا نرہیواس اُسکو کوئی دھوکا دینے آیا ہے یا ریاست یا قرطاجنہ کے خلاف کوئی کارروائی کرنی اُسے منظور ہے۔

چونکہ اسپندیوس ہر فساد کے اُٹھنے کو اپنے حق میں مُفید سمجھتا تھا اس لئے وہ دل میں نرہیواس کا ممنون ہوا اور اُسکو خیال ہوا کہ ممکن ہے نرہیواس اپنی قسم توڑ کر قرطاجنہ سے عہد شکنی کرے۔

نومیدیا کا یہ شہزادہ مستاجروں کے لشکر میں کچھ دنوں رہا۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ ماتو کی دوستی کا متوقع ہے۔ اُس نے ماتو کو تحفے میں سونے کے ذرات موٹے موٹے بکرے۔ شتر مُرغ کے پر بھیجے۔

ماتو نرہواس کی ان عنایات پر تعجب کرتا تھا۔ وہ اِس پس وپیش میں ہوا کہ آیا ان تحفوں کو واپس کر دے یا اپنے غیظ وغضب کو اور مشتعل کرے۔ لیکن اسپندیوس اُس کے غصے کو ٹھنڈا کرتا رہا۔ ماتو جس میں کسی بات کو فیصلہ کرنے کی قوت بالکل نہیں

رہی تھی اُس نے ایسے شخص کی طرح جو زہر کھا چکا ہو اپنے ہر فعل کو ایک غلام کی رائے اور ہدایت پر چھوڑ دیا۔

ایک دن صبح تینوں شیر کے شکار کو نکلے۔ نرہیواس نے اپنے جُبے میں ایک خنجر چھپا کر رکھا۔ لیکن اسپندیوس برابر نرہیواس کے پیچھے لگا رہا۔ جب شکار سے واپس ہوئے تو خنجر بدستور نیام میں رہا۔

ایک دوسرے موقع پر نرہیواس اُن کو ایک بڑے دُور دراز مقام پر لے گیا۔ جو ملک نمودیا کی سرحد کے پاس تھا جب وہ دو طرفہ پہاڑوں میں ایک تنگ راستے پر آئے تو نرہیواس بولا کہ مجھے رستہ نہیں معلوم۔ اسپندیوس کو رستہ معلوم تھا۔ اس نے بتایا۔

لیکن ماتو اکثر دل گرفتہ تیرہ و تار خیالات میں مُبتلا رہتا۔ صبح ہوتے ہی گھر سے نکل جاتا اور پڑا پھرتا۔ کہیں ریت پر لیٹ کر رات ہونے تک بے حس و حرکت پڑا رہتا۔

لشکر میں جس قدر فال نکالنے والے یا وہ سیانے تھے جو سانپ کی لیکھ یا آسمان کے تاروں کو دیکھ کر پیش خبری کرتے یا وہ جو مُردوں کی خاک پر دم کر کے آئندہ کے حالات بتاتے اُن سب سے اپنے مقسوم کا حال پوچھتا۔ طرح طرح کی چیزیں اُس نے کھائیں۔ گلبانم، سسلی اور سانپوں کا زہر جس سے دل کی حرکت بند ہو جاتی ہے۔ حبشنیں چاندنی رات میں منتر پڑھتی آئیں اور سونے کی سوئیوں سے ماتو کی پیشانی گودی۔ بیسیوں تعویذ گنڈے گلے میں ڈالے۔ بعل خامون، مولخ اور ساتوں کانی بیری کے نام جپے۔ یونانیوں کی دیبی افرودیتی اور تانیت کا نام ورد زبان کیا۔ تانبے کی تختی پر کسی کا نام کندہ کر کے اُسکو اپنے خیمے کے سامنے ریت میں دبایا۔ باوجود ان تمام تدبیروں کے اسپندیوس ہمیشہ آہیں کرتے اور اکیلے بیٹھے خود باتیں کرتے سُنتا۔ ایک رات اسپندیوس

خیمے میں گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ :-

ماتو بالکل برہنہ مُردے کی صورت ایک شیر کی کھال پر پڑا ہے۔ ہاتھوں سے چہرے کو ڈھک رکھا ہے۔ اسکے ہتھیار اُوپر خیمے کے ایک بانس میں لٹک رہے ہیں اور اُنکے پاس ہی ایک قندیل آویزاں ہے۔ جس سے خیمے میں روشنی ہے۔

اسپندیوس نے پوچھا "آقا آپ کو کیا تکلیف ہے۔ آپ کیا چاہتے ہیں، کچھ کہو تو" اتنا کہکر اُس نے ماتو کے دونوں شانے ہلائے اور کئی مرتبہ آقا آقا کہہ کر پکارا۔

آخرکار ماتو نے اپنی بھاری آنکھیں کھولیں۔ اور ہونٹوں پر انگلی رکھ کر آہستہ سے کہا کہ "مجھ پر خُداؤں کا غضب نازل ہے۔ ہملکار کی بیٹی مجھے آسیب کی طرح چمٹ گئی ہے۔ مجھے اس سے ڈر لگتا ہے" اتنا کہہ کر اُٹھا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا پیٹ پکڑ کر اس طرح دبایا جیسے بچے خوف کی حالت میں کیا کرتے ہیں۔" اسپندیوس مجھ سے باتیں کرو اسپندیوس۔ میں بیماری نہیں تندرستی چاہتا ہوں۔ جتنی دوا درمن مجھسے ہوسکی سب کرچکا۔ لیکن تم جو زیادہ طاقت والے خُداؤں سے واقف ہو کوئی منتر ایسا پڑھو کہ یہ آزار دُور ہو جائے"۔

اسپندیوس بولا "آخر آپ کا مطلب کیا ہے ؟"

ماتو نے جواب دیا "کسی طرح اُس سے پیچھا چھُڑا دو" اتنا کہکر ماتو اپنے سر پر گھونسے مارنے لگا۔ پھر خود ہی ٹھہر ٹھہر کر کہنے لگا "معلوم ہوتا ہے خداؤں سے کوئی منت قُربانی چڑھانے کی اُس نے مانی تھی۔ اور وہ قُربانی اب میں ہوں۔ ایک زنجیر میں اُس نے مجھے پکڑ رکھا ہے۔ وہ زنجیر کسی کو نظر نہیں آتی۔ میں چلتا ہوں تو اُس وجہ سے کہ وہ چلتی ہے۔ میں رکتا ہوں تو اس وجہ سے کہ وہ آگے نہیں بڑھتی۔ اُسکی آنکھیں مجھے کھائے جاتی ہیں۔ ہر وقت اُس کی آواز کانوں میں رہتی ہے۔ وہ مجھ پر

چھا گئی ہے اور میرے قلب میں اِس طرح نفوذ کر گئی ہے کہ اب مجھ میں وہی میری رُوح ہے"۔

لیکن پھر بھی مجھ میں اور اُس میں امواجِ ناپدید کا ایک بحرِ بے پایاں حائل ہے۔ وہ بہت دُور ہے، اُس تک میں نہیں پہونچ سکتا۔ ہائے، اُس کا حُسن اُس کے گرد نور کا ہالہ بنا چمک رہا ہے۔ بعض لمحے ایسے آتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ اُسے میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں۔ اور یہ کہ دُنیا میں کہیں اُس کا وجود نہیں..... اور یہ سب خواب ہے۔

ماتو اندھیری رات میں رویا کیا اور سپاہی لشکر میں سویا کیا۔ اسپندیوس کو ماتو کی شکل دیکھکر وہ وقت یاد آیا جبکہ جوان عورتوں کی صف باندھے وہ اُس کا سودا کرنے نکلتا تھا اور بعض جوان مرد سونے کے ظروف ہاتھوں میں لئے اسکی منت سماجت کرتے تھے اسپندیوس کو ماتو کے حال پر رحم آتا تھا۔

اُس نے کہا "آقا دل مضبوط رکھئے۔ اپنے عزم و ہمت کو بیدار کیجئے۔ خداؤں سے دُعائیں مانگنے کی ضرورت نہیں۔ انسان کتنی ہی منت اور خوشامد کرے وہ اپنے ارادے سے ٹلتے نہیں۔ ہائیں آپ تو بالکل ہی بچوں کی طرح رو رہے ہیں۔ کیا آپ کو اس پر شرمندگی نہیں کہ ایک عورت آپ کی اس تکلیف کی موجب ہو رہی ہے"۔

ماتو بولا "کیا میں بچہ ہوں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ عورتوں کی خوبصورتی اور خوش گلوئی مجھے بہلا لے گی۔ دری پانم کے معرکے میں میں نے اپنے اصطبل میں عورتوں سے جھاڑو دلوائی ہے۔ جس وقت حملہ جاری تھا اور پتھروں کے گرنے سے مکانوں کی چھتیں بیٹھ رہی تھیں اور سنگ بار آلے ابھی لرزنے بند نہیں ہوئے تھے کہ میں نے ان عورتوں کو اپنا اسیر بنایا۔ مگر اسپندیوس یہ وہ نہیں ہے۔ یہ تو کوئی اور ہی چیز ہے"۔

اسپندیوس نے قطع کلام کر کے کہا۔ "اگر وہ ہملکار کی بیٹی نہ ہوتی......"

ماتو نے کہا۔ "اس میں تو کوئی بات بھی انسان کی بیٹیوں کی نہیں نکلتی۔ کیا تم نے اس کی بڑی بڑی آنکھیں بھنووں کے نیچے نہیں دیکھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ باب فتح کی محرابوں میں دو سورج چمک رہے ہیں۔ یاد کرو جب وہ آئی ہے تو مشعلوں کی روشنی کیسی زرد پڑ گئی تھی۔ ہیروں کے ہار گلے میں پڑے تھے۔ اُن میں سے اس کا برہنہ سینہ کہیں کہیں سے کیسا جھلکتا تھا۔ پاس کھڑے رہنے والوں کو معلوم ہوتا تھا کہ کسی بُت کدے کی معطر ہوا میں کھڑے ہیں۔ اس کا تبسم شراب کی مہک سے بڑھکر اور موت کے کرب سے زیادہ تھا۔ لو وہ اب آگے بڑھتی ہے۔ اور پھر ٹھہر جاتی ہے۔"

ماتو بات کرتے کرتے رُکا۔ منہ کھُلا اور سر جھکا تھا۔ آنکھیں پھاڑے ایک ہی طرف دیکھے جاتا تھا۔ پھر کہنے لگا۔

"جی چاہتا ہے کہ وہ میرے پاس ہوتی۔ میں ضرور اسے اپنا کروں گا۔ میں تو اپنی جان اس کے لئے دے ڈالتا ہوں۔ یہ خیال کہ کبھی اُسکو اپنے سینے سے لگاؤنگا خوشی سے دیوانہ بنائے دیتا...... لیکن اسپندیوس اس پر بھی مجھے اس سے نفرت ہے۔ جی چاہتا ہے ملے تو اُسے خوب ماروں۔ ہائے، میں کیا کروں۔ جی میں آتا کہ اپنے کو بیچ کر اُس کا غلام بنوں۔ تم نے تو اُسکو دیکھا ہے۔ کچھ اُس کا حال سُناؤ۔ ہر رات کو وہ محل کی چھت پر آتی ہے۔ کیوں کیا یہ سچ نہیں ہے۔ ہائے۔ اس کے قدموں کے نیچے پتھر بھی جوشِ حیرت میں لرز اُٹھتے ہونگے۔ اور آسمان سے ستارے بھی اسکی صورت دیکھنے کو جھک جاتے ہونگے۔"

اتنا کہتے ہی وہ دیوانہ وار پیچھے کو گرا۔ اور سانس اس طرح چلنے لگا۔ جیسے کسی زخمی بیل کا چلتا ہو۔

اب ماتو نے ایک گیت گانا شروع کیا جس کا مضمون تھا کہ جنگل میں وہ دیوتی کو

پیچھے پیچھے گیا۔ اس کی دم خشک پتّوں میں سے پیچ وخم کھاتی اس چشمے کے خمدار رہگزر کے برابر برابر چلی جاتی تھی جس کا پانی چاندی کے پتّروں کی طرح چمکتا تھا۔ ماتو نے لے بڑھائی اور سلامبو کی آواز اور اس کے نازک ہاتھوں کی نقل جبکہ اس کی انگلیاں چنگ پر چلتی تھیں اتارنی چاہی۔ اور اس نقل میں خود بھی بار بار ہاتھ پھیلانے لگا۔

اسپندیوس اسکو بہتیری تسلّی دیتا۔ مگر ماتو ایک ہی قصہ دُوہرائے جاتا۔ غرض ان دونوں کی راتیں اسی گریہ وزاری تسلّی وتشفّی میں گذرنے لگیں۔

ماتو نے چاہا کہ شراب پیکر اپنے حواس معطّل کرے۔ لیکن جب نشہ اُتر اتو افسردگی اور زیادہ قلب پر طاری ہوئی۔ جوا کھیل کر طبیعت کو بہلانا چاہا۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ گلے کے ہار میں جس قدر سونے کی تختیاں تھیں وہ ایک ایک کر کے ہارنے لگا۔ اُسکو سمجھایا کہ تانیت کی کاہنات سے ہیکل میں جا کر ملے۔ ملا ضرور۔ مگر جب ہیکل سے نیچے اُترا تو ایسا زار وقطار روتا اُترا جیسے کوئی اپنے عزیز کو دفن کر کے روتا ہو۔

برعکس اس کے اسپندیوس اب زیادہ بے باک ہوکر بہت خوش رہنے لگا۔ فوجیوں کی شراب کی دکان پر جو درختوں کی شاخوں کی انہوں نے بنالی تھی، جاتا اور خوب گپیں اڑاتا سپاہیوں کی ٹوٹی ہوئی زرہ کی مرمّت کر دیتا، ان کو خنجر غائب اور برآمد کرنے کے تماشے دکھاتا۔ کھیتوں میں جاتا اور بیمار سپاہیوں کے لئے جڑی بوٹی تلاش کرتا۔ کبھی مسخرا بن جاتا۔ کبھی ہوشیار کاریگر بن کر دوسروں کے حق میں بکار آمد ثابت ہوتا۔ اجرتی سپاہیوں کو اس سے خدمت لینے کی عادت سی پڑ چلی اور وہ اسکی عزت کرنے لگے۔

اس اثنا میں سپاہیوں کو انتظار رہنے لگا کہ قرطاجنہ سے کوئی ایلچی یا سفیر آتا ہوگا۔ اس کے ساتھ بہت سے خچر ہونگے جن پر اشرفیوں کے صندوق لدے ہوں گے اب وہ ریت پر بیٹھکر بار بار حساب کرتے۔ ہر سپاہی سوچتا کہ روپیہ ملنے پر اپنی زندگی

کس رنگ میں گذارے گا۔ بعض کو خیال ہوا کہ وہ بہت سی حرمیں اور غلام رکھیں گے۔ بعض نے بڑی بڑی زمینیں خریدنے کا منصوبہ گانٹھا۔ بعض نے خیال کیا کہ جس قدر دولت ملے گی اُسے زمین میں دفن کر کے محفوظ کر دیں گے۔ بعض کو خیال ہوا کہ اس دولت سے تجارت کا مال جہازوں میں بھر کر غیر ملکوں کو بھیجیں گے۔ بہر کیف کاہلی اور بیکاری نے اُن کے مزاج چڑچڑے کر دیئے۔ سواروں اور پیدلوں میں ہمیشہ نزاع برپا رہتی۔ یہی کیفیت اُجرتی سپاہیوں اور یونانی سپاہیوں میں رہتی۔ عورتوں کا غُل اور شور اس قدر رہنے لگا کہ کان بہرے ہوئے جاتے تھے۔

اب ہر روز آدمیوں کے بڑے بڑے گروہ بلا توقع یا انتظار لشکر گاہ میں آنے لگے۔ یہ لوگ اکثر برہنہ ہوتے تھے اور دھوپ سے بچاؤ کے لئے اُن کے سروں پر گھاس بندھی ہوتی۔ یہ سب وہی تھے جو قرطاجنیوں سے قرضہ لے چکے تھے اور قرضخواہ اپنی زمینیں اُن سے جبراً کاشت کراتے تھے۔ یہ اپنا کام چھوڑ کر یہاں بھاگ آئے تھے۔ ملک لبیہ کے لوگ اُن میں بکثرت تھے۔ اور اُن میں وہ کاشتکار شامل تھے جو محصولوں سے تباہ ہو گئے تھے یا جو جلاوطنی کی تکلیف سے گھبرا اُٹھے تھے یا سزا کے خوف سے بھاگے ہوئے تھے۔ تاجر، شراب اور روغن فروش اس بات پر غصہ کھا کر کہ اُن کے دام نہیں دیئے گئے کثرت سے لشکر میں آنے لگے۔ یہ جتنے آدمی تھے سب جمہوری ریاست کو الزام دیتے تھے۔ اسپنڈیوس بھی غصّے میں ریاست پر لعن طعن کیا کرتا۔ اب لشکر میں کھانے پینے کا سامان تھُڑ چلا۔ اور باہم سرگوشیاں ہونے لگیں کہ پوری قوت سے قرطاجنہ پر حملہ کرنا اور رومانیوں کو اپنی کمک پر بلانا چاہیئے۔

ایک دن شام کے وقت بھاری بھاری آوازیں آنی شروع ہوئیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی وزنی چیز چرچر کرتی آ رہی ہے۔ دیکھا تو دور کوئی سُرخ چیز ٹیلوں اور گڑھوں میں اُونچی نیچی ہوتی لشکر کی طرف چلی آتی ہے۔

یہ ایک سُرخ رنگ کی پالکی تھی۔ پالکی کے گوشوں پر زینت کے لئے شُترمُرغ کے پَر لگے تھے۔ بلور کے ٹکڑوں کی زنجیریں سی بنی جن میں موتیوں کے طُرّے آویزاں تھے پالکی کو گِرتے ہوئے پردوں سے ٹکراتی چلتی تھیں۔ پالکی کے پیچھے بہت سے شُترسوار تھے۔ اُن کی گھنٹیاں اُنکے سینوں پر لٹکی بجتی جاتی تھیں۔ شُترسواروں کے گرد جیشِ اشرف کے بہت سے سوار تھے۔ یہ سر سے پاؤں تک سونے کی فلس دار زرہ پہنے تھے۔

لشکرگاہ سے تین سو قدم پر یہ سواری ٹھیری۔ تاکہ صندوق کھول کر اُن میں سے گول گول ڈھالیں اور چوڑی چوڑی تلواریں اور بیوتیا کے بنے ہوئے خود نکالیں بعض آدمی اُونٹوں کی نگہبانی پر رہے اور باقی پھر سواری کے ساتھ چلنے لگے۔ سب سے آخر میں قرطاجنہ کے جھنڈے اور بیرق نظر آئے۔ ان میں سب سے بڑا جھنڈا ایک نیلی لکڑی کا تھا جس کے اوپر کے سرے پر گھوڑے کا سر اور سر پر صنوبر کا پھل لگا تھا اُجرتی سپاہی اِس جھنڈے کو دیکھتے ہی کھڑے ہوئے اور تالیاں بجائیں۔ عورتیں جیشِ اشرف کے سواروں کی طرف دوڑیں اور اُن کی رکابیں چومیں۔

پالکی کو بارہ حبشی کندھوں پر رکھے لا رہے تھے۔ اُن کے قدم چھوٹے مگر جلدی جلدی لَے کے ساتھ پڑتے۔ اور جیسا موقع ہوتا تھا کبھی دائیں اور کبھی بائیں مڑ جاتے۔ اُن کے راستے میں جو چیزیں مخل ہوتیں وہ یا تو خیموں کی طنابیں ہوتیں یا آوارہ مویشی۔ یا وہ تپائیاں جن پر کھانا پکتا ہوتا۔ کبھی ایک موٹا سا ہاتھ پالکی کا پٹ اندر سے کھولتا دکھائی دیتا۔ انگلیوں میں کثرت سے انگوٹھی پہنے تھے۔ کرخت آواز میں کبھی کبھی پالکی کے اندر سے گالیاں بھی سُنائی دیتی تھیں۔ اس پر حبشی چلتے چلتے ٹھہر جاتے۔ اور کوئی دوسرا رستہ اختیار کرتے تھے۔

اب پالکی کے پٹ کُھلے اور سُرخ پردے بھی اُٹھ گئے۔ اور چوڑے سے ایک تکیے پر انسان کا سر نظر آیا۔ چہرے پر سوجن تھی اور وہ بے حس و حرکت تکیہ پر پڑا تھا۔ آنکھوں کے

اوپر کالی بھونرا سی بھنوؤں کے دونوں سرے ایک نقطہ پر ملتے تھے۔ سر کے بال جو بھیڑ کی اُون معلوم ہوتے تھے اُن میں سُنہری ستارے چمکتے تھے۔ چہرے پر کچھ ایسی زردی کھنڈی تھی گویا زرد سنگِ مرمر کا سفوف ملا ہے۔ باقی جسم اُونی چادروں اور کمبلوں میں جو پالکی میں بکھرے تھے چھُپا تھا۔

سپاہیوں نے پہچان لیا کہ کون آدمی پالکی میں لیٹا ہے۔ فوراً سمجھ گئے کہ یہ شفیتی حانو ہے۔ اور یہی وہ شخص ہے جس نے دیدہ و دانستہ سُستی اور کاہلی سے جزیرہ اگاتیس کی لڑائی ہروادی تھی۔ اور اگر لیبیہ والوں پر فتح پاکر اس سے کسی قدر مہربانی بھی ظاہر ہوئی تو مستاجر فوجیں سمجھتی تھیں کہ اُس کی وجہ حانو کی محض طمعِ زر تھی۔ جس قدر اسیرانِ جنگ اِس لڑائی میں حاصل ہوئے تھے اُن کو بیچ کر اس کا روپیہ اپنی جیب میں رکھا اور ریاست کو اطلاع دی کہ وہ سب مر گئے۔

کچھ وقت اس میں صرف کرکے کہ سپاہیوں کے سامنے تقریر کے لئے کوئی اچھی سی جگہ ملے اُس نے کہاروں کو اشارہ کیا۔ پالکی فوراً ٹھیر گئی۔ اور حانو ایک بوسیدہ مینار کی طرح جو ٹوٹ کر گرنے کو ہو دو غلاموں کا سہارا لئے پالکی سے اُترا اور زمین پر قدم رکھا۔

پاؤں پر سیاہ نمدے کے موزے جن پر چاندی کے ہلال بنے تھے حانو چڑھائے تھا۔ ٹانگوں پر کپڑے کی پٹیاں اس طرح لپٹی تھیں جیسے مصر والے اپنے مُردوں پر لپیٹتے ہیں۔ پٹیوں کے بیچ میں گوشت کے لوتھڑے اُبھرے ہوئے تھے۔ سُرخ رنگ کا خفتان جو رانوں تک آیا ہوا تھا اُس میں سے بڑی توند باہر کو نکلی تھی۔ گردن کا چمڑا اس طرح سینے پر پڑا تھا جیسے گائے یا بیل کا گھینگا ہو۔ عبا کے ٹانکے جس پر پھول کڑھے تھے، کندھوں کے جوڑ کے پاس ٹوٹنے کو ہو رہے تھے۔ ایک چوڑا پٹکا کمر سے بندھا تھا۔ اور ایک کیسہ اُس میں لٹک رہا تھا۔ سب کے اوپر ایک سیاہ رنگ

کا لمبا چوڑا جبہ تھا جس میں دونوں طرف دو دو آستینیں فیتوں سے بندھی تھیں۔ کپڑوں کی اس کثرت میں نیلے پتھروں کا ایک ہار گلے میں پڑا۔ پیٹی میں بھاری طلائی قبضے اور کانوں میں سونے کے وزنی بالے اور بھی اُسکو کریہہ منظر اور بدہیئت بنائے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ کسی بھاری پتھر یا لکڑی کے کُندے سے ایک بڑا موٹا بُت تراشتے تراشتے ادھورا چھوڑ دیا ہے۔ تمام جسم پر کوڑھ کی پھولن کچھ ایسی تھی کہ معلوم ہوتا تھا حس و حرکت کی طاقت بالکل باقی نہیں رہی۔ مگر مُنہ پر ناک البتہ گدھ کی چونچ کی طرح تیز اور نیچے کو جھکی تھی۔ نتھنے خوب پھیلتے سکڑتے تھے کہ سانس اچھی طرح اندر باہر جائے۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں جن کی پلکیں چپکی رہتی تھیں۔ پیتل یا تانبے کی طرح چمکتی تھیں۔ اُس کے ہاتھ میں صبر کی لکڑی کا ایک پُشت خار تھا جس سے وہ اپنے جسم کو کھُجاتا تھا۔

آخرکار دو منادوں نے اپنے چاندی کے ترم بجائے۔ غل میں کچھ کمی ہوئی حانو نے تقریر شروع کی تقریر کا آغاز خُداؤں کی تعریف سے کیا۔ پھر ریاست قرطاجنہ کی ستائش کی۔ اور کہا کہ "وحشی قوموں کو ہماری ریاست کا احسانمند ہونا چاہیئے کہ اُس نے اُن کو اپنی مُلازمت میں رکھا لیکن ان قوموں کو اپنے طرز عمل میں زیادہ عقل اور ہوشمندی سے کام لینا ضروری ہے۔ زمانہ سخت ہے۔ اگر کوئی آقا تین غُلام رکھتا ہے تو کیا یہ دُرست نہیں کہ وہ دو غلام اپنی ذاتی خدمت کیلئے مخصوص کر دے"

غرض یہ بڈھا شفیق حانو تشبیہات اور ضرب الامثال سے اپنی تقریر میں رنگ ہی پیدا نہ کرتا تھا بلکہ اپنے سر کو بھی بار بار اس طرح جنبش دیتا کہ گویا تعریف سُننے کا متوقع ہے۔

تقریر قرطاجنی زبان میں کرتا تھا۔ لیکن جو لوگ اپنے ہتیار پھینک پھینک کر دوڑے ہوئے اسکی تقریر سُننے آئے تھے اُن میں زیادہ تر لوگ کمپانیہ، گالیہ اور یونان کے تھے بغرض

سمجھنا چاہیے کہ اس مجمع میں ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا جو حانو کی تقریر سمجھتا ہو۔ حانو کو جونہی یہ خیال گذرا تو وہ تقریر کرتے کرتے رکا اور ایک ٹانگ سے دوسری ٹانگ پر اپنا بوجھ منتقل کر کے کچھ سوچنے لگا۔

خیال آیا کہ افسرانِ فوج کو طلب کیسے۔ چنانچہ منادوں نے فوراً اس حکم کا اعلان یونانی زبان میں کیا۔ قرطاجنی فوجوں میں حکم دینے کی زبان یونانی تھی اور یہ طریقہ بادشاہ زان تھیپس کے زمانے سے جاری تھا۔

جیشِ اشرف کے سواروں نے جو اس وقت حانو کے محافظ تھے کوڑے مار کر سپاہیوں کو ہٹایا۔ اُجرتی فوجوں کے افسر فوراً حاضر ہوئے۔ ان میں اسپارٹا کے طرز پر جو فے لانکس بنائے تھے اُن کے افسر بھی حاضر تھے۔ یہ سب اپنی اپنی فوجوں کے نشان سینے پر لگائے تھے۔ اور اُن کے ہتیار اور زرہ بھی اپنی ہی قوم کے دستور کے مطابق تھی۔ اب رات ہوگئی تھی۔ تمام میدان میں جگہ جگہ سخت شور اٹھا۔ جہاں تہاں آگیں جلنے لگیں۔ ایک آدمی دوسرے سے پوچھتا کہ یہ معاملہ کیا ہے اور شفیقی حانو ہماری تنخواہوں کا روپیہ کیوں تقسیم نہیں کرتا۔

حانو نے افسرانِ فوج کو مخاطب کر کے کہا کہ " ریاست کو بے انتہا مصارف برداشت کرنے پڑے ہیں۔ خزانہ خالی ہوگیا ہے۔ اور جو خراج رومہ کی سلطنت نے ہم پر لگایا ہے اور جس طرح وہ وصول کیا جاتا اُس نے اور بھی ہم کو تباہ اور مفلس کر دیا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی حالت میں ہم کیا کریں۔ ریاست آج کل فی الواقع واجب الرحم ہے"

تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ چوبی پشت خار سے اپنی پنڈلیاں کھجاتا۔ یا تقریر بند کر کے چاندی کے ایک کٹورے سے جو غلام پیش کرتا وہ ایک آدھ گھونٹ اس دوا کا پیتا تھا جو نیولوں کو زندہ جلا کر اُن کی راکھ اور ہڈیوں کو سرکہ میں جوش دیکر تیار کی گئی تھی۔ پھر

ایک سُرخ رومال سے ہونٹ پونچھ کر تقریر شروع کر دیتا۔ کہنے لگا کہ:۔

"پہلے جو چیز چاندی کے ایک شاقل میں خریدی جاتی تھی اب وہ سونے کے دو شاقل میں ملتی ہے۔ جو اراضی اس جنگ کے زمانے میں بلا کاشت رہیں اس کی آمدنی بھی صفر رہی۔ وہ بحری مقامات جہاں سُرخ مچھلیاں پکڑی جاتی تھیں اور جن سے شنجرف تیار ہوتا تھا وہ ویران پڑے ہیں۔ موتیوں کی قیمت بھی بہت بڑھ گئی ہو بتخانوں میں بتوں پر ملنے کے لیے روغن اور عطریات بھی محض ضرورت کے قابل دستیاب ہوتے ہیں۔ رہیں کھانے پینے کی چیزیں جو دستر خوان پر چُنی جاتی ہیں اُن کی نسبت میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جہاز نہیں ہے۔ اس لئے ملک میں گرم مصالحوں کا کال پڑ گیا۔ کایرینی کی سرحدوں پر بغاوت کی وجہ سے سلفیم کی بھی قلت ہو چلی ہے۔ صقلیہ کا جزیرہ جہاں پہلے غلام بکثرت آتے تھے اب اُس کا دروازہ بھی مسدود ہو گیا۔ کل ہی کا ذکر ہے کہ حمام کے لیے دو غلام اور باورچی خانے کے لئے چار غلاموں کی قیمت اس سے زیادہ دینی پڑی جو پہلے دو ہاتھیوں کی دی تھی۔"

اب حانو نے ایک لمبا کاغذ جو لپٹا ہوا تھا کھول کر تمام وہ اخراجات سنانے شروع کیے جو ریاست کو اُٹھانے پڑے تھے۔ حانو نے اپنی تقریر میں اخراجات کی رقمیں بھی بیان کرنی نہ چھوڑیں۔ خرچ کی تمام مدیں بیان کر گیا۔ اتنا روپیہ ہیکلوں کی مرمت میں، اتنا روپیہ سڑکوں کا فرش سنگین کرنے میں۔ اتنا جہازوں میں اتنا سمندر سے مونگوں کے نکالنے میں صرف ہوا۔

لیکن تقریر کے سُننے والوں میں فوجی افسر بھی قرطاجنی زبان سے ایسے ہی ناواقف تھے جیسے کہ سپاہی۔ گو یہ سچ ہے کہ مستاجر سپاہی افسروں کی سلامی اسی قرطاجنی زبان میں اتارتے تھے۔ دستور یہ تھا کہ ترجمانی کی غرض سے مستاجر فوجوں میں چند قرطاجنی بھی مقرر کر دئیے جاتے تھے۔ مگر یہ افسر بدنام ہو گئے اور لڑائی کے بعد اس خوف سے کہ

سپاہی اُن سے انتقام نہ لیں وہ کہیں رُوپوش ہو گئے۔ قرطاجنہ سے چلتے وقت حانو کو خیال نہ رہا ورنہ اُن کو ساتھ لے لیتا۔ اب ہوا تیز چلنے سے حانو کی آواز لوگوں کو کم سُنائی دیتی۔

یونانی جو کمر میں فولاد کی پیٹیاں لگائے تھے بہت کوشش کرتے تھے کہ حانو کی کوئی بات اُن کی سمجھ میں آجائے۔ پہاڑی ملکوں کے رہنے والے سپاہی جو پوستین پہنے بالکل ریچھ معلوم ہوتے تھے اُن کو حانو سے خاص طور پر خصومت تھی۔ وہ اپنی لکڑیوں پر جن میں پیتل کی مینخیں لگی تھیں سہارا لئے کھڑے تھے یا اکثر جمائیاں لیتے تھے۔ گالیہ والے جن کے قد سر کے جوڑوں کی وجہ سے زیادہ اُونچے معلوم ہوتے تھے، وہ طنزاً ہنستے تھے اور حانو کی طرف بالکل متوجہ نہ تھے۔ صحرائی جو اونی کپڑوں میں لپٹے لپٹائے کھڑے تھے وہ بالکل بُت بنے خاموش تھے۔ حانو کی تقریر سُننے کے لئے مجمع بڑھتا جاتا تھا۔ وہ کاہیل میں جیشِ اشرف کے سوار اپنے گھوڑوں پر بیٹھے چکر کھا رہے تھے۔ حبشیوں کے ہاتھوں میں مشعلوں کی جگہ صنوبر کی جلتی شاخیں تھیں، اور یہ موٹا بڈھا قرطاجنی گھاس کے ایک ڈھیر پر کھڑا تقریر کرتا تھا۔

مستاجروں کو آخر کار صبر نہ رہا۔ پہلے تمام مجمع میں ایک ہلکا سا شور ہوا اور پھر سب کے سب حانو پر چیخنے چلّانے لگے۔ حانو کے ہاتھ میں جو پُشت خار تھا اُس سے وہ کھیلتا رہا۔ کچھ لوگوں نے غُل کو کم کرنا چاہا مگر اس میں وہ خود اتنے چیخے کہ غُل اور بڑھا۔

دفعتاً ایک حقیر صورت کا آدمی مجمع میں سے کُود کر حانو کے سامنے آیا اور ایک منادی کے ہاتھ سے ترم چھین کر اُسے زور سے پُھونکا۔ (یہ اسپندیوس تھا) اور کہا کہ "میں ایک نہایت قابلِ غور بات کہنی چاہتا ہوں"۔ یہ فقرہ اسپندیوس نے جلد جلد پانچ مختلف زبانوں میں کہا یعنی لاطینی، یونانی، گالی، لبیانی اور بلیارک زبان میں ادا کیا۔

فوجی افسر کچھ تو اس حرکت پر ہنسے اور کچھ تعجب کیا۔ لیکن آخر کار انہوں نے کہا۔

"اچھا کہو۔"

اسپندیوس کو پہلے تو کچھ بولنے میں تامل ہوا۔ پھر وہ لرزنے لگا۔ آخر کار اس نے لیبیہ کے سپاہیوں کو خطاب کیا جو تعداد میں سب سے زیادہ تھے۔ اور کہا کہ "آپ نے سنا کہ یہ آدمی آپکو کیا دھمکیاں دے رہا تھا۔ آپ کچھ سمجھے بھی؟"

حانو نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ جس سے ظاہر ہوا کہ وہ لیبیہ کی زبان نہیں جانتا۔ اسپندیوس نے اپنی تقریر جاری رکھی۔ جو فقرہ کہتا اس کا ترجمہ مستاجروں کی زبانوں میں کرتا جاتا۔

سپاہی اب ایک دوسرے کا منہ دیکھتے تھے۔ اور پھر سب نے گویا پہلے ہی سے یہ بات ٹھان رکھی تھی پیچ کر کہا کہ حانو نے جو کچھ کہا اس کا مطلب ہم سمجھ گئے۔ اس پر سب نے گردنیں ہلائیں کہ گویا جو کچھ کہتے ہو درست ہے۔

اب اسپندیوس نے اپنی تقریر میں اور زیادہ سخت لہجہ اختیار کیا اور کہا کہ حانو نے اپنی تقریر میں سب سے پہلے یہ کہا تھا کہ قرطاجنہ کے خداؤں کے سامنے اور تمام قوموں کے خدا اسچر اور لوچ ہیں۔ حانو نے تم کو بزدل اور نامرد کہا۔ اس نے تم کو چور، جھوٹا، سگ اور سگ زادہ کہا۔ اور کہا کہ قرطاجنہ سے جو خراج رومہ کو جاتا ہے اس کا باعث تم ہی ہوئے ہو۔ تمہاری لوٹ مار نے قرطاجنہ کو خوشبوؤں، غلاموں اور سلفیوم سے محروم کر دیا۔ کیونکہ تم کابرنی کے باغی قبائل سے سازش رکھتے ہو۔ پس جس جس نے یہ جرم کیا ہے وہ سزایاب ہوں گے۔ حانو نے وہ فہرستیں جن میں ایسے مجرموں کی سزائیں بیان تھیں پڑھکر تم کو سنائیں۔ کہ ایسے مجرموں کی سزا یہ ہوگی کہ سڑکوں پر پتھر لگانے کا کام ان سے لیا جائے۔ جہازوں کی آراستگی اور طعام خانوں کی زینت و زیبائش کا کام ان کو کرنا پڑے۔ اور جو ان کاموں سے بچیں ان کو قلعہ بند کے ملک میں وہاں کی

مٹی کھودنے بھیجا جائے۔"

اسپندیوس نے اپنی تقریر کا خلاصہ یونانیوں، کمپانیوں اور گالیہ اور بلیارک والوں کو ان کی زبانوں میں ترجمہ کر کے سنایا۔ خاص خاص مقاموں کے نام جو حانو کی تقریر میں آئے تھے ان کو اسپندیوس کی تقریر میں سن کر کامل یقین ہو گیا کہ اسپندیوس جو کچھ کہتا ہے وہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ اور وہ شفیتی حانو کی تقریر کو من وعن بیان کر رہا ہے۔ ان میں دو چار ایسے بھی تھے جنہوں نے کہا کہ اسپندیوس بالکل جھوٹ بکتا ہے۔ لیکن دوسروں کے شور و غل میں ان کی بات کون سنتا تھا۔ اسپندیوس نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہا "کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ لشکر گاہ سے باہر حانو نے سواروں کا ایک دستہ کھڑا کر رکھا ہے کہ اس سے اشارہ پاتے ہی وہ سب ہم پر ایک دم دھاوا کر دیں۔ اور پھر ہم میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑیں۔"

سپاہیوں نے اس طرف مڑ کر دیکھا ہی تھا کہ بھیڑ میں سے کچھ ہلکی ہوئی اور ایک دبلا سوکھا کھڑا ننگا آدمی، مگر سر کے بال اتنے بڑھے ہوئے کہ کمر تک آتے تھے، نمودار ہوا۔ بالوں میں پتے تنکے اور کانٹے بکھرے تھے۔ گھٹنوں سے اوپر کچھ پھوس اور چیتھڑے لپٹے تھے۔ جلد پر جھریاں پڑیں، ہڈیوں پر زرد کھال اس طرح لٹکی جیسے کسی درخت کی سوکھی ٹہنیوں پر چیتھڑے لٹکے ہوں۔ جسم پر رعشہ، ایک ہاتھ میں زیتون کی لکڑی تھی جس کے سہارے وہ چلتا تھا۔ جب وہ حبشیوں کے قریب پہونچا جن کے ہاتھ میں مشعلوں کی جگہ جلتی لکڑیاں تھیں تو وہ دیوانوں کی طرح ہنسا۔ ہنستے ہی اس کے زرد زرد مسوڑھے نظر آئے۔ اب اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر وحشی مستاجروں کو دیکھنا شروع کیا۔ پھر ڈر کر اس نے ایک چیخ ماری اور وہ سپاہیوں کے پیچھے چھپ گیا۔ اور اپنے بچاؤ کے لئے ان کی آڑ میں آ گیا۔ اور ہکلا ہکلا کر کہنے لگا "وہ دیکھو وہ آ رہے ہیں! وہ آ رہے ہیں!" اور یہ کہہ کر اس نے حانو کے محافظ سوار جہاں کھڑے تھے ادھر اشارہ کیا۔

سوار خوب چمکتے ہتھیار لگائے بالکل خاموش اور بے حس و حرکت کھڑے تھے۔ اُن کے گھوڑے اندھیرے میں روشنی دیکھکر زمین پر ٹاپیں مارتے تھے۔ اور وہ دُبلا سوکھا آدمی بل کھا کھا کر چیختا تھا "آہ دیکھو انہوں نے آخر کار اُن کو مار ہی ڈالا"۔

جب یہ آخری جملہ جو اُس نے بلیارک زبان میں کہا تھا اُسکے ہموطنوں نے سُنا تو وہ قریب آئے اور انہوں نے اِس آدمی کو پہچان لیا مگر جب انہوں نے اس سے سوال کئے تو اُس نے جواب نہیں دیا اور یہی کہے گیا "آخر کو انہوں نے مار ہی ڈالا"۔

"ہاں ہاں سب مارے گئے۔ اس طرح کچل دئے گئے جیسے کوئی انگوروں کو کچلے۔ ہاں ہاں وہ بہادر فلاخن انداز سب مارے گئے۔ وہ میرے اور تمہارے ساتھی تھے۔"

سپاہیوں نے اُسے ایک گھونٹ شراب کا دیا تو پیتے ہی وہ رونے لگا۔ پھر ایکدم ہی اس کی زبان کھلی۔

اسپنڈیوس اس وقت ایسا خوش تھا کہ اپنی خوشی کو وہ چھپا نہ سکتا تھا۔ اور وہ نہایت شوق سے جو کچھ زار زار اس کہتا تھا اُسکو یونانی زبان میں یونانیوں کو اور لیبیائی زبان میں لیبیا والوں کو ترجمہ کر کے سُناتا۔ اسپنڈیوس خود ان واقعات کا جو ذکر اپنے موقع اور محل پر پیش آئے تھے مشکل سے یقین کر سکتا تھا۔ لیکن سپاہیوں نے جب سُنا کہ ان کے ساتھی کس طرح مارے گئے تو ان کے چہرے زرد ہو گئے۔

یہ لوگ جو مارے گئے تھے ان کا قصہ یہ تھا کہ وہ فلاخن اندازوں کا ایک گروہ تین سو جوانوں کا تھا جس دن پیغمبر مستاجروں کا لشکر قرطاجنہ سے روانہ ہوا۔ یہ تین سو جوان ایک رات پہلے شام کے وقت قرطاجنہ پہنچے تھے۔ وہ دوسرے دن دیر تک سوتے رہے۔ جب وہ خانوں والے چوک پر پہنچے تو مستاجر روانہ ہو چکے تھے۔ چونکہ سیسے کے گولے اور ان کا تمام سامان حرب اونٹوں پر لد چکا تھا اس لئے وہ بالکل نہتے

رہ گئے تھے۔ اور کوئی چیز اپنے بچاؤ کی اُن کے پاس نہ تھی۔ قرطاجنہ کے لوگوں نے اُن کو بازار شہیب میں بلوطی دروازے تک صحیح سلامت جانے دیا۔ اِس دروازے پر پیتل کی چادریں چڑھی تھیں۔ پھر شہر والوں نے ایک دفعہ ہی غیظ میں آکر اُن پر حملہ کر دیا۔ اور کسی کو زندہ نہ چھوڑا۔

مستاجروں کو اتنا ضرور یاد تھا کہ جب وہ قرطاجنہ سے چلے ہیں تو راستے میں اُنہوں نے ایک شور سُنا تھا۔ اسپنڈیوس اپنی بھاگڑ میں اِس وقت فوجی دستوں کے آگے چل رہا تھا۔ اُسکے کانوں میں شور نہ پہونچا تھا۔

جب قرطاجنہ کے لوگوں نے ان قتلہ اندازوں کو مار ڈالا تو اُن کی لاشیں خامون کے ہیکل میں لائے۔ یہاں شرفائے قرطاجنہ کے خداؤں کے چھوٹے چھوٹے بُت ایک حلقہ میں نصب تھے۔ اِن بُتوں کے سامنے لاشوں کو ڈال دیا۔ اور جس قدر جرائم کا ارتکاب مستاجروں سے ہوا تھا وہ سب ان کے سر تھوپے۔ ان کی طمع زر، بسیار خوری، ان کی چوریاں، مذہب کی توہین، سرکشانہ طور طریقے اور جس طرح انہوں نے سلامبو کے باغ میں مچھلیوں کو مارا تھا۔ یہ کُل الزام ان بُتوں کے سامنے اُن پر عائد کیے۔ نہایت شرمناک طریقے سے ان لاشوں کا قطع اعضا کیا۔ کاہنوں نے انکے بالوں میں آگ لگادی تاکہ اُن کی رُوحوں پر عذاب کی زیادتی ہو۔ اُن کے گوشت کے ٹکڑے قصابوں کی دکانوں میں لٹکائے گئے۔ بعض نے اِس گوشت پر دانت بھی مارے۔ اور شام ہوتے ہی اِن لاشوں کا بالکل خاتمہ کرنے کے لیے چوراہوں پر آگ جلائی گئی۔

یہ انہی آگوں کے شُعلے تھے جو دُور سے مستاجروں کو جھیل پر اپنا عکس ڈالتے نظر آتے تھے۔ لیکن اِس آگ جلانے میں کچھ گھر بھی جل اُٹھے۔ غرض جو مر چکے تھے اور جو مر رہے تھے سب کو جلدی سے اُٹھا شہر پناہ کی دیواروں کے نیچے

پھینک دیا۔

زارازاس اِس واقعہ کے دوسرے دن ایک جھیل کے کنارے نرسلوں میں چھپا بیٹھا رہا۔ وہاں سے نکل کر وہ دیہات میں پڑا پھرا۔ زمین پر لشکر کے چلنے کے نشان ڈھونڈتا تھا۔ جب دن ہوتا تو غاروں میں جا چھپتا۔ جب شام ہوتی تو نکل کر پھر چلنا شروع کرتا۔ فاقوں سے بُرا حال تھا۔ زمین سے چیزیں کھود کر اور ناپاک چیزیں کھا کر پڑ رہتا۔ آخر کار ایک دن سپاہیوں کے چمکتے ہوئے نیزے اسکو دکھائی دیے۔ اب وہ انہی کو دیکھتا آگے بڑھا۔ اسکے دماغ کے معطل ہونے کی بڑی وجہ یہی خوف اور فاقے تھے۔

زارازاس جب تک بلیارک دستہ فوج کے مارے جانے کا حال سُناتا رہا، مستاجر اپنے غصّے کو پیتے رہے۔ لیکن پھر یک بخت اُن کا غصّہ اس طرح پھٹ پڑا جیسے آسمان سے رعد و باراں کا طوفان پھٹ پڑے۔ اب اُنہوں نے چاہا کہ جیشِ اشرف کے سواروں کو جو حانو کے ہمراہ بطور محافظ کے تھے ان سب کو قتل کر دیا جائے۔ اور شفیتی حانو کو بھی تہ تیغ کریں لیکن بعض لوگ اس میں مانع ہوئے۔ اور کہنے لگے پہلے حانو سے اپنے روپے کی نسبت تو پوچھ لو، کہ آیا وہ تم کو دیا بھی جائے گا یا نہیں۔ اس پر سب چلا چلا کر کہنے لگے "ہمارا روپیہ، ہمارا روپیہ!" حانو نے جواب دیا کہ "تمہارا روپیہ میرے ساتھ ہے!"

اب مستاجر اس طرف دوڑے جہاں حانو کا سامان خیموں میں رکھنے کے لئے آرہا تھا۔ جو لوگ سامان لا رہے تھے اُن کو آگے کو دھکے دیے کہ جلدی سے خیموں تک پہنچیں۔ ٹوکروں کو ہاتھ لگانے نہ دیا اور سامان مستاجروں نے خود کھولا۔ حانو کے غلاموں کے آجانے کا بھی انتظار نہ کیا کہ وہ موقع پر موجود رہیں۔ جب ٹوکروں کو کھولا تو دیکھا اُن میں عجیب و غریب پوشاکیں، عطریات، اسفنج کے ٹکڑے۔ اُسترے، بُرش،

سُرمہ دانیاں اور سُرمہ لگانے کی سلائیاں بھری ہیں۔ یہ چیزیں حبشی اشرف کے سواروں کی تھیں جو حانو کے محافظ تھے۔ یہ لوگ دولتمند ہوتے تھے اور اس قسم کے تکلفات کی عادت رکھتے تھے۔ اب سپاہیوں نے دیکھا کہ پیتل کا ایک بڑا ٹب ایک اونٹ پر لدا چلا آتا ہے۔ یہ ٹب حانو کا تھا اور سفر میں نہانے کے لئے ساتھ تھا۔ حانو نے اِس سفر میں ہر قسم کی احتیاط کی تھی حتیٰ کہ نیولے تک پنجروں میں بند ساتھ تھے، جو حانو کی ٹھنڈائی کے لئے زندہ بھونے جاتے تھے۔ حانو کا مرض بھی ایسا تھا جس نے بھوک بڑھا دی تھی۔ اس لئے طرح طرح کے گوشت، مٹھائیاں، قسم قسم کے اچار مُربے شہد میں پڑی ہوئی مچھلیاں بڑی بڑی مقداروں میں ساتھ تھیں۔ اور ان میں ایک خاص قسم کا کھانا جسے گانگی کہتے تھے وہ بھی تھا یعنی بطخ کی چربی کو بھون کر اس پر بارانی برف اور ایک قسم کا پھونس جمایا گیا تھا۔ حانو کے سامان میں ایسی چیزوں کی بڑی کثرت تھی۔ سامان میں جس قدر ٹوکرے اور پیٹیاں تھیں اُن میں سے ایسی ہی عجیب و غریب چیزیں نکلتی تھیں کبھی لوگ اُن کو دیکھکر ہنستے اور کبھی غصہ کھاتے۔

مستاجروں کی تنخواہ کی نسبت خیال ہوا کہ ان کا روپیہ دو صندوقوں میں بھرا ہے مگر جب ان کو کھولا تو اسپراٹو گھاس اُن میں بھری نکلی۔ ایک صندوق میں چمڑے کے گول گول گتّے جو تنخواہ داروں کو تنخواہ سے پہلے دئے جاتے تھے بھرے تھے۔ جب مستاجروں نے اس پر حیرت ظاہر کی تو حانو نے کہا "تمہاری تنخواہوں کا حساب کچھ ایسا پیچیدہ ہو گیا ہے کہ اُسکو صاف کرنیکے لئے ریاست کے اہل کاروں کو کافی وقت نہ مل سکا۔ اِسلئے یہ چمڑے کے گتّے اُنہوں نے پیشگی بھیجدئے ہیں۔"

اس پر ایک طوفان برپا ہو گیا۔ سب چیزیں زیر و زبر ہو گئیں۔ خچر اور اُنکے سائیں کھانے پینے کی چیزیں اور ہر قسم کا سامان حتیٰ کہ حانو کی پُر تکلف پالکی تک سب اُلٹ پلٹ

ہوگئیں۔ تھیلیوں میں جو روپیہ بھرا تھا وہ سپاہیوں نے اس لئے نکالا کہ اس کی مٹھیاں بھر کر حانو کے کھینچ ماریں۔ حانو بڑی مشکل سے جوں توں کر کے ایک گدھے پر سوار ہوا۔ اور اس کی ایال پکڑے روتا پیٹتا جھٹکے کھاتا بھاگا۔ جسم جا بجا چھل گیا۔ حانو اس حال میں بھاگتا جاتا تھا اور سپاہیوں کو گالیاں اور کوسنے دیتا جاتا تھا۔ اور دعا مانگتا تھا کہ خداؤں کا قہر ان پر نازل ہو۔ گلے میں جو جواہرات کا ہار تھا وہ گدھے کی جست وخیز میں اڑ اڑ کر کانوں تک پہونچتا تھا۔ جبے کو دانتوں میں پکڑ رکھا تھا کہ کہیں اڑ نہ جائے۔ اس کے پیچھے کچھ دور رمتا جو پکارتے چلتے "اے نامرد کمینے دور ہو، سور بھاگ جا، تو موتیخ کا گندہ حوض ہے، تو اپنی دولت اور اس بدمزاجی کے لئے چوٹی کا پسینہ ایڑی تک بہا تارہ تو اچھا۔"

حانو بڑی تیزی سے بھاگتا رہا اور اس کی رفتار میں تیزی بڑھتی ہی رہی۔ پہلو میں ایک طرف کو محافظ سواروں کا دستہ بھی ساتھ ساتھ بھاگتا رہا۔

سپاہیوں کا غصہ کم نہ ہوا۔ ان کو یہ بھی یاد تھا کہ راستے میں سے انکے کچھ لوگ قرطاجنہ کو واپس چلے گئے تھے۔ وہ پلٹ کر نہیں آئے۔ بیشک وہ بھی جان سے مارے گئے۔ اس قسم کے ظلموں اور زیادتیوں نے ان کو دیوانہ بنا دیا۔ اب انہوں نے خیموں کے کھونٹے اکھیڑنے اور خیموں کو لپیٹنا شروع کیا۔ گھوڑوں پر ساز ڈالنے لگے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی تلوار اور اپنا اپنا خود سنبھالا۔ تھوڑی سی دیر میں یہ سب کچھ ہوگیا جن کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا وہ جنگل میں گئے کہ لکڑیاں کاٹ لائیں۔

دن نکلا سکہ کے باشندے نیند سے جاگے۔ بازاروں اور شہر کولیا پر پھرتے چلتے نظر آئے ان سے کسی نے کہا کہ سپاہی قرطاجنہ جارہے ہیں۔ اور یہ خبر شہر سکہ کے تمام اطراف میں جلد پھیل گئی۔

ہر راستے نالے اور تنگ گھاٹی سے سپاہیوں کے گروہ نکلنے شروع ہوئے۔ پہاڑوں

پر سے گڈریے اور گلہ بان دوڑتے ہوئے اُترے۔ جب کُل متاجر فوجیں روانہ ہوگئیں تو اسپنڈیوس نے کُل میدان کا ایک گشت لگایا۔ اسوقت وہ ایک عُمدہ نسل کے قرطاجنی گھوڑے پر سوار تھا۔ اور ایک غلام ساتھ تھا جس کے ہاتھ میں ایک کوتل گھوڑے کی لگام تھی۔ تمام میدان میں صرف ایک خیمہ ایسا تھا جو آباد تھا۔ اسپنڈیوس اس خیمے کے اندر گیا اور کہنے لگا۔

"آقا اُٹھیے۔ ہم روانہ ہو رہے ہیں"۔

ماتو نے پوچھا "کہاں"؟

اسپنڈیوس نے کہا "قرطاجنہ جا رہے ہیں"۔

ماتو اُٹھا اور کُود کر گھوڑے پر سوار ہوا جو ایک غلام نے کس کسا کر دروازے پر تیار رکھا تھا۔

باب (۳)

سلامبو

طلوع ہوتے چاند کی شعاعیں موجوں سے ہم سطح تھیں، سارا شہر اندھیرے کے کالے کمبل میں لپٹا پڑا تھا۔ کسی کسی صحن میں رتھ کے چوب کا پہیہ یا کہیں کوئی سپید کپڑا لٹکا ہوا یا کسی دیوار کا پہلو یا کسی بُت کے گلے کا سنہری طوق سپیدی کی ایک تحریر یا روشنی کا نقطہ معلوم ہوتا ہے۔ معبدوں اور بُت خانوں کی چھتوں پر شیشے کے گولے بڑے بڑے ہیروں کی طرح جگمگا رہے ہیں۔ ٹوٹی ہوئی پرانی عمارتوں کے کھنڈر یا باغات یا کالی مٹی کے ڈھیر سیاہی ہیں اور سیاہی پیدا کرتے ہیں۔ ملقہ کے نیچے ماہی گیروں کے جال ایک گھر سے دوسرے گھر تک اس طرح پھیلے ہیں جیسے کوئی زبردست بڑا گرا اپنے پر تانے ہو۔ پہیٹھ جس سے قصر کی اونچی سے اونچی منزل پر پانی پہونچایا جاتا ہے، اس وقت اس کی آواز بند ہے۔ سائبانوں میں اونٹ شتر مرغ کی طرح پیٹ کے بل بیٹھے آرام میں ہیں۔ حمال گلیوں میں گھروں کی دہلیز پر سر رکھے بےخبر سوتے ہیں۔ شہر کے چوک جن میں اس وقت سناٹا ہے وہاں بڑے بڑے بتوں نے اپنی پرچھائیاں دور تک پھیلا رکھی ہیں۔ بُت خانوں کی چھتوں سے جو برنجی کھپروں کی ہیں کہیں کہیں کسی جلتی قربانی کا دھواں نکلتا نظر آتا ہے۔ اس دھوئیں میں عود و عنبر کی خوشبو ہے۔ سمندر کے

نمکین پانی کی مہک، دن بھر کی تپتی دیواروں کا بھبکا گرم ہوا میں ملا جلا محسوس ہوتا ہے۔ شہر کے گرد پانی کی جھیل و حرکت سطح حلقہ باندھے چمک رہی ہے۔ پہاڑوں سے گھری خلیج اور تونس کی جھیل پر چاندنی کھلی ہے۔ ریت کے ٹیلوں پر گلابی پروں والے ہنس اور لق لق پرے جمائے بیٹھے ہیں۔ اُفق کے کنارے آسمان کا نیلا گنبد ایک طرف زمین کی خاک در گرد میں اور دوسری طرف سمندر کے غبار اور کہر میں چھپا ہے۔ قلعہ کی چوٹی پر ہیکلِ عشمون کے اونچے اونچے سرو و شمشاد جھوم جھوم کر اس طرح سائیں سائیں کرتے ہیں جیسے شہر پناہ کے نیچے سمندر کی موجیں کنارے سے ٹکرا ٹکرا کر ہلکی ہلکی آواز پیدا کرتی ہیں۔

سلامبو اپنی دایہ تنعاخ کا سہارا لیئے سیڑھیاں چڑھ کر محل کے بالاخانے پر آتی۔ یہ دایہ گھر کی باندی ہے۔ اُس کے ہاتھ میں لوہے کا ایک طباق تھا جس میں کوئلے سُلگ رہے تھے۔ بالاخانے کے صحن کے وسط میں ہاتھی دانت کی ایک چھوٹی سی کوچ پڑی تھی۔ اس پر عناق کا ایک پوستین پڑا تھا اور بہت سے تکیے رکھے تھے جن میں طوطوں کے پر بھرے تھے۔ یہ پرندہ خداؤں کے دربار کا ہمنشین گو ہونے کی وجہ سے متبرک خیال کیا جاتا تھا۔ صحن کے چاروں گوشوں پر خوبصورت وضع کے چار ظروف رکھے تھے، ان میں خوشبو کی چیزیں مثلاً بالچھڑ، دارچینی اور مر بھرا تھا۔ دایہ نے جلتے کوئلوں پر یہ چیزیں چھڑکیں، فوراً خوشبوؤں کا دھواں اُٹھنے لگا۔ سلامبو نے اب قطب تارے کی طرف نگاہ جمائی اور آسمان کے چاروں گوشوں کی طرف منہ کر کے باری باری تعظیماً جھکی۔ پھر زمین پر گھٹنے ٹیکے جس پر لاجوردی ریت بچھا تھا اور اُس پر آسمان کی طرح ستارے و سیارے بنائے تھے۔ سلامبو نے اب اپنے دونوں بازو پہلوؤں سے ملا کر کہنیاں سیدھی کیں اور دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ سر نیچے کو ڈالا، چہرے پر چاندنی پڑ رہی تھی۔ عبادت میں یہ الفاظ اُسکے منہ سے نکلے:۔

"او رتبنا ..... بعلتہ ..... تانیت .....!" رباۃ کے یہ نام اُس نے ایسے لمبے اور دردناک لہجے میں لئے جیسے کوئی تکلیف میں کسی کو پکارتا ہو ... "اتامیس، استارتی، درکیتو، اسثورپت، ملیتیہ، اثارہ، ایلیسیہ، ترانہ، سوگند ہے تم کو رموزِ باطن اور جلجلہ کی صداؤں کی اور سوگند ہے زمین پر ہل کے خطوط و نقوش کی، میری فریاد سُنو اور قسم ہے تم کو سکوتِ ازل اور دائمی ثمر ریزی کی، اے بحرِ مخزول ور اُسکے زمردی کناروں کی رانی اور اے جملہ اشیائے رطیب کی ملکہ تجھ پہ سلام ہو!"

اِس دُعا میں اُس نے دو تین مرتبہ کھڑے کھڑے جھونکے سے کھائے اور پھر دفعتاً زمین پر اس طرح گری کہ پیشانی خاک پر تھی اور دونوں ہاتھ پھیلے تھے۔

دایہ تنعاخ نے فوراً سلامبو کو زمین سے اُٹھایا۔ کیونکہ یہ ایک مذہبی رسم تھی کہ جب کوئی عبادت میں اس طرح گرے تو اُسکو فوراً اُٹھایا جائے۔ اور اس طرح گرنا اِسبات کی علامت تھی کہ جو دُعا مانگی تھی وہ قبول ہوئی۔ جب کبھی پہلے سلامبو عبادت کرتے کرتے اس طرح گری تھی تو دایہ تنعاخ اپنا مذہبی فرض سمجھکر اُسکو زمین سے اُٹھایا تھا۔

دایہ تنعاخ کا قصہ یہ ہے کہ "دریتیاں گیتولیا" سے چند بردہ فرطاجنہ میں آئے تھے۔ اس وقت تنعاخ بچہ تھی۔ انہی بردہ فروشوں سے وہ خریدلی گئی۔ حالتِ غلامی میں سلامبو کو اُس نے دودھ پلایا۔ آزاد کی گئی مگر اس پہ بھی آقا کا گھر نہ چھوڑا۔ اس وقت وہ رنگ برنگ کا سایہ جو کولوں پر بہت چُست تھا پہنے تھی۔ سائے کی گوٹ میں بہت سے شیشے کے چھلے لگے تھے جو چلنے میں آواز دیتے تھے۔ چہرے کا نقشہ کسی قدر چپٹا تھا، اور اُس کا رنگ زرد کُرتے کے رنگ میں ملتا ہوا تھا۔ سر کے جوڑے میں پیچھے کے رُخ چاندی کی کیلیں بالوں میں اس طرح لگی تھیں جیسے کسی روشن چیز سے کرنیں نکلی ہوں۔ ناک میں کیل کی جگہ ایک سُرخ لونگا تھا۔ کوچ کے قریب نظریں نیچی کئے سر و قد کھڑی تھی۔

سلامبو اب، بالاخانے کے بالکل کنارے آئی۔ نگاہ اُٹھاکر چاروں طرف آسمان کو دیکھا۔ پھر نظر نیچی کرکے شہر پر جمائی۔ شہر پڑا سو رہا تھا منہ سے آہ نکلنے میں سینہ اونچا ہوا۔ اور ردا جو اس پر بغیر کسی تکمے یا بند کے پڑی تھی وہ اس سرے سے اُس سرے تک ہوا میں لہرانے لگی۔ پاپوش جس کی نوکیں اوپر کو اٹھی تھیں فیروزوں کے گچھوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ بن گندھے بالوں کا ڈھیر سرخ ڈوروں کی جالی میں پڑا تھا۔ ربہ قمر کے دیدار کے لئے سر اُونچا کیا۔ اور ایک دعا کے اجزا میں اپنے الفاظ شامل کرکے اس طرح کہے:۔

"ربہ۔ تیری گردش کیسی سُبک ہے۔ اثیر کا جوہر لطیف تجھے فضا میں سنبھالے ہے۔ اور تیرے گرد وہ نورانی ہے۔ ربہ تو اپنے قلب کی کسی اندرونی تحریک سے دُنیا میں ہوا اثیر چلاتی اور شبنم گراتی ہے جس سے زمین ثمر خیز ہوتی ہے۔ تیرے بڑھنے گھٹنے میں بلی کی آنکھیں اور چیتے کے گل بڑھتے گھٹتے ہیں، عورتیں دردِ زہ میں تیرا ہی نام زور زور سے لیتی ہیں۔ تو ہی صدف میں موتی ڈالتی ہے۔ تیری ہی وجہ سے شراب میں بلبلے اٹھتے اور مُردے لڑتے ہیں۔ تو ہی سمندر کی تہ میں دُرِ شاہوار پیدا کرتی ہے۔ اے ربہ تیری ہی وجہ سے تاریک اور گہرے مقامات میں ہر قسم کے جراثیم نمو پاتے ہیں۔

جب تو آسمان پر ظاہر ہوتی ہے تو زمین پر سکون اور اطمینان رہنے لگتا ہے، پھول اپنے ورق بند کر لیتے ہیں۔ اور سمندر میں موجیں تہ میں بیٹھ کر استراحت کرتی ہیں۔ تھکی ہاری مخلوق اپنے سینے تیرے سامنے کھول دیتی ہے۔ اور یہ سارا جہان مع اپنے سمندروں اور پہاڑوں کے تیرے چہرے میں آئینہ کی طرح اپنی شکل دیکھتا ہے۔ تو اُجلی اور پاک ہے۔ نجیب اور روشن ہے۔ دوسروں کی تو دستگیری کرتی ہے۔ اُن کو پاک و طاہر بناتی ہے:"

گرم چشمے والی پہاڑیوں کے اوپر خلیج کی دوسری جانب دو پہاڑیوں کے

جوف میں ماہِ نو ہلال کی شکل میں نظر آ رہا تھا۔ اُس کے نیچے ایک چھوٹا سا ستارہ تھا اور گرد روشنی کا ہالہ۔

سلامبو نے ربۃ قمر سے مخاطب ہو کر کہا "لیکن اے ماتا۔ آقا اور مالک ہونے کی حیثیت سے تو بڑی قہرناک ہے۔ بھوت پریت عجیب الخلقت جانور سب تیرے خلق کیے ہوئے ہیں۔ قہر و غضب کے خیال پیدا کرتی اور جھوٹے خواب دکھاتی ہے۔ تیری نگاہیں عمارتوں کے پتھروں کو فنا کر دیتی ہیں۔ اور اے ربہ جب تو گھٹنے لگتی ہے تو بندر درختوں کی شاخوں میں بیمار پڑ جاتے ہیں۔

اے ربہ بتا تو کہاں جاتی ہے۔ کیوں اس طرح اپنی صورت بدلتی رہتی ہے۔ کبھی تو ایک نازک کمان کی طرح فضا میں اس طرح حرکت کرتی ہے جیسے سمندر پر کوئی کشتی بغیر مستول و بادبان کے جاتی ہو۔ کبھی تو ستاروں کی پاسبانی اس طرح کرتی ہے جیسے کوئی چرواہا اپنے گلہ کی رکھوالی کرے۔ تو گول ہے اور درخشاں ہے اور پہاڑیوں کی چوٹیوں پر اس طرح چلتی ہے جیسے کوئی نور کا پہیا چلے۔

اے معبودہ، اے ماتا، کیا تجھکو مجھ سے عشق و اُلفت نہیں ہے۔ میں نے مدتوں تیری طرف آنکھیں لگائے رکھی ہیں۔ لیکن نہیں تو اس زمردی فضا میں بادبان لگائے اُڑتی پھرتی ہے اور میں بے حس و حرکت زمین پر ہوں"۔

سلامبو کہتی ہے "دایہ ذرا اپنا عود اٹھا لا اور چاندی کا تار ہلکے ہلکے بجا کیونکہ میرا دل اُداس ہے"۔

تنعاخ جلدی سے آبنوس کا بنا ہوا عود اٹھا لائی جو قد میں اس سے اونچا تھا۔ اور مثلث کی شکل رکھتا تھا۔ تنعاخ نے اسکو دونوں ہاتھوں سے بجانا شروع کیا۔

باجے کی صدائیں ایک کے بعد ایک جلد جلد پیدا ہوئیں مگر وہ ایسی ہلکی تھیں

جیسے شہد کی مکھیاں بھنبھناتی ہیں۔ رفتہ رفتہ آواز میں گرج پیدا ہوئی اور یہ آواز جو انسان کی آہوں سے زیادہ مشابہ تھی اندھیری رات میں فرار ہو کر قلعہ کی بلندیوں پر سے گزرتی ظلمت میں غائب ہو گئی۔ سلامبو نے یکلخت کہا "بس خاموش"۔

دایہ بولی "بی بی آج کل تو ذرا سی بات آپ کو پریشان اور آپ کے خیالات میں مخل ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ نسیم کا ہلکا سا جھونکا یا آسمان پر بادل کا گذرنا تک آپ کو چونکا دیتا ہے۔ بات یہ ہے کہ بی بی آپ عبادت اتنی کرتی ہیں کہ تھک کر چُور ہو جاتی ہیں"۔

سلامبو نے کہا "دایہ جی تو یہ چاہتا ہے کہ اپنی رُوح کو تحلیل کر کے عبادت میں اس طرح جذب کر دوں جیسے شراب پھول کو جذب کر لیتی ہے"۔

تنعاخ بولی "تو کیا عُود و عنبر کے بخور نے اپنی تیز خوشبوؤں سے تم کو پریشان کیا ہے"۔

سلامبو نے جواب دیا "شمیم شیریں تو وہ چیز ہے جس میں خداوں کی رُوح آسودہ رہتی ہے"۔

اب دایہ نے سلامبو کے باپ ہملکار کا ذکر کیا۔ اس کی نسبت خیال کیا جاتا تھا کہ وہ عنبر والے ملک میں جو ملک قرۃ کے پہاڑوں سے بھی آگے ہے گیا ہوا ہے۔ دایہ نے کہا کہ "اگر ہملکار نہ بھی آئے تو بھی تمہیں چاہیئے، جیسے کہ اُن کی خواہش تھی کہ ارکانِ ریاست میں سے کسی بزرگ کے بیٹے سے عقد کر لو۔ جب تم ایک مرد کے پہلو میں ہو گی تو یہ تنگ مزاجی اور طبیعت کی افسردگی دُور ہو جائے گی"۔

سلامبو نے پوچھا "یہ کیسے؟ میں نے تو جتنے مرد اب تک دیکھے، دیکھا کہ بدتمیز بنکر جانوروں کی طرح ہنستے اور خوش رہتے ہیں اور ہاتھ پاؤں اُن کے کرخت اور سخت ہوتے ہیں۔

تنعاخ، میرا حال تو یہ ہے کہ بعض وقت کلیجے میں گرم دھواں سا اٹھتا ہے۔ اور وہ ایسا گرم اور تکلیف دہ ہوتا ہے جیسے آتش فشاں پہاڑ سے بخارات اٹھتے ہوں اور اُن سے دَم گھٹنے لگے۔ میرے کانوں میں آوازیں آتی ہیں جیسے کوئی مجھے پکارتا ہے۔ سینے میں ایک آگ کا گولا سا اُٹھتا ہے جس سے دم بند ہو جاتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اب مرتی ہوں۔ اس کے بعد کوئی نرم اور لطیف چیز میرے تمام جسم میں سرایت کرتی ہے اور وہ پیشانی سے لیکر قدموں تک سارے میں دورہ کرتی معلوم ہوتی ہے۔ اور اس میں ایک لذّتِ ملاطفت ایسی ہوتی ہے کہ وہ تمام جسم پر محسوس ہوتی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خدا سر سے پاؤں تک مجھ پر چھایا ہے۔ ہائے، کاش یہ رات کا اندھیرا مجھکو نگل جاتا۔ یا کوئی دریا مجھ کو اپنی تہ میں بٹھا دیتا۔ یا میں درختوں میں ان کی شاخوں کا رس بن جاتی۔ یا اس قالب خاکی کو خالی کر کے میں نسیم کا ایک جھونکا ہو جاتی یا روشنی کی شعاع بنکر فضا میں تیرتی اور اُڑتی پھرتی۔ اور اسی طرح اُڑتی ہوئی اپنی معبود ماہ تک سے جا ملتی۔ ان میں سے کوئی بات بھی ہوتی تو میرے لئے وہ کیسی موجبِ مسرت ہوتی۔"

سلامبو کمان کی شکل پیچھے کو مڑی۔ اور اپنے دونوں ہاتھ جہاں تک ممکن تھا اونچے کئے۔ سیاہ لباس میں اُس کا چہرہ چاندی کی مثل زرد اور چاندنی کی مثل اس مادی عالم کی چیز نہ معلوم ہوتا تھا۔ اسی حال میں وہ ہاتھی دانت کی کوچ پر گر پڑی۔ تنعاخ نے فوراً ایک تعویذ جس میں عنبر کے ٹکڑے اور دولفن کے دانت پروئے تھے، اس کے گلے میں ڈالدیا۔ تاکہ جو خوف سلامبو پر طاری تھا وہ دُور ہو جائے۔ سلامبو نے دایہ سے آہستہ سے کہا کہ "شہابرم کو جلد بلا لاؤ۔"

سلامبو کے باپ نے اُسکو کاہنات سے ملنے کی اجازت نہیں دی تھی اور نہ اس بات کی اجازت دی تھی کہ ربۃ تانیت کے متعلق بیٹی کو وہ علم ہو کہ جو عوام الناس کو تھا۔

ہملکار کا قصد تھا کہ بیٹی کا عقد ارکانِ سلطنت میں سے کسی بڑے آدمی کے فرزند سے کر دے تاکہ اسکے ملکی منصوبوں میں اس تعلق سے مدد مل سکے۔ سلامبو باپ کے محل میں تنہا رہتی تھی۔ ماں کو مرے ہوئے برسوں گذر ے تھے۔

اس کی تمام زندگی زُہد و پرہیزگاری، روزوں اور عبادت الٰہی اور تزکیہ نفس پر گُذری تھی۔ اس کے گرد و پیش ہمیشہ ایسی چیزیں رہی تھیں جن سے تہذیبِ اخلاق ہو اور جو عظمت اور وقار کی پیدا کرنے والی ہوں۔ جسم اُس کا مُعطر رہتا تھا اور قلب خُدا کی باتوں سے معمور تھا۔ شراب یا گوشت اُس نے کبھی چکھا نہ تھا۔ کسی ناپاک جانور کو چھوا تک نہ تھا۔ اور نہ ایسے مکان میں قدم رکھا تھا جہاں کوئی مُردہ ہو۔

خُداؤں کی ایسی مورتیں جن سے رفت و فحش پیدا ہو اُن کا اُسے علم نہ تھا چونکہ ہر خُدا اپنے کو مختلف صورتوں اور شکلوں میں ظاہر کرتا تھا اس لئے جو مذہبی رسوم اُس سے وابستہ تھے اُن میں اس درجہ اختلاف ہوتا کہ تناقص پیدا ہو جاتا۔ بہرکیف وہ ایک ہی اصل کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ سلامبو ربۃ قمر کی پرستش محض اس کے جرمِ فلکی ہونے کی وجہ سے کرتی تھی۔ مگر اس جوان لڑکی پر ماہ کا اثر ہو گیا تھا اور جب چاند پورا ہو کر گھٹنا شروع ہوتا تو سلامبو کمزوری محسوس کرتی۔ دن بھر طبیعت سُست رہتی شام ہوتے کسی قدر جان آجاتی جب چاند کو گرہن لگتا تو نوبت مرنے تک پہنچتی۔ ربۃ رایت نے اس جلن میں کہ اب باکرہ لڑکیاں اُس پر قربانی چڑھانی بند ہو گئی تھیں اُس دوشیزہ سلامبو کے ساتھ یہ سُلوک کیا کہ اس کی طبیعت پر ہر وقت ایک بوجھ سا رہنے لگا۔ اور ایک ہی صورت ہر وقت سامنے بیٹھی نظر آتی۔ ان باتوں کی تکلیف اس وجہ سے اور بڑھی کہ وہ سمجھ سے باہر تھیں۔ علاوہ اسکے خود سلامبو کی خوش اعتقادی اور ایمان بھی اس پر شامل ہو کر اس تکلیف کو ترقی دیتا تھا۔

ہملکار کی بیٹی کو یہ تمنا رہتی تھی کہ ربۃ تانیت کے باطن و ظاہر جملہ حالات سے واقفیت

پیدا کرے۔ چنانچہ اس دیبی کے جس قدر حالات اور اس کے اسفار اور جتنے مختلف ناموں سے وہ پکاری جاتی تھی، دریافت کر لیئے اور تانیت کے مختلف اسمار بغیر انکے معنی تحقیق کیئے وہ جپا کرتی۔ اس خیال سے کہ تانیت کے مذہب و کیش کی اصل و حقیقت معلوم ہو جائے۔ سلامبو نے چاہا کہ ربہ کے حرم کے سب سے اندرونی حصے میں جا کر اُسکے پُرانے بُت اور پُر تکلف پیرہن کو دیکھے جس پر قرطاجنہ کی قسمت کا دارومدار تھا۔ کیونکہ اس وقت تک سلامبو کے دماغ میں خدا کے خیال میں اور اُسکے مادی مظہر یعنی بُت کے خیال میں کوئی تمیز قائم نہیں ہوئی تھی اور وہ کہتی تھی کہ بُت کو چھو لینے یا اسکی صورت دیکھنے سے خدا کی قوت کا ایک جزو اس میں آجائیگا اور نہ صرف یہ بلکہ اس خدا کی قوت پر کسی قدر قابو بھی حاصل ہو جائے گا۔

سلامبو نے مُڑ کر دیکھا۔ شہابریم کی گھنٹیوں کی آواز جو اُس کے لباس کے دامن میں آویزاں تھیں سُنیں۔ شہابریم سیڑھیاں چڑھ کر بالاخانے کی دہلیز پر رُکا۔ دونوں ہاتھ سینے پر رکھے تھا۔ آنکھیں حلقوں میں بیٹھی تھیں اور اس طرح چمکتی تھیں۔ جیسے قبر کے اندر دو چراغ جلتے ہوں۔ کتان کا لباس پہنے تھا۔ لباس کے دامن جن میں گھنٹیاں ٹنکی تھیں بوجھ سے خوب نیچے جھکے تھے۔ ہر گھنٹی کے بعد دامن پر ایک گول دانہ فیروزے کا تھا۔ اُس کی ٹانگیں دُبلی اور کمزور تھیں۔ ماتھا پیچھے کو ہٹا اور ٹھوڑی باہر کو نکلی تھی۔ زرد چہرے پر کثرت سے جُھرّیاں تھیں۔ چہرے سے نفس کُشی کی علامتیں اور کسی کا انتظار ظاہر ہوتا تھا۔ شہابریم ہیکلِ تانیت کا سردار کاہن تھا اور وہی سلامبو کا اُستاد بھی تھا۔

شہابریم نے سلامبو سے پوچھا "کس کام کو تم نے بلایا ہے؟"

سلامبو بولی "مجھے ارمان تھا..... آپنے مجھ سے تقریباً وعدہ کیا تھا....." یہ فقرے سلامبو نے ہکلا ہکلا کر کہے۔ ان کے بعد اُس کی تقریر بے ربط ہو گئی۔ پھر کچھ دیر چپ

رہ کر یکلخت کہنے لگی "شہابریم، تم مجھ سے بیزار کیوں ہو گئے ہو۔ مذہبی رسوم میں کوئی بات اب تک مجھ سے فروگذاشت نہیں ہوئی۔ تم میرے اُستاد ہو اور خود کہہ چکے ہو کہ میری مثل کوئی دوسرا ربہ تانیت کی پرستش کا واقف کار نہیں۔ لیکن اس پر بھی کوئی بات ایسی ضرور ہے جو تم مجھ کو بتانی یا سکھانی نہیں چاہتے۔ کیوں حضرت کیا یہ بات درست نہیں ہے"

شہابریم کو ہملکار کی ہدایتیں یاد تھیں، اُس نے سلامبو کو جواب دیا "نہیں، اب مجھے کچھ اور سکھانا باقی نہیں"

سلامبو کہنے لگی "کوئی رُوح ہے جس نے میرے دل میں یہ ارمان اور شوق پیدا کیا ہے۔ میں ہیکلِ اشمون میں جو آسمان کے ستاروں اور انسان کے عقل و ادراک کا دیوتا ہے، سیڑھیاں چڑھ کر گئی۔ ملک قرۃ کے شجرِ زیتون کی چھاؤں میں جس میں سونے کے پھل لگتے ہیں سوئی۔ اور ملک قرۃ وہ ہے جو صور کی کل نوآبادیوں کا محافظ اور نگہبان ہے۔ بعلِ خامون جو سرچشمۂ اثمار اور شائستگی ہے اور جو پہاڑوں اور چشموں کا پاسبان ہے اُس کے ہیکل میں بند ہوئی۔ معبودانِ کابیری جو تحتِ زمین رہتے ہیں اُن پر قربانی چڑھائی۔ یہ خُدا وہ ہیں جو ہواؤں، جنگلوں، پہاڑوں اور دریاؤں کے نگہبان ہیں لیکن مجھ سے اُوپر اور بہت دُور ہیں۔ وہ مری رُوح میں موجود ہیں۔ اور وہ مرے جسم میں عجیب عجیب لرزشیں خوشی اور مسرت کی پیدا کرتے ہیں۔ میں اُن کی آوازیں سُنتی ہوں۔ اُن کے چہروں کی جھلک دیکھتی ہوں اور روشنی سے میری آنکھوں میں چکاچوند پیدا ہوتی ہے لیکن اُسکے بعد پھر میں ظلمت و تاریکی میں آجاتی ہوں"

شہابریم خاموش رہا۔ سلامبو کی آنکھوں میں عجز و انکسار بھرا تھا۔ اور اسی حال میں وہ شہابریم سے فریاد کرتی رہی۔ آخر کار شہابریم نے اشارے سے کہا کہ یہ دایہ تعناخ قوم کنعان سے نہیں ہے، بہتر ہے کہ وہ یہاں سے چلی جائے۔ دایہ فوراً چلی

گئی۔ اور شہابریم نے ہاتھ پھیلا کر کہا۔

" معبودوں سے پہلے اس عالم میں صرف تاریکی تھی۔ البتہ ایک غیر واضح اور جامد الحرکت نفسِ حیات پرواز میں تھا جب وہ سمٹا اور منقبض ہوا تو خواہش اور ہوا و ہوس نے ابتدائی مادہ پیدا کیا جو کیچڑ کی طرح رقیق گہرا اور سیاہ تھا اور برف کی مثل سرد تھا۔ اس مادے کی حالتِ جمود میں بھوت پریت اور مہیب الخلقت حیوانات رہتے تھے جنکی تصویریں تم نے اکثر حرم کی دیواروں پر دیکھی ہونگی۔ یہ اُن حیوانات کے غیر مربوط عناصر و اجزا تھے جو دُنیا میں آئندہ پیدا ہونے والے تھے۔

جب یہ رقیق مادہ خشک ہو کر سکڑا تو وہ ایک بیضہ بن گیا۔ بیضہ ٹوٹا۔ نصف زمین ہو گیا اور نصف آسمان بنا۔ پھر چاند سورج ہوائیں اور بادل نمودار ہوئے۔ اور بجلی کے کڑکے پر حیوانات جو صاحبِ ادراک تھے جاگ اُٹھے۔ اُس کے گنبد کواکب میں عشمون ظاہر ہوا اور خاموش سُورج بنکر چمکا۔ ملک قرۃ نے مسلح ہو کر اسکو قاوس سے دوسری طرف ہانک دیا۔ کابیری نے جوالامکھی پہاڑوں کے نیچے اپنے کو دفن کیا۔ اور ربتنا مہربان ماں کی طرح دُنیا پر جھکی اور اُس نے دُنیا پر نور کی مثل اپنا دودھ چھڑکا اور اپنی تاریکی چادر کی طرح دُنیا کو اُس نے اُڑھا دی۔"

سلامبو نے پوچھا کہ "پھر کیا ہوا؟"

شہابریم نے کہا کہ "میں نے اس عالم کی ابتدا کا راز تم پر ظاہر کیا تاکہ بلند ترین راہوں کی طرف سے تمہارا دھیان ہٹا دے۔" لیکن اس آخری جملے پر سلامبو کا شوق اور بڑھا اور شہابریم نے سلامبو کی تسکین کیلئے کہنا شروع کیا۔

"وہ مردوں کے عشق پر قابو رکھتی ہے۔"

سلامبو نے فکرمند ہو کر کہا "مردوں کے عشق پر؟"

شہابریم بولا "وہ قرطاجنہ کی روح ہے، گو وہ سب میں ساری ہے مگر اسکی سکونت

کی کوئی جگہ نہیں۔ وہ ایک نقاب کے پردے میں ہے"۔

سلامبو نے بڑی عاجزی سے پوچھا "کیا میں اس کو دیکھ سکتی ہوں جہاں وہ ہو مجھے وہاں لے چلو۔ میں مدت سے اسی پس و پیش میں تھی کہ تم سے یہ بات کہوں یا نہ کہوں۔ بغیر اس کے دیکھے میں مضمحل ہوئی جاتی ہوں اور اسی حال میں ختم ہو جاؤں گی۔ مجھ پر رحم کرو اور میری مدد کرو۔ بس ہم دونوں ساتھ چلیں"۔

شہابریم نے غصے میں تحکمانہ طریقے پر چلنے سے انکار کیا۔ اور کہا کہ "تمہیں نہیں معلوم اور نہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اسکو دیکھنا اور مرنا ایک بات ہے۔ ہمارے سوائے جو عقل میں مرد اور کمزوری میں عورت ہیں' دیوتا مرد و عورت کی مشترکہ شکل میں کسی پر ظاہر نہیں ہوتے۔ تیرا شوق کہ تو تانیت کو دیکھے مذہب کے خلاف ہے جس قدر علم تجھے حاصل ہے اسی پر قناعت کر"۔

سلامبو اتنا سنکر شہابریم کے قدموں پر گر پڑی اور کانوں میں انگلیاں دیں جو توبہ اور پشیمانی کی علامت تھی۔ شہابریم کی گفتگو سے اس کا دل ٹوٹ گیا۔ اور روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی۔ شہابریم جو اس قصر کے پتھروں سے بھی زیادہ بے حس تھا' سلامبو کو اپنے قدموں میں گرا دیکھتا تھا اور اس کے کانپنے کو محسوس کرتا تھا۔ اسکو اس وقت اپنے علم لاہوت پر ناز اور خوشی تھی کہ سلامبو اس کی وجہ سے اس وقت تکلیف میں ہے۔ حالانکہ یہ علم وہ تھا جو خود اس کو پورا حاصل نہ ہوا تھا۔

شاخوں میں پرندوں نے بولنا شروع کیا۔ ہوا سرد چلنے لگی۔ آسمان پر زردی بڑھی اور چھوٹے چھوٹے بادل اڑتے نظر آئے۔ دفعتاً شہابریم نے شہر تونس کی پشت پر ایک غبار سا آسمان پر دیکھا۔ پھر دیکھا کہ گرد کی ایک موج سی زمین پر لوٹتی چلی آتی ہے۔ پھر گرد و غبار کی یہ موج پردے کی طرح

سلامبو ” سلامبو

اُوپر کو اُٹھی۔ اور دیکھا کہ آدمیوں کا ایک جمِ غفیر سانڈنیوں پر سوار نیزے اور ڈھالیں لگائے چلا آتا ہے۔ یہ سپاہ مستاجر کا لشکر تھا جو قرطاجنہ پر حملہ کرنے آ رہا تھا۔

باب (۴)

قرطاجنہ کی شہر پناہ کے نیچے

دیہات کے لوگ گدھوں پر سوار یا پیدل بھاگتے ہوئے چہرے زرد، دم پھولا ہوا خوف سے بدحواس شہر میں داخل ہونے لگے۔ لشکر پیچھے تھا اور یہ آگے آگے بھاگ رہے تھے۔ سکّہ سے تین دن کے اندر یہ لشکر قرطاجنہ پہونچ گیا۔ اور منشا یہ تھا کہ شہر میں جو کچھ ہوگا اُس کو غارت کر دیں گے۔

قرطاجنہ میں آتے ہی مستاجروں نے کسی قسم کی خصومت یا عداوت ظاہر نہ کی۔ بلکہ بہت سے لشکر والے کھجوروں کے پتّے ہاتھ میں لئے فصیل کے قریب آئے لیکن شہر کے لوگ اُن سے اتنے ڈرے کہ اُنہوں نے اُن کو تیر مار کر ہٹا دیا۔

کبھی کبھی صبح یا شام ہوتے دُشمن کے آدمی چُھپتے چُھپاتے آتے۔ ان میں ایک پستہ قد آدمی البتہ ایسا تھا جس پر اہلِ شہر کو خاص طور سے غور کرنا پڑا۔ یہ آدمی اپنے جبّے میں بڑی احتیاط سے لپٹا لپٹایا، چہرے کو نقاب میں چُھپائے گھنٹوں اُن کاریز کے دروں کو دیکھا کرتا جو جھیل سے شہر میں پانی پہونچاتی تھی۔ اس معائنہ پر وہ اس قدر مُصر تھا کہ اہلِ شہر کو گمان ہوا کہ وہ اپنا اصلی مقصد چُھپا کر اُن کو کوئی دھوکا دینا چاہتا ہے۔ اس کے ہمراہ ایک اور آدمی بھی ہوتا تھا جو بڑا قوی ہیکل تھا اور ہمیشہ

ننگے سر رہتا تھا۔

لیکن قرطاجنہ کا شہر اس خاکنائے کے عرض میں دشمن کے حملوں سے بالکل محفوظ تھا۔ اس کے استحکامات میں پہلے تو ایک خندق تھی، پھر مٹی کی ایک دیوار اور آخیر میں ایک دو منزلہ سنگین فصیل تھی جس کی بلندی ۳۰ ہاتھ کی تھی۔ اس فصیل میں تین سو ہاتھیوں کے رہنے کے لئے مع اُن کی زنجیروں اور سامان کے پوری گنجائش تھی۔ علاوہ ازیں اسی فصیل میں چار ہزار گھوڑوں کے باندھنے کے اصطبل مع اُن کے سازوسامان دانہ چارہ رکھنے کی کوٹھڑیوں کے موجود تھے۔ بیس ہزار فوج کے رہنے اور ان کے ہتھیاروں اور دیگر سامانِ حرب کے رکھنے کے لئے بھی اس فصیل میں حجرے اور مکانات تھے۔ فصیل کی دوسری منزل پر جابجا برج تھے اور اُن کی دیواروں میں تیر اندازی کے لئے سوراخ بنے تھے۔ برجوں کے باہر کے رخ لوہے کی چادریں بطور سپر کے کانٹوں میں لٹکی رہتی تھیں۔

خندق اور مٹی کی دیوار سے ملقہ کے محلے کی حفاظت ہوتی تھی۔ ملقہ وہ محلہ تھا جہاں ملاح اور ماہی گیر یعنی ایسے لوگ جن کو اپنے کاروبار میں سمندر سے واسطہ پڑتا تھا رہتے تھے اور یہیں رنگساز بھی آباد تھے۔ چنانچہ اس وقت بھی اونچے اونچے بانسوں پر بادبان سُرخ رنگے ہوئے سوکھنے کو لٹکے تھے۔ اِس سے آگے نمک بنانے کی بھٹیاں تھیں۔

سمندر کی طرف سے دیکھئے تو ملقہ کی پشت پر شہر کے مکانات مکعب کی شکل کے صف بر صف سیڑھیوں کی طرح اوپر اُٹھتے چلے گئے تھے۔ یہ مکانات پتھر یا لکڑی یا کنکر یا گھونگوں یا مٹی کو دبا کر اس کی ڈھیریوں سے بنے تھے۔ رنگ سب کے جُدا جُدا تھے، اور ان ہی مکانات اور حویلیوں کے پہاڑ میں بُت خانوں اور ہیکلوں کے باغ اور باغیچے زمرد کے ٹکڑوں کی طرح چمکتے تھے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلوں سے زمین کی سطح اور

ہموار ٹکڑے بھی دکھائی دیتے تھے۔ یہ دراصل شہر کے مختلف چوک تھے۔ مکانوں کے اِس پہاڑ میں اُوپر سے لیکر نیچے تک صدہا لمبے لمبے شگاف نظر آتے تھے۔ یہ فی الواقع راستے اور گلیاں تھیں۔ شہر کسی زمانے میں تین حصّوں میں تقسیم تھا۔ ہر حصّے کے گرد دیواریں تھیں مگر اب شہر کے یہ تین حصّے جدا جدا نہ رہے تھے۔ پُرانی دیواریں اب شکستہ حال تھیں۔ کہیں تو اُن کے ٹکڑے بڑے بڑے چٹان معلوم ہوتے تھے۔ جو ٹکڑے لمبے تھے اُن کا کوئی حصّہ تو پھولوں سے پٹا تھا اور کوئی حصّہ کوڑے کرکٹ کے ڈالنے سے سیاہ نظر آتا تھا۔ بعض جگہ ان ٹوٹی ہوئی پُرانی دیواروں کے نیچے سے سڑکیں و گلیاں اس طرح گذری تھیں جیسے پُل کے نیچے سے دریا گذرے۔

بِرسا کے وسط میں قلعہ والی پہاڑی مکانوں اور بُت خانوں کی کثرت سے چھپ گئی تھی۔ اِن بُت خانوں اور عبادت گاہوں کی عمارتیں بڑی عالیشان تھیں۔ ان کے بل کھائے ہوئے ستونوں کے تاج اُن ہی زنجیروں کے گچھے یا سالم پتھر کے تراشے ہوئے مخروطا نظر آتے تھے اور ان پر زرد دھاریاں پڑی تھیں۔ بُرجیاں اور قبّے اور اُن کے گرد بابلی وضع کے سنگِ مرمر کے گلدار حاشیئے۔ دیواروں کے پشتیبان حجر ابیض کے کہیں سالم پتھر کے تراشے ہوئے کہیں چوپہل منارے جو نیچے سے اُوپر کو پتلے ہو گئے تھے اور اس طرح نصب تھے جیسے مشعل اُلٹی رکھی ہو۔ اُونچے اُونچے سُبک ستونوں پر مثلث نما محرابیں۔ اُن کے تاجوں پر عجیب وغریب گلکاریاں۔ ہر درے کی بلکی دیوار پر روغنی اور رنگین اینٹوں کی جو سنگ خارا کی دیواروں کے اُوپر قائم تھیں آدھی ڈھکی آدھی کھُلی کچھ ایسے حیرت انگیز طریقے سے بنائی تھیں کہ اُن کی ترکیب سمجھ میں نہ آتی تھی۔ اس عجیب وغریب منظر کو دیکھ کر زمانے کے مرور اور ان قوموں کی یادگاروں کا نقشہ ذہن میں اُترتا جن کو دُنیا فراموش کر چکی تھی۔ قلعہ کی پُشت پر میپالنس والی سڑک ساحل سے شروع ہو کر سُرخ زمین پر سے بخطِ مستقیم گذرتی ہوئی پُرانے گورستانوں

تک چلی گئی تھی۔ اِس سڑک کے دونوں طرف قبریں تھیں۔ اس کے بعد باغات آتے تھے جن میں عالیشان محل اور حویلیاں کھڑی تھیں اور یہ علاقہ میگارا یعنی نئے شہر کا تھا میگارا کی آبادی اُس اونچے چٹان تک تھی جس پر روشنی کا منارہ تھا اور جس پر ہمیشہ رات کو روشنی کیلئے آگ جلا کرتی تھی۔

غرض قرطاجنہ کی یہ شکل وصورت تھی جو مستاجر سپاہیوں کو جنہوں نے سامنے کے میدان میں پڑاؤ ڈالا تھا نظر آتی تھی۔

لشکر گاہ میں سپاہی اپنے خیموں میں دُور بیٹھے شہر کے بازاروں اور چوکوں کو پہچاننے کی کوشش کرتے اور بحث اس پر ہوتی کہ عبادت خانے اور بُت خانے کہاں کہاں ہیں۔ خامون کا ہیکل سیستا کے مقابل ہے۔ اور اُس کی چھت سونے کے کھپروں کی ہے۔ ملک قرۃ کا معبد ہیکل عشمون کے بائیں جانب ہے اور اُس کی چھت سُرخ مونگوں کی ہے۔ اس سے کچھ آگے تانیت کا بُت کدہ ہے اور اس کا گنبد تانبے کا ہے۔ اور کھجوروں کے جھنڈیں سے چمکتا نظر آتا ہے۔ مولیخ کا بُت خانہ حوضوں کے نیچے روشنی والے منارے کی سمت میں نظر آتا ہے۔ دیوتاؤں کی مورتیں اور بُت جن میں بعض نہایت کریہہ منظر اور بعض بے حد جسیم اور بڑے ہیں کہیں کھڑے ہیں اور کہیں بڑی بڑی توندیں لئے بیٹھے ہیں اور وہ اس قدر شکل سے بے شکل ہو گئے ہیں کہ تناسب اعضا مطلق نہیں رہا۔ اکثر کے مُنہ کھلے اور ہاتھ پھیلے ہیں اور ان ہاتھوں میں کسی نے لوہے کے کانٹے کسی نے زنجیریں کسی نے برچھے لے رکھے ہیں۔ یہ بُت اور مورتیں مثلث نما محرابوں کے گوشوں اور دیواروں کی منڈیروں پر نصب ہیں۔ کوئی جگہ اُن سے خالی نہیں۔ گلیوں اور راہوں کے اختتام پر بھی یہی بُت نظر آتے ہیں۔ یہ راستے دو طرفہ مکانات کے ہونے سے جہاں اُونچے ہیں وہاں زیادہ اُونچے اور جہاں نیچے ہیں وہاں زیادہ نیچے معلوم ہوتے ہیں اور اُن کے خاتمہ پر نیلا

سمندر پھیلا نظر آتا ہے۔

سڑکوں اور راستوں پر صبح سے شام تک آدمیوں کا ہجوم اور اُن کا غل و شور رہتا تھا۔ حماموں کے دروازوں پر لڑکے ہاتھوں میں گھنٹیاں لیئے کھڑے ہوتے یہیں گرم قہوہ فروخت ہوتی۔ دکانوں سے دھواں اور بھاپ اٹھتی۔ لوہاروں کی بھٹیوں پر سندان پر لوہا کٹنے کی آواز۔ بالاخانوں پر سپید مرغوں کی بانگ، جو سورج دیوتا کے پرندے مانے جاتے تھے۔ بت خانوں سے بیلوں کے ذبح ہونے کی دردناک آوازیں آتیں۔ غلام سروں پر ٹوکرے رکھے ادھر اُدھر دوڑتے پھرتے۔ کہیں کہیں کوئی کاہن ننگے پاؤں سر پر نوکدار ٹوپی رکھے سیاہ رنگ کا جبہ پہنے کسی تجانے کے دروازے میں کھڑا ہوتا۔

مستاجروں میں قرطاجنہ کی یہ کیفیت دیکھ کر ہیجان پیدا ہوتا تھا۔ وہ شہر کی تعریف بھی کرتے تھے اور اس کو برا کہہ کر اس سے نفرت بھی ظاہر کرتے۔ ہر وقت شہر کو غارت کرنے کا دل میں ارمان رہتا اور یہ شوق ہوتا کہ اسکو اپنے رہنے کی جگہ بنائیں۔ بعض سوچتے تھے کہ اس فوجی بندرگاہ میں جس کو تین استحکامات سے محفوظ کیا گیا ہے کیا کچھ نہ ہوگا؟ پھر شہر کی پشت پر میگارا کے علاقے سے کچھ دور اور قلعے سے بھی زیادہ بلندی پر ہملکار کا عالیشان محل نظر آتا تھا۔

ماتو کی آنکھیں ہر وقت اُسی طرف لگی تھیں۔ اکثر زیتون کے اونچے درختوں پر چڑھ جاتا اور وہاں سے جھک جھک کر آنکھوں پر ہاتھ کا سایہ کر کے دیکھتا کہ محل کا باغ خالی پڑا ہے۔ اور اُس کا سرخ دروازہ جس پر سیاہ چلیپا بنا تھا، بند پڑا ہے۔

مٹی کی فصیل کے گرد وہ بیس پچیس مرتبہ بلکہ اس سے بھی زیادہ چکر لگا چکا تھا کہ کہیں کوئی رستہ دیوار میں ایسا نظر آئے جس سے وہ اندر پہنچے۔ ایک رات وہ خلیج میں

کو دیکھا اور تین گھنٹے تک بغیر دم لیے تیرتا رہا۔ ماتو پیلا کے قریب تک پہونچ گیا۔ اور وہاں سے اُس نے پہاڑ پر چڑھنا چاہا جو خلیج کے کنارے ہی تھا۔ چڑھنے میں پنڈلیاں چھل گئیں۔ ناخن ٹوٹ گئے۔ خون نکلنے لگا۔ پھسل کر پانی میں گرا اور نامراد اپنے خیمے کو واپس ہوا۔

اس معذوری اور بے بسی پر وہ اور طیش کھاتا۔ قرطاجنہ سے اُس کو رشک پیدا ہوا۔ کیونکہ اُس میں سلامبو رہتی تھی۔ گویا قرطاجنہ کوئی انسان تھا جس نے سلامبو پر قبضہ کر رکھا تھا۔ اس زمانے کی بیکاری نے ماتو کو اور بھی دیوانہ و مجنوں بنا دیا اور وہ کوئی کام کرنے کے لئے بے چین و بے قرار رہتا تھا۔ آوازیں بھرّاہٹ چہرہ سُرخ آنکھیں لال انگارا سی تیز چال سے لشکر میں پڑا پھرتا۔ یا جھیل کے کنارے بیٹھا اپنی تلوار کو ریت پر رگڑتا۔ سر پر اگر گدھ اُڑتے آئے تو اُن کو تیر مار کر گرا دیتا۔ اور دل کی آگ زبان پر اکثر سخت و سُست الفاظ لایا کرتی۔

ایک دن اسپنڈیوس نے ماتو سے کہا کہ "آپ اپنے غصّے کی جو منہ زور گھوڑے کی طرح بے قابو ہو چلا ہے ذرا لگام کھینچ رکھیے۔ چیخو۔ چلاؤ۔ بتوں کو گالیاں دو۔ لوٹو مارو۔ خون کرنے سے دل ہلکا ہوتا ہے۔ چونکہ عشق جو کچھ چاہتا ہے وہ پورا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے نفرت و عداوت کو تیز کرو۔ اس سے دل کو تسکین ہوگی"۔

ماتو نے فوج کی افسری اختیار کی اور نہایت بے رحمی سے سپاہیوں سے قواعد لینے میں محنت و مشقت لینے لگا۔ لوگ اُس کی دلیری اور شجاعت اور بالخصوص اُس کے جسمانی زور اور طاقت کی وجہ سے اُس کی بہت عزت کرتے تھے۔ علاوہ اسکے اس کی صورت دیکھ کر لوگوں کو کچھ ایسا خوف ہوتا تھا جس کی وجہ اُن کی سمجھ سے باہر تھی۔ لوگوں کو یقین تھا کہ ماتو روحوں سے باتیں کیا کرتا ہے۔ اُسے دیکھ کر دوسرے

فوجی سرداروں میں بھی وہی جوش پیدا ہوا۔ اور تمام لشکر میں فوجی قواعد کا زور اور چرچا ہو گیا۔ قرطاجنہ کے لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے ترم کی آوازیں سنا کرتے جس کے بجنے پر فوجیں نقل و حرکت کیا کرتیں۔ آخر کار مستاجر سپاہی شہر کے قریب آ گئے۔

خاکنائے کے اندر مستاجروں کی فوجوں کو جو وہاں پڑاؤ ڈالے تھیں غارت کرنے کے لئے دو لشکروں کی ضرورت تھی۔ ان میں ایک لشکر ایسا ہوتا جو خلیج عتیقہ کے سرے پر سمندر سے اتر کر حملہ کی غرض سے آتا اور دوسرا لشکر گرم چشموں والے پہاڑ کی طرف سے حملہ کرتا لیکن قرطاجنہ والوں کے پاس جیش اشرف کے سوا اور فوج نہ تھی۔ محض اس فوج سے وہ کیا کر سکتے تھے۔ تعداد میں بھی وہ صرف چھ ہزار تھی۔ مستاجروں کی حالت یہ تھی کہ اگر وہ مشرق کی طرف جاتے تو بادیہ نشین قبائل وہاں کے اُن سے مل جاتے اور کایرنی کی سڑک پر قبضہ کر کے صحرائی تجارت کے مال کی آمد و رفت بند کر دیتے۔ لیکن اگر وہ مغرب کی طرف بڑھتے تو نومیدیا کی فوجیں اُن کے مقابلے پر آمادہ ہو جاتیں۔ علاوہ اس کے کھانے پینے کے سامان کا کبھی نہ کبھی کم ہو جانا بھی ضروری تھا۔ غرض سوائے اس کے چارہ نہ تھا کہ گرد و پیش کے ملک کو ٹڈیوں کی طرح غارت کریں۔ قرطاجنہ کے دولتمند اپنے خوبصورت مکانوں تاکستانوں اور کھلیانوں کو اس غارتگری سے بچانے کی فکر میں رہتے۔

شفیتی ہانو نے نہایت شدید اور قہرناک تجویزیں پیش کیں۔ مثلاً یہ کہ ہر مستاجر کے سر کے لئے ایک قیمت مقرر کی جائے۔ ان کے لشکر گاہ کو جہازوں اور آلاتِ حرب سے پھونک دیا جائے۔ گسکو بھی ہانو کی طرح شفیتی کا منصب رکھتا تھا۔ لیکن برعکس ہانو کے اُس کی تحریک یہ تھی کہ مستاجروں کو اُن کی تنخواہ دی جائے۔ لیکن مجلس کے ارکان کو گسکو سے خصومت تھی۔ کیونکہ وہ رعایا میں ہر دلعزیز تھا۔ دوسرے

ریاست کے اِن منتظموں کو خوف تھا کہ کہیں اتفاق ایسا نہ پیش آئے کہ کہ وہ اِن پر حاکم بن بیٹھے۔ اُن کو ڈر رہنے لگا تھا کہ کہیں قرطاجنہ میں جمہوری حکومت کی جگہ بادشاہی نہ ہو جائے۔ اِس لئے وہ اور بھی چاہتے تھے کہ مطلق العنان حکومت کرنے کی جس قدر علامتیں اور صورتیں ہوں اُن سب کو مٹا دیں۔

قرطاجنہ کی فصیلوں اور خندق سے کسی قدر فاصلے پر ایک قوم آباد تھی جو نسل کے اعتبار سے قرطاجنیوں سے مختلف تھی اور جس کی اصل حقیقت کسی کو معلوم بھی نہ تھی۔ اِس قوم کے آدمی خار پشت کا شکار کھیلتے۔ صدف مچھلی اور سانپ کھاتے تھے۔ پہاڑوں کے غاروں میں گھس کر وہاں سے چرغ پکڑ کر لاتے اور میگارا کے میدان میں قبروں کے بیچ میں جو جگہ چھوٹی تھی اُس میں اُن کو دوڑاتے۔ اُن کے رہنے کے گھر جھونپڑیوں کی قطع کے سمندر کے گھاس پھونس کے ہوتے تھے۔ اور اُن میں اُن کے مرد و زن بالکل خلط ملط بلا کسی تمیز یا تفریق کے رہتے تھے۔ نہ اُن کا کوئی طرزِ حکومت تھا اور نہ کسی بُت یا خدا کو وہ مانتے تھے۔ وہ بالکل مادر زاد ننگے رہتے۔ کمزور تھے مگر بالکل وحشی۔ صدہا برس سے قرطاجنہ کے لوگوں کو اُن سے کراہت اور نفرت چلی آتی تھی۔ کیونکہ اُن کی غذا ناپاک تھی۔ ایک دن صبح قرطاجنہ کے لوگوں نے دیکھا کہ یہ قوم اپنی جگہ سے غائب ہے۔

آخر کار مجلسِ عظمیٰ کے بعض ارکین نے مصمم قصد کیا کہ اب اپنے ارادوں کو حیطۂ عمل میں لانا ضروری ہے۔ چنانچہ یہ لوگ بغیر پیٹی یا گلوبند لگائے تسموں کی جوتیاں پہنے جیسے کوئی بے تکلف ہمسایہ ہمسائے سے ملنے جائے مستاجروں کے لشکر گاہ میں گئے اور بڑی بے پروائی کا انداز اختیار کیا کبھی اُن کے فوجی افسروں کو صاحب سلامت کی۔ کبھی سپاہیوں سے بات کرنے ٹھہر گئے۔ اور یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے کہ کُل معاملات طے ہو گئے ہیں اب تنخواہوں کا حساب جلد بے باق کر دیا

جائے گا۔

ان اراکین مجلسِ عظمیٰ میں بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے مستاجروں کا لشکر کبھی پہلے نہ دیکھا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ لشکر میں بڑی بدنظمی ہوگی۔ مگر اب ہر جگہ انتظام اور خاموشی دیکھ کر وہ دل میں ڈرے۔ مستاجر سپاہیوں نے ایک بلند فصیل کے اندر گھاس کا ایک احاطہ ایسا کھینچ لیا تھا کہ وہ فلاخن اور منجنیقوں کے پتھروں سے محفوظ ہو گئے تھے۔ سڑکوں پر چھڑکاؤ تھا۔ گو خیموں کے دروازوں سے سپاہیوں کی آنکھیں جو اندر بیٹھے ہوتے چمکتی دکھائی دیتی تھیں۔ برچھے برچھیاں اور زرہیں ایسی چمکتی تھیں کہ اُن کی چمک سے آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں اور معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی آنکھوں میں دُور سے آئینہ چمکاتا ہو۔ قرطاجنی آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے اور ڈرتے کہ کہیں اُنکے لمبے گھسٹتے ہوئے جُبّوں سے مستاجروں کی کوئی چیز نہ گر پڑے۔

مستاجروں نے اُن سے رسد کا سامان مانگا۔ اور کہا کہ جب ہم کو تنخواہیں ملیں گی تو ہم اس سامان کی قیمت ادا کر دیں گے۔

قرطاجنہ کے لوگوں نے مستاجروں کو گائے بیل، بھیڑیں، مُرغیاں، خُشک میوے اور دالیں بھیجیں۔ اور دُھواں دی ہوئی مچھلیاں بھی بھیجیں۔ یہ مچھلی قرطاجنہ کی مشہور مچھلیوں میں تھی اور وہاں کے تمام بندرگاہوں میں بطور رسد کے جاتی تھی۔

لیکن جب یہ قرطاجنی وہاں سے گذرے جہاں مستاجروں کے جانور بندھے تھے تو انہوں نے اُدھر کچھ بہت ہی حقارت سے دیکھا۔ گو دل سب کا یہی چاہتا تھا کہ یہ جانور اُن کو ملتے۔ مگر ظاہر میں بالکل بے پروا معلوم ہوتے۔ انہوں نے ایک مینڈھے کی قیمت ایک کبوتر کی قیمت کے برابر اور تین بکروں کی قیمت ایک انار کی قیمت کے برابر لگائی۔ ناپاک چیزوں کے کھانے والے بیچ میں دلالی کرنے لگے اور کہنے لگے یہ قرطاجنی مستاجروں کو ٹھگنا چاہتے ہیں۔ اس پر مستاجروں نے تلواریں سونت

لیں۔ اور لڑنے مرنے کو تیار ہو گئے۔

مجلس عظمیٰ نے اپنی طرف سے وکیل مقرر کئے۔ اُنہوں نے ہر ایک سپاہی کی تنخواہ جتنے سال کی واجب الادا تھی حساب کر کے بتائی لیکن اس تعداد کا تعین ممکن نہ تھا جس میں مستاجر بھرتی کئے گئے تھے۔ پس یہ رقم اتنی بڑھی کہ اسکو سنکر مجلس والے گھبرا گئے۔ اور سمجھے کہ اگر یہ رقم ادا کرنی پڑی تو سلفیوم جو گوداموں میں بھرا ہے اُسکو بیچنا پڑے گا۔ اور ساحل کے تمام شہروں پر محصول لگانا بھی ضروریات سے ہوگا۔ اگر تونس سے مستاجر مل گئے تو وہ اور بھی تنخواہوں کے لئے بیصبر ہو جائینگے شفیتی حانو کی شدید و خطرناک تجویزوں اور اُس کے دوستوں کی سخت کلامی نے دولتمندوں کو اور بھی پریشان کر دیا۔ پس ریاست نے تجویز کیا کہ قرطاجنہ کے ایسے لوگ جو مستاجروں سے واقف ہوں وہ اُن کے پاس جائیں اور نرمی اور اخلاق سے اُن سے بات چیت کریں۔ اس نرمی اور اخلاق سے ممکن ہے کہ مستاجروں کا غصہ کچھ ٹھنڈا پڑے۔

اب بہت سے سوداگر اور کاریگر جو دار الصنعت میں کام کرتے تھے، بلکہ بہت سے لوگ مع بیوی بچوں کے خاندان کے خاندان مستاجروں کے لشکر میں آئے مستاجروں نے ان لوگوں کو لشکر میں آنے کی اجازت دی۔ لیکن لشکر گاہ میں داخلے کا راستہ اتنا تنگ رکھا کہ چار آدمی برابر برابر بغیر کندھا چھلے اندر نہ جا سکتے تھے۔ دروازے پر سامنے اسپندیوس کھڑا تھا۔ جو شخص داخل ہوتا اُس کی وہ جامہ تلاشی لیتا۔ ماتو بھی اسپندیوس کے قریب کھڑا تھا۔ یہ اس خیال میں محو تھا کہ اس بھیڑ میں کوئی آدمی ایسا بھی نظر آتا ہے جس کو سلامبو کے محل میں دیکھ چکا ہو۔ لشکر میں آدمیوں کی کثرت اور غل شور ایسا تھا کہ وہ لشکر گاہ کا ہیکو ایک شہر معلوم ہو رہا تھا۔ اب قرطاجنی مستاجروں میں مل جل گئے۔ مگر اس طرح نہیں کہ جدا جدا نہ معلوم ہوتے ہوں۔ قرطاجنی اکثر کتان

اور اون کے کپڑے پہنے تھے۔ سر پر نمدے کی ٹوپیاں تھیں جو صنوبر کے مخروطی پھل معلوم ہوتے تھے۔ مستاجروں کے گلے میں لوہے کی زرہ تھی اور سر پر خود تھے۔ ٹوکروں کی کثرت اور سودا بیچنے والوں کے ہجوم میں عورتیں بھی بکنے کو موجود تھیں۔ یہ مختلف قوموں کی تھیں۔ اِدھر اُدھر ماری ماری پھرتی تھیں۔ کوئی بھورے رنگ کی جیسے پیڑ کی پکی کھجور کوئی سبزی مائل جیسے زیتون کا پھل۔ اور بعض کا رنگ ایسا زرد جیسے لیمو۔ اِن عورتوں کو ملاح فروخت کرتے تھے۔ اِن میں بعض کو اُن کے گھر سے پھسلا لائے تھے۔ کسی کو کاروان یا قافلے سے چرایا تھا۔ بعض ایسی تھیں جو شہروں کے محاصروں میں گرفتار ہوئی تھیں۔ جب جوان تھیں تو چاہنے والوں نے چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ جب بڑھیا ہوئیں تو سوائے مار پڑنے کے دوسری بات نہ تھی۔ اور جب اور بھی بڑھیا ہوئیں تو ٹوٹے ہوئے برتن یا اپاہج مویشی کی طرح سڑک کے کنارے مرنے چھوڑ دی گئیں۔

خانہ بدوشوں کی عورتیں ملگجے رنگ کے کپڑے اونٹ کے بال کے بُنے اتنے نیچے نیچے پہنے پھرتیں کہ پاؤں میں وہ رلتے چلتے۔ مُلک کا رینگا کے گانے بجانے والے بھی موجود تھے۔ اُن کے لباس اودی ململ کے تھے۔ آنکھوں کے پپوٹے اُنکے رنگے ہوئے تھے۔ بوریوں پر بیٹھے گاتے تھے۔ بڑھیا حبشنیں چھاتیاں پیٹ پر لٹکی سڑک پر سے گوبر اٹھاتیں کہ اُن کے اوپلے تھاپ اور سُکھا کر جلانے کے کام میں لائیں۔ سر قوصہ کی عورتیں بالوں میں سونے کی پٹیاں لگائے تھیں۔ لوسی تانیہ کی عورتوں کے گلے میں سیپوں کے ہار تھے۔ گائیہ کی عورتوں نے بھیڑیے کی کھال اپنے گورے گورے بدن پر بے پروائی سے ڈال رکھی تھی۔ بچے مضبوط اور زندہ ننگے دھڑنگے غیر مختون جو میں بہتی ہوئی راہ چلتوں کے پاس آکر اُن کو ٹکریں مارتے یا پیچھے آکر شیر کے بچوں کی طرح اُن کے ہاتھ میں کاٹ کھاتے۔

قرطاجنی جب لشکر میں ہر قسم کی چیزوں کی بہتات دیکھتے تو تعجب کرتے۔ سب میں زیادہ پریشان حال مفلس تھے۔ باقی سب اپنے فکر و تردد کو چھپاتے تھے۔

مستاجر سپاہی قرطاجنیوں کے پاس آتے اور اُن کی پیٹھ ٹھونکتے اور چاہتے کہ وہ ہنسیں اور خوش ہوں۔ جب وہ قرطاجنہ کے کسی رئیس کو دیکھتے تو کہتے آئیے ہمارے کھیلوں میں شریک ہو جیئے۔ اگر وہ لوہے کے حلقوں سے کھیلتے ہوتے تو حلقہ اس زور سے پھینکتے کہ قرطاجنہ والے کے پاؤں میں زور کی چوٹ آتی۔ اگر گھونسے لڑتے ہوتے تو کوشش کرتے کہ پہلے ہی گھونسے میں قرطاجنہ والے کا کلہ توڑ دیں۔ قرطاجنی جب قنبلہ اندازوں کے پاس آتے تو اُن کے مٹی کے گولے اور گولے پھینکنے کے آلات دیکھ کر ڈرتے۔ سنپیروں کو سانپوں کے آگے پونگی بجاتے دیکھتے تو سانپوں کو دیکھ کر خوف کھاتے۔ مستاجر سواروں کے گھوڑے دیکھ کر بھی اُن کو ڈر لگتا۔ غرض قرطاجنی جو لشکر میں آئے تھے اُن میں جو سیدھے سادے عافیت پسند تھے وہ مستاجر سپاہیوں کی نامعقول حرکتیں دیکھ کر سر نیچا کر لیتے اور مسکرانے لگتے۔ قرطاجنیوں میں بعض لوگ جن کو اپنی ہمت اور جوانمردی کا زعم تھا مستاجروں سے کہتے کہ ہم بھی سپاہی بننا چاہتے ہیں۔ مستاجر اُن کو بھرتی کر لیتے اور پھر بڑے بڑے لکڑ چیر کر چیلے بنانے کو اُن کے سامنے رکھ دیتے۔ اور خچروں پر اُن سے کھریرا پھرواتے۔ زرہوں میں اُن کو لپیٹ کر بکسوؤں سے کسکر پیپوں کی طرح سڑک پر اُن کو لڑھکاتے۔ جب قرطاجنیوں نے رخصت ہونا چاہا تو مستاجروں نے عجیب عجیب انداز اختیار کئے۔ اور اپنے بال نوچنے لگے۔

مستاجروں میں بہت لوگ ایسے تھے جنہوں نے یا تو اپنی کم فہمی سے یا جان بوجھ کر سمجھ رکھا تھا کہ قرطاجنہ کے آدمی بڑے مالدار ہوتے ہیں۔ پس وہ انکے پیچھے بھیک مانگتے ہو لیتے اور کوئی نہ کوئی چیز اُن سے مانگتے۔ ہاتھ میں انگوٹھی دیکھی تو انگوٹھی

کمر میں پٹی دیکھی تو پیٹی، جوتیاں، دامن کی گوٹ مانگنے لگتے۔ جب قرطاجنی ان سے کہتا کہ "اب میرے پاس دینے کو کچھ نہیں ہے۔ تم آخر کیا چاہتے ہو؟" تو کہتے کہ تمہاری بیوی بعض کہتے کہ تمہاری جان۔

فوجی حساب مرتب کر کے افسرانِ فوج کے حوالے ہوا اور وہ سپاہیوں کو پڑھ کر سنا بھی دیا گیا۔ سب نے اُسے تسلیم بھی کر لیا۔ اب مستاجروں نے خیموں کا دعویٰ پیش کیا۔ خیمے اُن کے حوالے کئے گئے۔ پھر یونان کے مستاجر سپاہیوں نے ان خوبصورت زرہوں کے بارے میں مطالبہ کیا جو قرطاجنہ میں تیار کی گئی تھیں۔ یونانیوں کی مجلس نے قرار دیا کہ اُن کی قیمت ادا کر کے اُن کو خرید لیا جائے۔ پھر سواروں نے دعویٰ کیا اور یہ دعویٰ اُن کا صحیح تھا کہ اُن کو گھوڑوں کی قیمت دی جائے۔ کسی نے کہا کہ میرے تین گھوڑے فلاں فلاں محاصرے میں کام آئے تھے۔ کسی نے کہا کہ فلاں کوچ میں اُس کے چار گھوڑے مرے تھے۔ کسی نے کہا کہ اس کے چودہ گھوڑے چٹانوں اور پہاڑوں میں سے گذرتے وقت تلف ہوئے تھے۔ ارکانِ مجلس نے کہا کہ ہم اُن کو اُن کے بدلے سانڈ گھوڑے دینے کو تیار ہیں۔ مگر مانگنے والوں نے روپیہ طلب کیا۔

اس کے بعد مستاجروں نے کہا کہ غلّے کے عوض ہم نقد روپیہ لیں گے۔ چمڑے کے ٹکڑے نہیں لیں گے۔ اور غلے کی قیمت کا حساب زیادہ سے زیادہ نرخ پر کریں گے جو لڑائی کے زمانے میں رہا تھا۔ اس نرخ کی کیفیت یہ تھی کہ جتنے میں ایک بوری غلہ کی اُنہوں نے خریدی تھی اس کی چوگنی قیمت ایک پیالے کی طلب کی۔ اس زیادتی سے قرطاجنہ کے لوگوں کو سخت برانگیختہ کیا۔ لیکن جو نرخ سپاہی مانگتے تھے اس کو تسلیم کرنے کے سوا اب چارہ نہ تھا۔

اس کے بعد مجلسِ عظمیٰ اور سپاہیوں کے نمائندوں میں صلح ہو گئی۔ اور اب وہ قرطاجنہ کے خداؤں اور مستاجروں کے خداؤں کی قسمیں کھانے لگے۔ اور بغیر و معذرت

اور ایک دوست کی مدح وستائش اہلِ مشرق کے طریقے پر علانیہ کرنے لگے۔ اِس دوستی کے ثبوت میں مستاجروں نے درخواست کی کہ اُن دغابازوں کو سزا دی جائے جنہوں نے ریاست کو اُن کی طرف سے بدگمان کیا تھا۔ قرطاجنہ والوں نے بناوٹ سے کہا کہ ہم تمہارا مطلب نہیں سمجھے۔ مستاجروں نے صاف صاف جواب دیا کہ شفیتی حانو کو ہمارے حوالے کیا جائے۔

اب دن میں کئی کئی بار مستاجر سپاہی اپنے لشکر سے نکل کر قرطاجنہ کی فصیل کے نیچے پھرا کرتے۔ اور پکار پکار کر کہتے کہ شفیتی حانو کا سر کاٹ کر فصیل سے ہمارے پاس پھینکو اور اس کے لئے اپنے دامن پھیلائے آوازیں لگاتے۔ ممکن تھا کہ مجلس کے ارکان اُن کے اس مطالبہ کو پورا کر دیتے لیکن آخری مطالبہ مستاجروں کا ایسا تھا جس میں اہلِ قرطاجنہ کی سخت توہین ہوتی تھی۔ اور وہ یہ تھا کہ اپنے معزز خاندانوں کی بیٹیاں دو تاکہ ہمارے افسران سے شادیاں کریں۔ یہ بات اسپنڈیوس کی سوجھائی ہوئی تھی۔ بہت لوگ ایسے تھے جو اس درخواست کو بہت سیدھی اور معقول بات سمجھتے تھے لیکن مستاجروں کے اس غرور نے کہ وہ اپنا خون شرفاءِ قرطاجنہ سے ملانا چاہتے ہیں عام رعایا میں سخت برہمی پیدا کر دی۔ اور اُن کو صاف جواب مل گیا کہ اب اُن کو اور کچھ نہ دیا جائے گا۔ اس پر مستاجروں نے چیخ چیخ کر کہا کہ ہم کو فریب دیا گیا ہے۔ اگر ہماری تنخواہیں تین دن کے اندر ادا نہ ہوئیں تو ہم خود قرطاجنہ میں داخل ہو کر وصول کر لیں گے۔

مستاجر اتنے بدعہد اور حاجت شکن نہ تھے جس قدر کہ اُن کے دشمنوں نے اُن کو سمجھ رکھا تھا۔ ہملکار نے اُن سے بڑے بڑے عہد وپیمان کئے تھے۔ گو یہ وعدے اور عہد غیر واضح تھے مگر وہ بار بار قسمیں کھا کر کئے گئے تھے۔ اس امر کے باور کرنے میں اُن کے لئے کوئی وجہ ضرور تھی کہ جب وہ جہازوں سے اُتریں گے تو قرطاجنہ اُنکے

حوالے کر دیا جائے گا۔ اور جس قدر مال و دولت وہاں ہوگا وہ بھی ان میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ لیکن جب مستاجروں نے دیکھا کہ اُن کو صرف تنخواہیں دی جائیں گی تو اُنکے غرور اور طمع دونوں کو صدمہ پہونچا۔

وہ سوچتے تھے کہ کیا ڈمینیس، پرہوس، اگاتھوکلیز اور اسکندر اعظم کے سپہ سالاروں نے دولت جمع نہیں کی تھی۔ ہرکیولیز جس کو بنی کنعان رب الشمس سے خلط ملط کرتے تھے یہی سب سے بڑا خدا تھا جو تمام لشکر پر قدرت رکھتا تھا۔ اُن کو علم تھا کہ سادہ لوح سپاہیوں کی قسمت کبھی کبھی ایسی جاگتی ہے کہ بادشاہوں کے تاج اُن کے سر پر رکھے گئے ہیں۔ اور گالیہ کے رہنے والوں نے اپنے بلوط کے جنگلوں میں اور حبشیوں نے جب اپنے ریگستانوں میں سلطنتوں کے زوال کی خبر سُنیں تو بادشاہی کے خواب دیکھنے لگے۔ لیکن دُنیا میں ایک قوم ایسی بھی تھی جو دوسروں کی ہمت اور لیاقت سے اپنا کام نکال کر دوسروں کے بِرتے پر حکومت کرتی تھی۔ وہ سارق جو اپنے قبیلے سے خارج کیا گیا ہو۔ وہ باپ کا قاتل جو سڑکوں پر آوارہ پھرتا ہو، وہ مُجرم جو خُداؤں کی توہین کر کے اُن کے غضب سے بھاگا بھاگا پھرتا ہو، اور وہ تمام لوگ جن کو کسی کا خوف نہ رہا تھا یا بھوکے مرتے تھے یہ سب اِسی کوشش میں رہتے کہ کسی طرح قرطاجنہ کے اس بندرگاہ میں پہونچ جائیں جہاں اُس کا بھرتی کرنے والا افسر وارد ہو، اور وہ سپاہیوں کو بھرتی کرتا ہو۔ ریاست اپنے وعدے جو وہ کرتی تھی بالعموم اُن کو پورا کرتی تھی۔ لیکن اس مرتبہ دولت کی طمع نے اُسکو ایک ایسے خطرناک راستہ پر ڈال دیا جو خوفناک ہی نہ تھا بلکہ قرینِ عزت اور شرافت بھی نہ تھا۔ نمودیا، لبیہ بلکہ تمام افریقہ کوئی دن جاتا تھا کہ قرطاجنہ پر حملہ کرنے والے تھے۔ سمندر کی راہ صرف ایسی تھی جو ہر وقت کُھلی تھی۔ وہاں رومانیوں کا خطرہ تھا اور شہر کی حالت اُس آدمی کی سی ہو رہی تھی جسے قاتل ہر طرف سے گھیر لیں۔ اور وہ

سمجھے کہ ہر طرف سے موت کا اندیشہ ہے۔

ریاست کے ارکانِ مجلس کو اب اس بات کی ضرورت داعی ہوئی کہ وہ گسکو سے ملاقات کریں۔ مستاجروں نے گسکو کا درمیان میں آنا پسند کیا۔ چنانچہ ایک دن انہوں نے دیکھا کہ بندرگاہ کے دروازے پر جو زنجیر کھچی رہتی تھی وہ نیچے کردی گئی ہے اور تین چپٹے پیندے کی کشتیاں تونیا کی نہر میں سے گذرتی ہوئی جھیل میں جس کے کنارے مستاجروں کا لشکر پڑاؤ ڈالے تھا چلی آتی ہیں۔

پہلے تو گسکو کشتی کے سرے پر کھڑا نظر آیا۔ اُس کے پیچھے ایک بہت بڑا صندوق جو اُن لکڑی کے تابوتوں سے بھی اونچا تھا جو قبروں پر کچھ دنوں کے لئے رکھے جاتے تھے۔ اُس میں بہت سے کپڑے لگے تھے۔ اس کے بعد کی کشتی میں ایک جماعت ترجمانوں کی تھی۔ اُن کے سر کا لباس اسی وضع کا تھا جیسے مصر میں ابوالہول کے بُت پر بنا ہے۔ ان ترجمانوں کے سینے پر طوطوں کی تصویریں گُدی تھیں آخری کشتی میں بہت سے غلام اور مستاجروں کے دوست تھے۔ ان میں کسی کے پاس ہتیار نہ تھے۔ اور تعداد میں وہ اتنے تھے کہ کھوے سے کھوا چھلتا تھا کشتیوں میں اتنے آدمی اور مال بھرا تھا کہ ہر وقت اُن کے ڈوب جانے کا اندیشہ تھا۔ اب یہ تینوں لمبی کشتیاں مستاجروں کے غل اور شور میں کنارے لگیں۔ تمام مستاجر کشتیوں کے انتظار میں جھیل کے کنارے کھڑے تھے۔

گسکو نے زمین پر قدم رکھا ہی تھا کہ مستاجر بھاگتے ہوئے اُس سے ملنے آئے گسکو نے جھیل کے کنارے بہت سے بورے مٹی سے بھروا کر چار دیواری سی قائم کرلی تھی تاکہ بھیڑ سے پناہ رہے۔ اب اُس نے مستاجروں سے کہا کہ جب تک میں ایک ایک آدمی کا حساب بیباق نہ کرلوں گا یہاں سے جاؤنگا نہیں۔ اتنا سُنکر سب لوگ گسکو کی تعریف میں نعرے لگانے لگے۔ بڑی دیر کے بعد غل

اتنا تھا کہ وہ بات کر سکے۔

گسکو نے اب تقریر شروع کی۔ قرطاجنہ کی بدسلوکیاں اور مستاجروں کی بیہودہ حرکتیں بیان کیں اور کہا کہ "یہ تمہارا قصور چند باغیوں کے بہکانے کی وجہ سے تھا۔ ان مفسدوں نے اپنی بُری حرکتوں سے تمام شہر کو خوفزدہ کر دیا ہے۔ تم سے قرطاجنہ کے اچھے تعلقات کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ اُس نے مجھ کو جو ہمیشہ جانو کا مانا ہوا مخالف ہے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ قرطاجنہ کے لوگوں کو مستاجر اتنا احمق نہ سمجھیں کہ وہ تم جیسے بہادروں کو غصہ دلائیں۔ وہاں کے لوگ اتنے احسان فراموش نہیں ہیں کہ تمہاری خدمتوں کو وہ بھول جائیں۔" اتنا کہکر گسکو اب سپاہیوں کو انکی تنخواہیں بانٹنے لگا۔ تقسیم پہلے اُس نے لبیہ کے سپاہیوں سے شروع کی۔ فہرستیں جو ساتھ تھیں اُن کو اُس نے دیکھا تک نہیں۔ کیونکہ اُن کو مستاجر پہلے ہی غلط ثابت کر چکے تھے۔ مختلف قوموں کے سپاہیوں کو مختلف صفوں میں سامنے کھڑا کیا۔ ہر سپاہی گسکو کے قریب آکر انگلیوں سے بتاتا کہ اُس نے کتنے برس فوج میں کام کیا ہے۔ اسکے بعد اُس کے بازو پر سبز رنگ کا ایک نشان کر دیا جاتا۔ محرر جو ساتھ آئے تھے اُن میں بعض نے روپوں کے صندوق کھولے۔ بعض نے سیسے کے ایک ٹکڑے میں خنجر کی نوک سے سوراخ کئے۔

اب ایک آدمی سامنے سے اس انداز سے آیا جیسے کوئی سانڈ بپھرا ہوا بھیڑ میں گھسے۔ گسکو نے اُس سے کہا کہ "سامنے آؤ"۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ کوئی بنا ہوا جھوٹا آدمی ہے۔ پوچھا کہ "تم نے فوج میں کتنے دن کام کیا"؟

اس لبیہ کے آدمی نے جواب دیا "بارہ برس"۔

گسکو نے اُس کے جبڑوں کے نیچے انگلیوں سے ٹٹولا۔ کیونکہ خود کے پہننے سے جبڑوں کے نیچے کی کھال مُردہ ہو جاتی ہے اور وہاں نشان پڑ جاتا ہے۔ اس نشان

کو کروب کہتے تھے۔ بلکہ جب کہتے تھے کہ "اِس آدمی کے کروب ہیں" تو مطلب ہوتا تھا کہ وہ پُرانا سپاہی ہے۔

گسکو نے اب اُس سے کہا "تُو سپاہی نہیں چور ہے۔ اچھا جو کچھ تیرے جبڑوں کے نیچے مجھے نہیں ملا وہ مَیں تیرے کندھوں پر دیکھ لونگا۔" گسکو نے فوراً اُس کا کُرتہ پھاڑ کر اُسکی پیٹھ ننگی کی۔ اُس پر زخموں کے داغ تھے۔ درحقیقت وہ سپاہی نہ تھا بلکہ ہل کا چلانیوالا تھا۔ اور ہیوزر دیتوں کا رہنے والا تھا۔ اس پر سب لوگ اُس کو سخت بُرا بھلا کہنے لگے اور پھر فوراً اُس کا سر قلم کر دیا گیا۔

رات کے وقت اسپنڈیوس لبیہ والوں میں آیا۔ اور اُن کو جگا کر کہنے لگا "جب لاگوریا، یونان، جزائر بلیارک اور اٹلی کے آدمیوں کو روپیہ مل چکے گا تو اُن سب کو اپنے اپنے وطن بھیجدیا جائے گا۔ لیکن تم افریقہ میں رکھے جاؤ گے۔ اور اپنے اپنے قبیلے میں بکھیر دیے جاؤ گے۔ تمہارے بچاؤ کا کوئی سامان تمہارے پاس نہ ہوگا اور پھر قرطاجنہ کی ریاست تم سے اپنا انتقام لے گی۔ پس اس واپسی کے سفر میں ہوشیار رہنا۔ کیا جو کچھ وہ تم سے کہیں گے تم اسکو باور کر لوگے؟ دونوں شفیتی یعنی حانو اور گسکو مل گئے ہیں۔ اور گسکو تم کو فریب دے رہا ہے۔ ہڈیوں والے جزیرے کو یاد کرو۔ زان ٹی پس کو نہ بھولو۔ جس کو ان قرطاجنیوں نے ایک ٹوٹے جہاز میں اسپارٹا روانہ کیا تھا۔"

لبیہ کے لوگوں نے اسپنڈیوس سے پوچھا کہ "تم ہی بتاؤ کہ ہم کیا کریں۔"

اسپنڈیوس نے جواب دیا "خود ہی سوچو کہ کیا کرنا ہے۔"

اب دو دن تک گسکو، لیپتی اور ہیکاٹوم پیلوس کے سپاہیوں کو تنخواہیں تقسیم ہوتی رہیں۔ اسپنڈیوس اب گالیہ کے مشاجروں کے پاس گیا اور اُن سے کہا۔

"قرطاجنی لبیہ والوں کو تنخواہ دے رہے ہیں۔ اسکے بعد یونانیوں کو پھر بیارلیوں

اور پھر ایشیا والوں کو روپیہ تقسیم ہوگا۔ پھر جو لوگ رہ جائیں گے ان کا حساب کیا جائے گا۔ لیکن تمہاری تعداد اتنی کم ہے کہ تم کو کچھ نہ دیا جائے گا۔ تم کو اپنا وطن دیکھنا بھی اب نصیب نہ ہوگا۔ تمہارے لئے جہاز مہیا نہ کئے جائیں گے۔ تم سب یہیں قتل کر دئے جاؤ گے۔ تاکہ تمہارے زندہ رہنے کے مصارف سے قرطاجنہ بچے رہیں۔"

گالیہ کے مستاجر سپاہی گسکو کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ انار تیوس جس نے ہملکار کے باغوں کو غارت کیا تھا۔ اس نے اسپندیوس سے بہت سے سوال کئے اور جب وہ قسم کھانے لگا کہ میں ضرور بدلہ لونگا تو سپاہیوں نے اسکو پیچھے ہٹا دیا اور پھر وہ کسی کو نظر نہ آیا۔

اب گسکو کے سامنے مستاجروں کے مطالبے اور شکایتیں بڑھنے لگیں۔ ان میں جو مفسد اور سرکش تھے وہ گسکو کے خیمے میں گھس پڑے اور گسکو کا ہاتھ پکڑ کر اپنے منہ کے پاس لائے اور کہا "دیکھو اب اس میں ایک دانت باقی نہیں ہے۔ ہمارے بازو خشک ہو گئے ہیں۔ ذرا ہمارے جسم کے زخم دیکھو"

جن کو روپیہ ابھی تک نہ ملا تھا وہ بیقرار تھے۔ جن کو مل چکا تھا انہوں نے گھوڑوں کی قیمت طلب کی۔ بعض بدمعاش اور آوارہ گرد ایسے بھی تھے جنہوں نے سپاہیوں سے ہتیار مانگ کر لگائے اور کہا کہ ہم سپاہی ہیں۔ ہم کو کیوں فراموش کیا گیا۔ ہر لحظہ آدمیوں کے انبوہ آنے شروع ہوئے۔ خیمے جا بجا گرنے لگے۔ خلقت کا غل بڑھا۔ اور لوگ لشکرگاہ کے دروازوں سے گھس کر لشکر میں جمع ہونے شروع ہو گئے۔ لشکرگاہ کے دروازوں سے لیکر اس کے قلب تک کبھی خلقت آگے بڑھتی کبھی پیچھے ہٹتی۔ جب ہنگامہ بہت بڑھا تو گسکو ایک کہنی ہاتھی دانت کے عصا پر ٹیکے اور دوسرا ہاتھ داڑھی میں چھپائے خاموش کھڑا اس ہنگامے کو دیکھنے لگا۔

اُس نے دیکھا کہ ماتو اکثر اسپنڈیوس سے باتیں کرنے جاتا ہے اور وہاں سے پھر کر گِسکو کے سامنے آکھڑا ہوتا ہے۔ گِسکو ماتو کی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔ جو دو مشتعل تیروں کی طرح کمان سے چھُٹنے کو معلوم ہوتی تھیں۔ اِس ہجوم میں ایک دوسرے کو سخت توہین کے الفاظ کہتا۔ جو سب کے سروں پر سے گزر کر کسی کو بھی نہ سُنائی دیتے۔ اِس اثنا میں روپیہ برابر تقسیم ہوتا رہا۔ اور جس قدر مشکلیں پیش آئیں گِسکو اُن کا مقابلہ کر کے اُن کو رفع کرتا رہا۔

یونانیوں کو جب روپیہ ملا تو اُنہوں نے بٹاون پر حجت کی۔ گِسکو نے اُن کو سمجھایا اور وہ چپکے سے ہٹ گئے۔ حبشیوں نے سپید کوڑیاں مانگیں جو افریقہ کے وسطی ملکوں میں تجارت کے وقت بطور مبادلے کے طلب کی جاتی تھیں۔ گِسکو نے کہا اچھا میں قرطاجنہ سے منگوائے دیتا ہوں۔ اس کے بعد جو روپیہ اُن کو دیا گیا وہ انہوں نے قبول کر لیا۔

جزائر بلیارک کے مستاجروں سے کسی قدر بہتر چیز کا وعدہ کیا گیا۔ جب وہ چیز طلب کی گئی تو گِسکو نے کہا تم عورتوں کے ایک پورے کاروان کے آنے کا انتظار کرو۔ لیکن چونکہ فاصلہ زیادہ اور سفر دراز ہے اس لئے اُس کے آنے میں چھ ماہ لگیں گے۔ جب وہ عورتیں دُرست حالت میں ہونگی اور بن زین اُن پر ملا جائیگا تو جہازوں پر سوار کرا کے بلیارک کے بندرگاہوں میں اُن کو پہونچا دیا جائیگا۔

دفعتاً زارازاس اب خوب توانا و تندرست نٹ کی طرح دوسروں کے کندھوں پر قلا کرتا بیچ میں آن کودا۔ اور ہیکلِ خامون کے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔ "انکے لئے جو مارے گئے تھے تم نے کچھ رکھا یا نہیں؟"

ہیکلِ خامون کا دروازہ جس پر فولاد کی چادریں چڑھی تھیں ڈوبتے سورج کی روشنی میں اُوپر سے نیچے تک چمک رہا تھا۔ اب ان وحشی مستاجروں کو یہ تصور بندھا

اور پھر ایشیا والوں کو روپیہ تقسیم ہوگا۔ پھر جو لوگ رہ جائیں گے ان کا حساب کیا جائے گا۔ لیکن تمہاری تعداد اتنی کم ہے کہ تم کو کچھ نہ دیا جائے گا۔ تم کو اپنا وطن دیکھنا بھی اب نصیب نہ ہوگا۔ تمہارے لئے جہاز مہیا نہ کئے جائیں گے۔ تم سب یہیں قتل کر دئے جاؤ گے۔ تاکہ تمہارے زندہ رہنے کے مصارف سے قرطاجنہ بچے رہیں"

گالیہ کے مستاجر سپاہی گسکو کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ اناریتھوس جس نے ہملکار کے باغوں کو غارت کیا تھا۔ اس نے اسپندیوس سے بہت سے سوال کئے اور جب وہ قسم کھانے لگا کہ میں ضرور بدلہ لونگا تو سپاہیوں نے اسکو پیچھے ہٹا دیا اور پھر وہ کسی کو نظر نہ آیا۔

اب گسکو کے سامنے مستاجروں کے مطالبے اور شکایتیں بڑھنے لگیں۔ ان میں جو مفسد اور سرکش تھے وہ گسکو کے خیمے میں گھس پڑے اور گسکو کا ہاتھ پکڑ کر اپنے منہ کے پاس لائے اور کہا دیکھو اب اس میں ایک دانت باقی نہیں ہے۔ ہمارے بازو خشک ہوگئے ہیں۔ ذرا ہمارے جسم کے زخم دیکھو"

جن کو روپیہ ابھی تک نہ ملا تھا وہ بیقرار تھے۔ جن کو مل چکا تھا انہوں نے گھوڑوں کی قیمت طلب کی بعض بدمعاش اور آوارہ گرد ایسے بھی تھے جنہوں نے سپاہیوں سے ہتیار مانگ کر لگالئے اور کہا کہ ہم سپاہی ہیں۔ ہم کو کیوں فراموش کیا گیا۔ ہر لحظہ آدمیوں کے انبوہ آنے شروع ہوئے۔ خیمے جا بجا گرنے لگے خلقت کا غل بڑھا۔ اور لوگ لشکرگاہ کے دروازوں سے گھس کر لشکر میں جمع ہونے شروع ہوگئے۔ لشکرگاہ کے دروازوں سے لیکر اس کے قلب تک کبھی خلقت آگے بڑھتی کبھی پیچھے ہٹتی۔ جب ہنگامہ بہت بڑھا تو گسکو ایک کہنی ہاتھی دانت کے عصا پر ٹیکے اور دوسرا ہاتھ داڑھی میں چھپائے خاموش کھڑا اس ہنگامے کو دیکھنے لگا۔

اُس نے دیکھا کہ ماتو اکثر اسپنڈیوس سے باتیں کرنے جاتا ہے اور وہاں سے پھر کر گسکو کے سامنے آکھڑا ہوتا ہے۔ گسکو ماتو کی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔ جو دو مشتعل تیروں کی طرح کمان سے چھٹنے کو معلوم ہوتی تھیں۔ اِس ہجوم میں ایک دوسرے کو سخت توہین کے الفاظ کہتا۔ جو سب کے سروں پر سے گزر کر کسی کو بھی نہ سُنائی دیتے۔

اِس اثناء میں روپیہ برابر تقسیم ہوتا رہا۔ اور جس قدر مشکلیں پیش آئیں گسکو اُن کا مقابلہ کر کے اُن کو رفع کرتا رہا۔

یونانیوں کو جب روپیہ ملا تو اُنہوں نے بٹاون پر حجت کی۔ گسکو نے اُن کو سمجھایا اور وہ چپکے سے ہٹ گئے۔ حبشیوں نے سپید کوڑیاں مانگیں جو افریقہ کے وسطی ملکوں میں تجارت کے وقت بطور مبادلے کے طلب کی جاتی تھیں۔ گسکو نے کہا اچھا میں قرطاجنہ سے منگوائے دیتا ہوں۔ اس کے بعد جو روپیہ اُن کو دیا گیا وہ اُنہوں نے قبول کر لیا۔

جزائر بلیارک کے مستاجروں سے کسی قدر بہتر چیز کا وعدہ کیا گیا جب وہ چیز طلب کی گئی تو گسکو نے کہا تم عورتوں کے ایک پورے کارروان کے آنے کا انتظار کرو۔ لیکن چونکہ فاصلہ زیادہ اور سفر دراز ہے اس لئے اُس کے آنے میں چھ ماہ لگیں گے۔ جب وہ عورتیں درست حالت میں ہونچیں اور بن زین اُن پر ملا جائیگا تو جہازوں پر سوار کرا کے بلیارک کے بندرگاہوں میں اُن کو پہونچا دیا جائیگا۔

دفعتاً زارازاس اب خوب توانا و تندرست نٹ کی طرح دوسروں کے کندھوں پر قلا کرتا بیچ میں آن کودا۔ اور ہیکلِ خامون کے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔ "اُنکے لئے جو مارے گئے تھے تم نے کچھ رکھا یا نہیں؟"

ہیکلِ خامون کا دروازہ جس پر فولاد کی چادریں چڑھی تھیں ڈوبتے سورج کی روشنی میں اُوپر سے نیچے تک چمک رہا تھا۔ اب ان وحشی مستاجروں کو یہ تصور بندھا

کہ وہ اِس دروازے پر خُون کے نشان دیکھ رہے ہیں۔ جب گِسکو کچھ کہنا چاہتا تو یہ لوگ غُل مچاتے۔ آخر کار گِسکو جہاں کھڑا تھا وہاں سے ہٹ کر اپنے خیمے میں آیا اور خیمے کا دروازہ بند کر لیا۔

دوسرے دن گِسکو سورج نکلتے ہی جب خیمے سے باہر نکلا تو ترجمان جو اُسکے ساتھ آئے تھے اور رات کو باہر سوتے تھے وہ اُسکو دیکھکر اُٹھے نہیں۔ سب چت پڑے تھے۔ آنکھیں اُن کی پتھرائی ہوئی آسمان کی طرف تھیں۔ جسم اُن کے نیلے پڑے تھے۔ مُنہ کھُلے تھے اور زبانیں اندر سے جھانک رہی تھیں۔ نتھنوں سے کوئی سپید رقیق چیز نکلی تھی۔ ہاتھ پاؤں سخت ہو چکے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رات کو سردی سے اینٹھ گئے ہیں۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ سب کی گردنوں میں بل دی ہوئی گھاس کی رسّی کے پھندے لگے ہیں۔

اس وقت سے غدر برابر جاری رہا۔ زارازاس کی صورت دیکھتے ہی مستاجردں کو بلیارک کے قتبلہ اندازوں کا مارا جانا یاد آگیا۔ اور اسپندیوس نے جو کچھ شبہ ظاہر کیا تھا اسکو اب وہ سچ سمجھنے لگے۔ اور یقین ہو گیا کہ ریاست اُن کو دھوکا دے رہی ہے۔ اب اس دھوکے کا خاتمہ کر دینا چاہیئے۔ بغیر ترجمانوں کے بھی اُن کا کام چل سکتا ہے۔ زارازاس سر پر گوپیا رکھے لڑائی کے گیت گانے لگا۔ گالیہ کا اتارتیوس لمبی تلوار پھراتا ہوا آیا۔ اسپندیوس کبھی یہاں کسی کے کان میں کچھ کہہ جاتا کبھی وہاں کسی کے ہاتھ میں خنجر پکڑا دیتا۔ جو مستاجر زیادہ مضبوط تھے اُنھوں نے چاہا کہ اپنا روپیہ خود زبردستی لے لیں۔ جن کے مزاج میں صلاحیت تھی وہ چاہتے تھے کہ روپیہ جس طرح تقسیم ہو رہا تھا اسی طرح تقسیم ہوتا رہے۔ اب کوئی اپنے ہتھیار اپنے سے جُدا نہ کرتا۔ عداوت اور نفرت کے طوفانِ عظیم میں تمام جذبے اور حربے گِسکو کی طرف رجوع ہو گئے۔

بعض مستاجر گسکو کے پاس آن کھڑے ہوئے۔ جب تک لوگ اسکو چیخ چیخ کر بُرا بھلا کہتے اور گالیاں دیتے رہے تو سب چُپ سُنا کئے۔ لیکن جب کسی نے اُس کی حمایت میں کچھ کہنا چاہا تو لوگوں نے اس کے پتھر مارے یا تلوار کے ایک ہی ہاتھ میں اس کا سرتن سے جُدا کر دیا۔ اور مٹی کے بورے کی جو دیوار سی بنی تھی وہ ہیکل کے قربانگاہ سے زیادہ سُرخ ہو گئی۔

مستاجروں نے کھانا کھایا اور کھانے پر تھوڑی سی شراب پی۔ شراب پیتے ہی وہ پاگل ہو گئے۔ اب اُن کے غیظ و غضب کی کوئی حد نہ رہی۔ قرطاجنہ کی لشکروں میں شراب پینے کی سخت ممانعت تھی اور جو پیتے اُس کے لئے سزائے قتل مقرر تھی۔ ہاتھوں میں شراب کے پیالے اُٹھائے شہر کی طرف دیکھتے تھے گویا قرطاجنی قواعد کی خلاف ورزی میں اُن کو لُطف آتا تھا۔ پھر خزانے کے محافظ جو غلام تھے اُن پر ٹوٹ پڑے۔ اور اُن کو قتل کرنے لگے۔ "مارو" کا لفظ گو ہر زبان میں جُدا جُدا تھا۔ مگر کسی زبان میں بھی جہاں کسی کے مُنہ سے نکلا سب اُس کا مطلب سمجھ جاتے گسکو خوب سمجھ رہا تھا کہ قرطاجنہ جو اُس کا وطن تھا اب اس کے ساتھ وہ دغا اور بیوفائی پر آمادہ ہے۔ مستاجروں نے جب اُس سے کہا کہ ہم سے جہازوں کے دیئے جانے کا وعدہ کیا گیا تھا تو گسکو نے مولیخ کی قسم کھا کر کہا کہ جہازیں اپنے صرف ہی تمہارے لئے مہیا کر دوں گا اور اس قسم کی گویا ضمانت میں نیلم کے دانوں کا جو ہار گلے میں پڑا تھا وہ اُتار کر اُن کی طرف پھینک دیا۔

اب افریقی مستاجروں نے گیہوں کی قیمت مانگی جیسا کہ مجلس عظمٰی نے اُسے ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ گسکو نے غلے کا حساب دیکھا جو سُرخ رنگ سے بھیڑ کی کھالوں پر تحریر تھا۔ اور جس قدر گیہوں ماہ بماہ یا روزانہ آیا تھا اسکو پڑھنا شروع کیا۔ پڑھتے پڑھتے وہ رُکا اور یہ معلوم ہوا کہ اس حساب میں وہ اپنی موت کا فرمان

پڑھ رہا ہے۔ قرطاجنہ کے بزرگانِ مجلس نے گیہوں کی قیمت اُس زمانے کی قیمت سے بہت کم لگائی تھی جو لڑائی کے زمانے میں تھی۔ یہ قیمت اتنی کم لگائی تھی کہ کوئی اندھا بھی ہوتا تو اُس پر یہ چال کھل جاتی۔

گسکو کے رُکتے ہی متاجر چلائے" پڑھے جاؤ، رکو نہیں۔ زور سے پڑھو" گسکو کو خاموش دیکھکر متاجر کہنے لگے" دیکھو وہ کوئی جھوٹی بات کہنے کو سوچ رہا ہے۔ یہ کمینہ اور بزدل ہے۔ اس کا مطلق اعتبار نہ کرو"

کچھ دیر تک گسکو پس وپیش میں رہا۔ پھر اُس نے بولنا شروع کیا۔ سپاہیوں نے جو رقمیں اُن کو حساب سے پڑھ کر سنائیں اُن کو انہوں نے صحیح تسلیم کر لیا۔ کسی قسم کا شک وشبہ اُن کے دل میں پیدا نہ ہوا۔ متاجروں نے اب صنوبر کی لکڑی کا ایک صندوق توڑا۔ اس کا تین چوتھائی حصہ انہوں نے خالی پایا۔ اسی صندوق سے انہوں نے اتنا روپیہ نکلتے دیکھا تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ وہ کبھی خالی نہ ہوگا اور روپیہ ہمیشہ اس سے نکلتا ہی رہیگا۔ پھر انہیں خیال ہوا کہ گسکو نے اس میں سے روپیہ نکال کر اپنے خیمے میں چھپا کر رکھ لیا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی وہ مٹی کے بوروں پر جن سے پناہ کے لئے ایک دیوار سی بنالی تھی چڑھ گئے۔ ماتو ان مفسدوں کا اس وقت سردار بن گیا تھا۔ اور" روپیہ، روپیہ" پکارتا تھا۔ آخر گسکو نے اُسے جواب دیا کہ۔

"اپنے سپہ سالار سے وصول کر لو" (گسکو خود متاجروں کا سپہ سالار تھا۔)

گسکو کا چہرہ اُس کی ڈاڑھی سے بھی زیادہ سپید ہو گیا تھا۔ اور زرد زرد آنکھوں سے وہ چپ چپ کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں کسی نے تیر مارا۔ کان میں جو سونے کا بالا پڑا تھا اُس میں تیر کا پر اٹکا نظر آیا۔ اور خون کے قطرے سر کے لباس سے کندھوں پر ٹپکتے دکھائی دئے۔

ماتو سے اشارہ پاتے ہی متاجر آگے بڑھے۔ گسکو نے اپنے ہاتھ آگے کر دئے

اسپندیوس نے رسّی سے کلائیاں باندھیں اور رسّی میں گرہ دی۔ کسی نے گِسکو کو اس حال میں گرادیا۔ اور اس بھیڑ میں جو مٹی کے بوروں پر سے کود کود کر جا رہی تھی گِسکو نظر سے غائب ہوگیا۔ مستاجروں نے گِسکو کا خیمہ لوٹا۔ لیکن اس میں سوائے روزمرّہ کی ضروریات کے اور کچھ نہ تھا جب زیادہ تلاش کیا تو سیاہ پتھر کا ایک ٹکرا ملا جو چاند سے ٹوٹ کر زمین پر گرا تھا۔ قرطاجنہ کے جو رئیس گِسکو کے ہمراہ آئے تھے انہوں نے گِسکو کے ساتھ رہنا چاہا۔ یہ سب بڑے درجے کے لوگ تھے اور اس فریق سے تھے جو لڑائی کا حامی تھا۔ ان سب کو اُن کے خیموں میں گھس کر باہر نکال لائے اور ایک گڑھے میں جہاں کوڑا پڑتا تھا اُن کو دھکیل دیا۔ اور پھر یہاں اُن کو بڑی بھاری لوہے کی سلاخوں سے باندھ کر اُن کی کمر میں زنجیریں ڈالدیں۔ برچھیوں کے پھل سے اُن کو غذا پہونچانے لگے۔ اتاریتیوس اُن پر پہرے کے لئے مقرر ہوا۔ وہ ان غریبوں کو بڑی گالیاں دیتا۔ لیکن وہ اس کی زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے خاموش رہتے۔ کبھی اتاریتیوس، گالیہ کا رہنے والا ان بے بس قرطاجنیوں کے منہ پر کنکریاں مارتا اور وہ چیخنے لگتے۔

اس کے دوسرے دن مستاجروں کے لشکر میں ایک قسم کی تھکن اور خستگی محسوس ہوئی۔ غصّہ تو اُتر ہی چکا تھا اب آیندہ کی فکر غالب ہوئی۔ ماتو پر پھر افسردگی چھائی۔ اور اُسکو خیال ہوا کہ سلامبو کی اس نے توہین کی ہے کیونکہ ریاست کے یہ بزرگ جنکے ساتھ سختی کی ہے اُسکو ایسا محسوس ہوا کہ گویا وہ سلامبو کی ذات سے وابستہ ہیں۔ رات بھر وہ اس گڑھے کے پاس بیٹھا اُن کی آہیں سنتا رہا جو خود اسکے قلب کی آہوں کا ایک جُزو معلوم ہوتی تھیں۔

لشکر کے تمام سپاہیوں نے یہ جو کچھ ہوا تھا اُس کا کُل الزام لیبیہ کے سپاہیوں پر رکھا جن کو روپیہ مل چکا تھا۔ لیکن اس قومی نفاق اور ذاتی خصومتوں کے ساتھ ساتھ

اُن کو ایک سخت خطرے کا احساس بھی شروع ہوا۔ اور یہ سوچنے لگے کہ اس قسم کی حرکتوں کا بدلہ سختی کے ساتھ لیا جائے گا۔ اب قرطاجنہ کے انتقام کو بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ کیسا شدید ہوگا۔ اب اُن میں خفیہ گفتگوئیں اور پوشیدہ تقریریں ہونے لگیں۔ تقریریں سب کرتے تھے مگر کوئی سُنتا نہ تھا۔ اسپندیوس جو بڑا بکواسی تھا وہ جب کوئی بات بتاتا تو سب نہیں نہیں کہکر گردنیں ہلا دیتے تھے۔

ایک دن شام کے وقت ماتو سے اسپندیوس نے بڑی بے پروائی سے پوچھا کہ "کیا شہر میں پانی کے چشمے بھی کہیں ہیں"؟

ماتو نے جواب دیا "نہیں، ایک بھی نہیں"۔

دوسرے دن اسپندیوس، ماتو کو جھیل کے کنارے لے گیا اور اس بھاگے ہوئے غلام نے اس سے کہا "آقا۔ کچھ دل مضبوط رکھتے ہو۔ اگر ایسا ہو تو میں تم کو قرطاجنہ میں جانے کا راستہ بتا سکتا ہوں"۔

ماتو بولا "وہ کیونکر؟"

اسپندیوس نے کہا "قسم کھاؤ کہ جو حکم دونگا وہی کروگے اور میرے پیچھے سایہ کی طرح لگے رہوگے"۔

ماتو نے اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھایا اور جدھر سیارۂ چابار چمک رہا تھا اُدھر دیکھکر اور پکار کر کہا۔

"قسم ہے تانیت کی جو کچھ تم حکم دوگے وہی کرونگا"۔

اسپندیوس بولا "اچھا بات کل پر رہی۔ کل شام کو آفتاب غروب ہوتے ہی کاریز کے دروں کے پاس نویں اور دسویں دَر کے بیچ میں میرا انتظار کرنا۔ اپنے ساتھ ایک مضبوط کُدال اور ایک خود جس میں اُوپر طُرّہ لگانے کا حلقہ نہ ہو، لانا۔ اور پاؤں میں چمڑے کی چپلیاں ہوں۔

جس کاریز پر اسپندیوس نے ماتو سے انتظار کرنے کا قول لیا تھا وہ ایک عالیشان اور مستحکم بنا تھی اور خاکنائے میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ترچھی واقع ہوئی تھی۔ (اس کی قطع یہ تھی کہ اونچے اونچے در بنا کر ان پر محرابوں کی ایک صف چلی گئی تھی پھر ان دروں پر اور در کھڑے کر کے دوسری صف محرابوں کی تھی اور اسی طرح تیسری چوتھی اور پانچویں صفیں محرابوں کی دروں پر قائم ہوتی چلی گئی تھیں۔ سب سے اوپر کی محرابوں کی صف پر ایک سنگین نالی پانی کی جھیل سے شہر کے علاقہ میگارا کے حوضوں تک گئی تھی۔ ان حوضوں میں کاریز سے پانی آکر جمع ہوتا اور پھر وہاں سے میگارا کے باغوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ میگارا ہی کے علاقے میں ہملکار کا محل تھا جس میں سلامبو رہتی تھی۔) قرطاجنہ کی اس سنگین کاریز کو رومانیوں نے اپنے دورِ حکومت میں اور بڑھایا۔ قرطاجنی جن کو کسی غیر قوم کی کسی بات کو اختیار کرنے سے پرہیز تھا انہوں نے رومانیوں سے کاریز کا یہ طرزِ تعمیر اختیار کیا تھا جیسے کہ رومانیوں نے قرطاجنہ سے قرطاجنی وضع کی کشتیاں بنانی اختیار کی تھیں۔ نیچے کے دروں کے سہارے کے لئے پشتیبان تھے اور ان کے اوپر ایک ایک شیر کا سر پتھر کا نصب تھا۔ اس کاریز کے دروں اور محرابوں کا سلسلہ شہر کے مغرب کی طرف پہونچکر ختم ہو جاتا تھا۔ اس آب رو سے دریا کی طرح پانی آکر میگارا کے حوضوں میں جمع ہو جاتا تھا۔

اسپندیوس نے ماتو کو حسب وعدہ دروں کے قریب کھڑا دیکھا۔ اور یہ دیکھا کہ رسّی کے ایک سرے میں لوہے کا ایک کانٹا باندھ کر ماتو گوپیے کی طرح اپنے سر پر پھیرا رہا ہے۔ پھراتے پھراتے یکلخت رسّی کو ہاتھ سے چھوڑا اور کانٹا اڑ کر پتھروں کی ایک پیچ میں جا اٹکا۔ اسپندیوس اور ماتو ایک کے پیچھے ایک رسّی کو پکڑ کر اوپر چڑھنے لگے۔

لیکن جب وہ محرابوں کی پہلی صف تک پہونچے اور کانٹا پھر پھینکا تو وہ کہیں نہ اٹکا اور اب وہ محرابوں کے اوپر کورنس پر پاؤں رکھ کر اوپر چڑھے اور چاہتے تھے

کہ پاؤں جمانے کو کوئی اچھی جگہ ملے۔ مگر اُنہوں نے اُوپر چڑھنے میں دیکھا کہ اُوپر والی محرابوں کی صفوں میں کورنس تنگ ہوتے گئے ہیں۔ اب رسّی نے جواب دیا اور کئی مرتبہ ٹوٹنے کو ہوئی۔

آخر کار وہ محرابوں کی سب سے اُونچی صف پر یعنی کارنیز کی چوٹی پر پہونچ گئے۔ ماتو نے دیکھا کہ اسپندیوس جھک جھک کر پتھروں کو ہاتھ سے ٹٹولتا ہے۔

تھوڑی دیر میں اُس نے کہا "ہاں یہی جگہ ہے۔ کام شروع کرو" ماتو جو کدال ساتھ لایا تھا اُس سے دونوں نے ملکر ایک بڑی سل کھسکا کر علیحدہ کر دی۔

اب دُور سے کیا دیکھتے ہیں کہ سواروں کا ایک دستہ ننگی پیٹھ پر سوار گھوڑے سرپٹ ڈالے کارنیز کی طرف آرہا ہے۔ اِس دوڑ میں سواروں کے گلوں میں جو سونے کے ہار پڑے ہیں وہ ہوا میں اُڑتے ہوئے اُن کے جبّوں پر ناچتے نظر آتے ہیں۔ سب کے آگے ایک سوار ہے جس کے سر پر سیمرغ کے پروں کا ایک تاج رکھا ہے۔ دونوں ہاتھوں میں ایک ایک برچھا تولے، گھوڑا بے تحاشہ دوڑائے چلا آتا ہے۔

ماتو نے چلاکر کہا "یہ نر ہواس ہے"۔

اسپندیوس بولا "اب کیا ہوتا ہے" اتنا کہہ جہاں سے پتھر کی سل اُٹھائی تھی وہاں وہ پانی کی نالی میں کود پڑا۔ نالی تنگ تھی۔ اسپندیوس نے ماتو سے کہا کہ "بغل کا پتھر نکال دو" ماتو نے کوشش کی لیکن کہنیاں پھیلنے کو جگہ نہ تھی۔

اسپندیوس نے کہا "اِسی راستے ہم کو واپس آنا ہے۔ تم آگے رہو" اور اب یہ دونوں اس پانی کی نالی میں چلے۔ نالی میں پانی کم تھا۔ چلنے میں ٹھوکریں لگیں۔ آخر کار اُنہوں نے تیرنا شروع کیا۔ جگہ کی تنگی کی وجہ سے تیرنے میں ہاتھ پاؤں نالی کی دیواروں میں لگتے تھے۔ آگے بڑھے تو اُس میں پانی اتنا ہو گیا کہ پٹاو کی ساوں پر پہونچتا تھا۔ تیرنے میں اب اِن دونوں کا مُنہ اور سر چھلنے لگا۔ پانی کی تیز رو اب اُن کو بہائے چلی۔ ہوا اتنی کم تھی کہ

معلوم ہوتا تھا قبر میں بند ہو گئے ہیں۔ سینے میں دم گھٹا اور وہ سیدھے ہو کر گھٹنے سے گھٹنا ملائے اور دونوں بازوؤں کے بیچ میں سر کئے گھپ اندھیرے میں پانی میں تیر کی طرح جانے لگے۔ اس حالت میں کبھی سانس رکتا کبھی دم پھولتا۔ سامنے جو کچھ تھا وہ تاریکی میں چھپا تھا۔ پانی کی رفتار اب پہلے سے دوچند ہو گئی اور ان کو ایسا معلوم ہوا کہ وہ پانی کی رو کے ساتھ نشیب میں جا رہے ہیں۔

پھر یہ کیفیت بدلی۔ نالی سے نکل کر پانی پر ابھرے تو کچھ دیر تک چت پانی پر پڑے رہے۔ اب وہ ہوا میں آسانی سے خوش ہو ہو کر سانس لیتے تھے۔ اب حالت یہ تھی کہ وہ نالی سے نکل کر ایک بڑے مسقف حوض میں پہونچ گئے تھے۔ اس حوض کے کئی درجے بیچ میں دیواریں کھینچ کر کر دیئے گئے تھے۔ ان دیواروں میں بھی در اور محرابیں تھیں۔ انہی محرابوں میں سے پانی حوض کے ایک درجے سے دوسرے درجے میں پہونچتا تھا۔ اس وقت سب حوض بھرے ہوئے تھے۔ اور سب حوضوں میں پانی ایک مسطح قطع آب معلوم ہوتا تھا۔ چھت پر برجیاں تھیں، برجیوں میں ہوا کے آنے کے لیے روزن تھے۔ انہی روزنوں سے زرد رنگ کے گول گول روشنی کے حلقے پانی کی ہلکی ہلکی موجوں پر پڑتے دکھائی دیتے۔ اور صرف اتنی ہی روشنی یہاں تھی جو اوپر سے آتی تھی۔ پہلو کی دیواروں پر اندھیرے کی سیاہی زیادہ تھی اور اس وجہ سے وہ نظر کو بہت دور معلوم ہوتی تھیں۔ ذرا سی آواز بھی یہاں بہت گونجتی تھی۔

اب پھر دونوں نے تیرنا شروع کیا۔ اور وہ ان دروں میں سے گزرے جو حوضوں کی دیواروں میں بنے تھے۔ حوضوں کے مختلف درجوں کو بخط مستقیم انہوں نے طے کیا۔ اس حوض کے پہلوؤں پر جو درجوں میں تقسیم تھا دو چھوٹے حوض باہم متوازی تھے۔ تیرنے والے تیرتے تیرتے رستہ بھولے اور چکر کاٹ کر جہاں سے چلے تھے پھر وہیں آ گئے۔ آخر کار ایک جگہ پاؤں کو زمین لگی۔ در اصل یہاں ان دالانوں کا فرش تھا جو حوضوں کے

چاروں طرف بنے تھے۔

بہت احتیاط سے دالانوں کی دیواروں کو ٹٹولتے ہوئے وہ آگے بڑھے تاکہ باہر نکلنے کا کوئی راستہ معلوم کریں۔ ایک جگہ پاؤں پھسلا اور وہ حوض کے گہرے پانی میں گر پڑے۔ پھر اُوپر چڑھکر دالانوں میں آئے۔ ایک مرتبہ پھر گہرے پانی میں جا رہے۔ اب وہ اسقدر تھک گئے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ ہاتھ پاؤں پانی میں گھل کر پانی ہو گئے ہیں۔ اس پر بھی پانی میں پڑے ہاتھ پاؤں مارتے رہے حتیٰ کہ نوبت یہ آئی کہ اب دَم نکل جائیگا۔

اتفاق سے ایک جگہ اسپندیوس کا ہاتھ سلاخوں میں لگا۔ دونوں نے ملکر زور سے ان کو ہلایا۔ سلاخیں اُکھڑ آئیں۔ اور اب وہ ایک چبوترے پر آگئے۔ جہاں سے نیچے تک سیڑھیاں چلی گئی تھیں۔ سیڑھیاں چڑھ کر اُوپر آنے کے لئے چبوترے کے اُوپر ایک برنجی دروازہ تھا جو اس وقت بند تھا۔ اُنہوں نے ایک چٹخنی کو جو باہر سے بند ہوتی تھی اپنے خنجر کی نوک سے کھولا۔ چٹخنی ٹوٹی اور دروازہ باہر کو کھُل گیا۔ اور اب یہ دونوں فضا کی پاک اور صاف ہوا میں آگئے۔

ابھی تک رات تھی۔ ہر طرف خاموشی کا عالم طاری تھا۔ آسمان کا گنبدِ لامتناہی سر پر سایہ کئے تھا۔ شہر پناہ کی لمبی دیواروں سے کہیں کہیں بل کھائے ہوئے درختوں کی چھتریاں نکلی ہوئی نظر آتی تھیں۔ سارا شہر غافل پڑا سوتا تھا۔ دُور کی چوکیوں پر جہاں جہاں پاسبان شہر کی پاسبانی کرتے تھے وہاں روشنی اس طرح جھلملاتی تھی جیسے کسی انجمِ گمشدہ کی روشنی چمکے۔

اسپندیوس نے گو ہملکار کے غلام خانے میں تین برس گذارے تھے لیکن وہ گرد و نواح کے حالات سے کم واقف تھا۔ ماتو نے اپنے اندازے سے کہا کہ "ہملکار کے محل کو پہنچنے کیلئے ہم کو بائیں ہاتھ کو چلنا ہوگا۔ اور ماپیلیا سے گذرنا پڑیگا۔"

اس پر اسپندیوس بولا کہ "ہملکار کے محل کا پتہ نہیں بلکہ تانیت کے ہیکل کا پتہ بتاؤ۔"

ماتو کچھ کہنے کو ہوا مگر یہ بھگوڑا غلام اسپنڈیوس کہنے لگا: "اپنا قول یاد کرو!" اور اتنا کہکر اُس نے آسمان کی طرف جہاں جابار کا سیارہ روشن تھا اشارہ کیا۔ ماتو خاموش کھڑا قلعہ کی طرف دیکھنے لگا۔

اب یہ دونوں انجیر کے درختوں کی آڑ میں جن کی سرد رختی سڑک کے دونوں طرف تھی آگے بڑھے۔ اُن کے بدن سے پانی کے قطرے ریت پر گرتے تھے۔ اور بھیگی ہوئی جوتیوں سے مطلق آواز نہ ہوتی تھی۔ اسپنڈیوس جس کی آنکھیں مشعل کی طرح چمکتی تھیں جھاڑیوں میں غور سے دیکھتا چلتا اور دونوں ہاتھ ان خنجروں کے قبضوں پر تھے جو کمر میں دونوں طرف لگے تھے۔

* * * *

باب (۵)

تانیت

جب اسپندیوس اور ماتو میگارا کے باغوں میں سے گذر لئے تو پھر میگارا کی فصیل اُن کی راہ میں حائل ہوئی۔ مگر اس فصیل میں ایک جگہ اُنہوں نے سوراخ دیکھا۔ اُس سے نکل کر وہ آگے بڑھے۔

زمین میں یہاں نشیب چلا گیا تھا کیونکہ اب فی الواقع وہ ایک گھاٹی میں چل رہے تھے جو بہت ہی خشک و بے برگ و بار تھی۔

اسپندیوس نے ماتو سے کہا "سُنو۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تم کسی چیز سے ڈرنا نہیں..... میں نے جو کچھ وعدہ تم سے کیا ہے اُسے ایفا کرونگا"

اسپندیوس اتنا کہکر چُپ ہوا اور کچھ اس طرح چپ ہوا جیسے کسی بات کو کہنے کے لیئے کوئی الفاظ سوچتا ہو۔ پھر بولا "ماتو تمہیں وہ وقت بھی یاد ہے کہ سلامبو کے محل کے اوپر کے درجے پر ہم تھے۔ آفتاب طلوع ہو رہا تھا۔ اُس وقت میں نے قرطاجنہ کی طرف انگلی اُٹھا کر اشارہ کیا تھا۔ اُس وقت ہم صاحب قوت تھے۔ مگر تم نے میری بات نہ سُنی"۔ اب اسپندیوس نے نہایت متین لہجہ بنا کر کہا "آقا! تانیت کے معبد میں ایک نقاب ہے جو کسی زمانے میں آسمان سے گری تھی۔ اب اس ربّہ کا

وہ پیرہن ہے۔"

ماتو بولا "مجھے معلوم ہے۔"

اسپندیوس کہنے لگا کہ "اس پیرہن میں ربانی اوصاف تسلیم کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ ربہ کی ہستی کا وہ اک جزو ہے۔ معبود اُن ہی چیزوں میں موجود ہوتے ہیں جو اُن کا مظہر ہوتی ہیں۔ چونکہ قرطاجنہ میں پیرہن موجود ہے اس لئے قرطاجنہ کو سب طرح کی قوت حاصل ہے۔" اب اسپندیوس ماتو کے قریب آکر اسکے کان میں کہنے لگا۔ "میں تم کو یہاں اسلئے لایا ہوں کہ ہم کسی طرح اس پیرہن کو چرا لیں۔"

ماتو اتنا سنتے ہی دو قدم پیچھے ہٹا۔ اور کہنے لگا۔

"دور ہو بدبخت یہ کام کسی اور سے لے۔ ایسی ناپاک حرکت میں میں تیرا ساتھی نہیں۔"

اسپندیوس کہنے لگا "کیا تم کو اس کا علم نہیں کہ ربہ تانیت آپ کی جانی دشمن ہے۔ وہ اس وقت تمہاری تکلیف اور اذیت کا موجب ہو رہی ہے۔ تم اُسکے غضب میں مبتلا ہو کر غارت ہونے کو ہو۔ اگر پیرہن ہاتھ لگ گیا تو ہمارا انتقام پورا ہوگا۔ اور تانیت تمہاری حکم بردار ہو جائے گی اور پھر تم کسی سے مغلوب ہو سکو گے۔ بلکہ غیر فانی ہو جاؤ گے۔"

ماتو نے سر جھکا لیا اور اسپندیوس کہتا رہا۔

"ہم سب غارت کر دئے جائیں گے اور یہ سارا لشکر رفتہ رفتہ صفحہ ہستی سے محو ہو جائیگا۔ نہ بھاگنے کا موقع رہیگا اور نہ کہیں سے مدد یا قرطاجنہ سے معافی ملنے کی امید ہوگی۔ لیکن جب خداؤں کے مصدر قدرت و مکنت پر ہمارا قبضہ ہو جائیگا تو پھر ہم کو سزا یا پاداش کا کیا خوف ہو سکتا ہے۔ کیا تم اس بات کو پسند کرو گے کہ دن کو شکست کھائی اور اسی رات کو کسی جھاڑی کے پیچھے دم توڑتے نظر آئے۔ یا لکڑیوں کے ڈھیر

پر بٹھا کر چاروں طرف سے لعنت و ملامت کی آوازیں بلند ہوں، جلا دیے جاؤ۔ آقا! ایک نہ ایک دن قرطاجنہ میں داخل ہونگے اور وہاں داخل ہونگے جہاں دونوں طرف ہیکل اور عبادت خانے ہونگے! اور کاہن نکل نکل کر آپ کی پاپوش کو بوسہ دینگے۔ اور اگر تانیت کا پیرہن ہاتھ لگنے پر آپ کو وہ بوجھل معلوم ہو تو آپ پھر اسکو اُسکے تختانے پر رکھ سکتے ہیں۔ بس اب کچھ پس و پیش نہ کیجیے۔ میرے ساتھ چلیے اور ربّۃ تانیت کے پیرہن کو اُٹھا لائیے۔"

ماتو کے دل میں بیحد شوق پیدا ہوا اور وہ اس خیال میں مصروف ہوا کہ کسی طرح تانیت کا پیرہن ہاتھ لگے۔ اور کوئی بات ایسی بھی نہ ہو جس میں مذہب کی توہین یا بے حُرمتی ہو۔ سوچنے لگا کہ ممکن ہے اس کا حاصل کرنا اس ضرورت سے نہ ہو کہ جو خُدائی اوصاف اِس پیرہن میں ہیں وہ اُس کے حاصل کرنے والے میں بھی پیدا ہو جائیں۔ مگر اس خیال کی گہرائی تک وہ نہ پہونچا اور جہاں کہیں اِس خیال میں گرہ پیدا ہوئی اُسکو نہ کھولا۔

ماتو نے اسپندیوس سے کہا "اچھا چلو" اور دونوں برابر برابر قدم اُٹھائے بالکل خاموش جانے لگے۔

راستہ چڑھان کا ہو تا گیا اور یہ دونوں تنگ و تاریک گلیوں میں سے گذرنے لگے۔ ہر طرف سناٹا تھا۔ البتہ گھروں کے دروازے جن کو اسپارٹو گھاس کے پٹھوں کو بل دے کر بند کئے تھے وہاں یہ گھاس ہوا سے دیواروں پر لگ کر ہلکی سی آواز پیدا کرتی تھی۔ اب وہ ایک چھتے میں سے گذرے جسکی چھت پھول پتوں سے پٹی تھی۔ یہاں کچھ کتے بھونکے۔ چھتے سے نکلتے ہی وہ ایک کھلے میدان میں آئے۔ اب وہ پہچان گئے کہ قلعہ کی پُشت کی طرف وہ جا رہے ہیں۔ برسا کے نیچے دُور تک ایک سیاہ تودہ پھیلا نظر آیا۔ یہ دراصل اندھیرے میں تانیت کا ہیکل تھا۔ اور اس سے

بہت سے باغ، پرانی یادگاریں، صحن اور ایسے چوک جو ہر تخانے کے سامنے چھوٹے گئے تھے متعلق تھے اور ہیکل کی دیوار ان سب کے گرد دوڑی ہوئی تھی۔ اس دیوار میں پتھر پر پتھر بغیر چونے کی جڑائی کے رکھے تھے۔ اس دیوار سے بھی ماتو اور اسپندیوس گذر لئے۔ اور اب وہ ہیکل کے پہلے احاطے میں داخل ہوئے۔

اس احاطے میں جا بجا چنار کے درختوں کے جھنڈ تھے اور یہ اس لئے تھے کہ وبا اور ہوا کی عفونت سے پناہ ملتی رہے۔ یہاں کہیں کہیں خیمے نصب تھے۔ ان میں مختلف قسم کی چیزیں، عطریات، پوشاکیں، ہلال کی شکل کے میٹھے کاک۔ ربات کی مورتیں اور ہیکل کی عمارت کے چھوٹے چھوٹے نمونے سنگِ رخام سے تراشے ہوئے ان میں بکا کرتے تھے۔

ان دونوں کو یہاں کسی بات کا خطرہ نہ تھا کیونکہ جن راتوں میں سیارہ جا بار آسمان پر نمودار نہ ہوتا تھا ان راتوں میں کوئی مذہبی رسم ادا نہ کی جاتی تھی۔ باوجود اسکے ماتو ہلکے ہلکے چلنے لگا۔ اور جب وہ دوسرے احاطہ میں داخل ہونے کو ہوئے تو وہ تین آبنوس کی سیڑھیوں کے قریب پہونچے اور یہاں وہ ٹھہر گئے۔

اسپندیوس نے ماتو سے کہا کہ "آگے چلیے"

انار اور بادام کے ہرے ہرے پیڑ۔ اونچے اونچے سرو و شمشاد اور مرتل کے درخت ایک کے بعد ایک زمین میں لگے تھے۔ ہوا بند تھی اور اس وجہ سے انکی شاخیں اور پتے ایسے بے حس و حرکت تھے گویا وہ برنز یا برنج کے بنے تھے۔ راستے پر نیلے رنگ کے سنگریزے بچھے تھے۔ چلنے میں وہ آواز کرتے تھے۔ راستے کے دونوں جانب اس سرے سے اس سرے تک گلاب کے پھول بھرپور کھلے تھے۔ راستے پر چھت تھی اور چھت بھی پھولوں سے ڈھکی تھی۔ آگے بڑھے تو وہ ایک بیضوی شکل کے سوراخ کے قریب پہونچے جس کے چاروں طرف آہنی کٹہرا لگا تھا۔

ماتو یہاں کے سکوت اور خاموشی سے متاثر ہو کر اسپندیوس سے کہنے لگا:۔

"یہ وہ مقام ہے کہ جہاں آبِ شیریں آبِ تلخ سے آمیز کیا جاتا ہے"

اسپندیوس بولا کہ "میں یہ چیز ملک شام کے شہر ماتوگ میں خوب دیکھ چکا ہوں اور اب چاندی کی چھ سیڑھیاں چڑھکر وہ تیسرے احاطہ میں آئے۔

اس احاطے کے بیچ میں ایک بڑا گھنا اور اونچا درخت سرو کا کھڑا تھا۔ اسکے نیچے کی شاخیں طرح طرح کے ہاروں کنٹھوں اور کپڑے کی دھجیوں سے چھپی تھیں۔ یہ چیزیں خوش اعتقاد زائر یہاں لگا گئے تھے۔ چند قدم آگے بڑھے تو ہیکل کا پیش طاق سامنے نظر آیا۔

ایک عالیشان مستطیل گنبد دار عمارت کے سامنے کے رُخ دو درجوں کا ایک لمبا برآمدہ تھا۔ اس کے ستون بلندی میں کم اور حجم میں زیادہ تھے۔ اُن پر داسوں کے نقشین پتھر تھے۔ گنبد کے نیچے ایک بہت بڑا ہلال بنا تھا۔ برآمدوں کے موڑ اور گنبد کے چاروں گوشوں پر بڑے بڑے ظروف ایسے مسالوں سے بھرے رکھے تھے جن کے جلانے سے خوشبو کے بخور پیدا ہوتے تھے۔ ستونوں کے تاجوں میں پتھر کے ترشے ہوئے انار اور حنظل بکثرت تھے۔ دیواروں پر موتیوں کے کام کی بیلیں، لوزاتیر، خطوط ایک کے بعد ایک منظر آتے تھے۔ دروازے کے سامنے جلا کئے ہوئے تانبے کی سیڑھیاں تھیں۔ سیڑھیوں کے گرد منصف دائرے کی شکل میں چاندی کے تاروں کی ایک جالی لگی تھی۔ دروازے میں مخروطی شکل کا ایک پتھر رکھا تھا۔ اور اُسکے ایک طرف سونے کا اور دوسری طرف زمرد کا ایک ایک ستون تھا۔ ماتو جب یہاں سے گذرنے لگا تو اُس نے اپنا دایاں ہاتھ چوما۔

عمارت کا پہلا کمرہ گول تھا اور اسکی چھت بہت اونچی تھی۔ اور اسمیں بہت سے روشندان تھے اور اگر کوئی سر خوب اونچا کر کے رات کے وقت دیکھے تو ان

روشندانوں میں سے آسمان کے ستارے نظر آتے تھے۔ دیواروں پر تنکوں کے چھینکوں میں ڈاڑھیوں کے بال اور ایسے بال جو آغاز جوانی کی علامت ہوتے ہیں بکھرے لٹک رہے تھے۔ اور اس گول کمرے کے بیچ میں ایک عورت کا بُت تھا جس پر غلاف چڑھا تھا۔ غلاف پر صدہا بھٹنیاں عورتوں کی چھاتیوں کی بنی تھیں۔ جس عورت کا یہ بُت تھا وہ بہت فربہ اور ریشدار تھی۔ نظریں نیچی تھیں اور بہت بڑے پیٹ کے نیچے دونوں ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ چہرے سے مُسکراہٹ ظاہر ہوتی تھی۔ بڑے پیٹ کا پتھر زائرین کے بوسوں سے چکنا ہو گیا تھا۔

اب ماتو اور اسپندیوس کمرے سے نکل کر پھر آسمان کے نیچے آ گئے۔ عمارت کے بیچ میں کچھ جگہ ایسی چھوڑی گئی تھی جس پر چھت نہ تھی۔ سامنے کی دیوار میں ایک دروازہ تھا جس کے کواڑ ہاتھی دانت کے تھے۔ اور ایک نازک سا قربانگاہ اُسکے قریب بنا تھا۔ اسکے اندر کوئی نہ جا سکتا تھا۔ اور سوائے درجۂ اعلیٰ کے کاہنوں کے کوئی اُسکو نہ کھول سکتا تھا۔ کیونکہ عوام الناس کے لِے بیٹھنے کی جگہ نہ تھا بلکہ وہ ربّہ کا ذاتی مکان سمجھا جاتا تھا۔

ماتو بولا "اب سب کوشش فضول ہو گی۔ پہلے ہی سے کیوں نہ سوچ لیا۔ یہیں سے پلٹ چلیں"

اسپندیوس دیواروں کو غور سے دیکھتا رہا۔ وہ یہی چاہتا تھا کہ تانیت کا پیرہن کسی طرح ہاتھ لگے۔ اِس خیال سے نہیں کہ ربّہ کے متعلق وہ کوئی خاص اعتقاد رکھتا تھا۔ (کیونکہ وہ سوائے اوریکل کے اور کسی کا مُعتقد نہ تھا۔) پیرہن کو حاصل کرنے میں اُسکی غرض فقط اتنی تھی کہ جب قرطاجنی دیکھیں گے کہ ربّہ کا پیرہن دوسرے کے ہاتھ پڑ گیا ہے تو اُسکو یقین تھا کہ اُن کی ہمت پست ہو جائے گی۔ اندر جانے کا راستہ تلاش کرنے میں اُسنے عمارت کی پُشت کے گرد ایک چکر لگایا۔ عمارت کے پچھواڑے

جب دونوں آئے تو انہوں نے چھوٹے چھوٹے بُت خانے مختلف وضع قطع کے تاڑ پیڑ کے درختوں میں چھپے دیکھے۔ کہیں کہیں انہوں نے اعضائے تولید کے پتھر بھی رکھے دیکھے۔ بڑے بڑے بارہ سنگھے یہاں آزاد پھرتے تھے اور اپنے کھروں سے گرے ہوئے پھلوں کو ٹھکراتے تھے۔

اب وہ دیر تک دو لمبے برآمدوں میں جو متوازی واقع تھے ٹہلتے رہے، ان برآمدوں میں چھوٹے چھوٹے حجروں کے دروازے کھلتے تھے۔ اور چوب صنوبر کے کھمبوں میں جھانجھ اور طنبورے اوپر سے نیچے تک آویزاں تھے۔ برآمدوں سے باہر چٹائیوں پر پڑی کچھ عورتیں سوتی تھیں۔ ان کے جسم تیل اور عطر سے چکنے ہو رہے تھے اور ان میں سے عود و عنبر اور بجھی ہوئی آگ کی بُو آتی تھی۔ ان کے جسم اس قدر گدے تھے۔ گلے میں سونے کے ہار اور کنٹھے، انگلیوں میں انگوٹھیاں اور چھلّے اس کثرت سے تھے اور سُرمے اور سیندور میں وہ اتنی رنگی ہوئی تھیں کہ اگر سانس لینے میں ان کے پیٹ حرکت کرتے نہ معلوم ہوتے تو یہی سمجھ میں آتا کہ وہ پتھر کے خوابیدہ بُت ہیں۔

ایک حوض میں جس میں فوارہ لگا تھا کنول کے پودے پھول رہے تھے۔ مچھلیاں بھی اسی قسم کی جیسے سلامبو کے باغ والے حوض میں تھیں تیرتی نظر آتی تھیں۔ اس سے آگے ہیکل کی ایک دیوار پر شیشے کی ایک بیل جس میں انگور کے خوشے زمرد اور فیروزوں کے تھے پھیلی تھی۔ اور رنگین ستونوں میں کبھی روشنی اور کبھی جواہرات کی جگمگ چہروں پر پڑتی تھی۔

صنوبر کی قناتوں کی وجہ سے ہوا ایسی رُکی تھی کہ ماتو کا دم گھٹا جاتا تھا۔ ثمر خیزی باروری اور بچہ کشی کی تمام علامات، خوشبوئیں روشنی کی تیزی اور سونے والیوں کے سانس سے ماتو میں ایک گھبراہٹ پیدا ہونے لگی۔ قلب کی اس پُر اسرار حالت میں کہ غیر موجود کو موجود سمجھا جائے کبھی کبھی سلامبو کی یاد بھی دل میں تیر کی طرح چبھتی تھی

اور سلامبو کو رتبہ تانیت سمجھنے لگتا اور یہ پھر عشق کا جذبہ اس طرح زور پکڑتا جیسے حوض میں کنول کی کلیاں زورِ نمو میں کھل کر بڑے بڑے پھول بن گئی تھیں۔ اسپندیوس اس وقت کسی اور ہی خیال میں تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ یہ عورتیں اگر باندیاں بنا کر فروخت کی جائیں تو کتنے دام اٹھتے۔ اور ایک اڑتی سی نگاہ انکے گلے اور ہاتھوں کے زیور پر بھی ڈالتا تاکہ ان کے وزن اور قیمت کا اندازہ ہو۔

ہیکل کے حصے کی اس سمت میں بھی جیسے کہ دوسری سمت کا حال تھا کسی غیر آدمی کا گذر ممکن نہ تھا۔ چنانچہ وہ پھر پھرا کر پہلے کمرے کی پشت پر آئے۔ اسپندیوس برابر یہی سوچتا تھا کہ اندر جانے کا کوئی رستہ ملے۔ ماتو دروازے کے سامنے فرش پر پڑا ایسی لجاجت اور خوشامد کے الفاظ زبان پر لاتا تھا جیسے کوئی کسی ناراض شخص کو مناتا ہو۔

دروازے کے اوپر ایک تنگ روشندان نظر آیا۔

اسپندیوس نے ماتو سے کہا "اٹھو" ماتو جب اٹھا تو اسپندیوس نے کہا "دیوار سے پیٹھ لگا کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ"۔ اب اسپندیوس نے اپنا ایک پاؤں ماتو کے ہاتھ پر اور دوسرا پاؤں ماتو کے سر پر رکھا اور روشندان تک پہنچ غائب ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں ماتو کو اپنے کندھے پر رسی کی گرہ لگتی معلوم ہوئی۔ اسپندیوس جس وقت کاریز پر آیا تھا تو اس وقت وہ اپنے کپڑوں کے نیچے کمر اور سینے کو ایک رسی لپیٹے تھا۔ دونوں ہاتھوں سے رسی پکڑ ماتو بھی آناً فاناً میں اسپندیوس کے پاس اندھیرے کمرے میں کھڑا تھا۔

بت خانے کے حرم میں اس طرح داخل ہونا بالکل غیر معمولی بات تھی۔ ایسے بند و بست کا کافی نہ ہونا کہ کوئی اندر نہ جا سکے اس بات کا ثبوت تھا کہ لوگ کسی کا اندر جانا غیر ممکن سمجھتے تھے۔ کسی بتخانے یا حرم میں داخلہ کی روک دیواروں سے اتنی

نہیں ہوتی جس قدر کہ خوف سے ہوتی ہے۔ ماتو چلتا تھا مگر ہر قدم پر موت نظر آتی تھی۔ گو اندھیرا بہت تھا مگر روشنی کی ایک بہت خفیف سی تحریر بھی نظر آ رہی تھی۔ یہ ایک چراغ کی شعاع تھی جو ایک سیپ میں جل رہا تھا۔ اور اُس چبوترے پر رکھا تھا جس پر ربّہ کا بُت تھا۔ اِس بُت کے سر کا لباس کا بیری کے سر کے لباس سے مشابہ تھا۔ بُت کا لباس سُرخ کپڑے کا تھا۔ جس پر بڑے بڑے حلقوں میں الماس ٹکے تھے۔ اور زنجیریں جن کی وجہ سے یہ بُت چبوترے پر کھڑا تھا فرش کے پتھروں میں چھُپی تھیں۔ دیکھتے ہی ماتو کے مُنہ سے ایک چیخ نکلنے کو تھی مگر اُس نے روکا۔ اور کہنے لگا "دیکھو یہ ربّہ ہے۔ یہ ربّہ ہے" ماتو نے ہکلا ہکلا کر زبان سے یہ لفظ ادا کئے۔

اسپندیوس نے بُت کے چبوترے پر سے چراغ اُٹھایا کہ اُس کی روشنی سے رستہ دیکھتا چلے۔

اِس پر ماتو نے اسپندیوس سے کہا "تو کیسا بے ادب اور گستاخ ہے" مگر باوجود اسکے وہ اسپندیوس کے پیچھے پیچھے چلا۔

اب جس کمرے میں یہ دونوں آئے وہاں سوائے ایک تصویر کے جو سیاہ خطوط میں کھچی تھی اور کچھ نہ تھا۔ تصویر کی کیفیت یہ تھی کہ ایک طرف کی دیوار پر اُسکے قاعدے سے لیکر چوٹی تک فقط اِس تصویر کی ٹانگیں بنی تھیں۔ چھت پر کمرے لیکر گردن تک بنی تھی اور ناف سے ڈوری میں بندھا ایک انڈا لٹک رہا تھا۔ مقابل کی دیوار پر سر اور ہاتھ تھے اور اُنگلیاں فرش پر ٹکی معلوم ہوتی تھیں۔

اب آگے بڑھنے کی غرض سے اُنہوں نے دیوار پوش کے کپڑے کو ایک جگہ سے ہٹایا مگر ساتھ ہی ہوا کا جھونکا ایسا آیا کہ چراغ گُل ہو گیا۔ اب وہ عمارت کی بھول بھلیاں میں اندھیرے میں اِدھر اُدھر ٹاپتے پھرے۔ دفعتًا اُن کو اپنے پاؤں کے نیچے کوئی چیز

نرم سی محسوس ہوئی۔ اُس میں سے چنگاریاں نکلتی اور وہ خود چمکتی معلوم ہوتی۔ اور ایسا معلوم ہوا کہ وہ آگ پر چل رہے ہیں۔ اسپندیوس نے ہاتھ نیچا کر کے زمین کو چھوا تو معلوم ہوا کہ وہاں بڑے تکلف سے سیاہ گوش کے پوستینوں کا فرش کیا گیا ہے۔ آگے بڑھے تو محسوس ہوا کہ ایک بھیگی سی ٹھنڈی رسی نرم اور چپکتی ہوئی اُن کے پاؤں کے بیچ میں سے رینگتی ہوئی جا رہی ہے۔ قریب کی دیواریں بہت سے سوراخ تھے! اور اُن میں سے نیلی نیلی تحریریں روشنی کی آتی تھیں۔ اِن ہلکی روشنی کی مدد سے جب وہ آگے بڑھے تو کیا دیکھا کہ ایک بہت بڑا کالا سانپ آہٹ پاتے ہی اُچھل کر کہیں غائب ہو گیا۔

ماتو نے کہا کہ "اب یہاں سے بھاگنا چاہیئے۔ یہ سانپ نہ تھا بلکہ خود ربۃ تھی۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آ رہی ہے۔"

اسپندیوس بولا "گھبراؤ نہیں ہیکل بالکل خالی پڑا ہے۔" اب یکایک کسی طرف سے روشنی ایسی تیز چمکی کہ اُن کی نظریں بالکل نیچی ہو گئیں۔ پھر اُنھوں نے عجیب و غریب مخلوقات کا ایک بڑا اژدہام دیکھا۔ اُن میں کوئی دُبلا سوکھا تھا۔ کوئی ہانپتا اور کوئی اپنے تیز پنجے اور ناخن دکھاتا تھا۔ یہ مخلوق ایک کے اُوپر ایک کچھ عجیب انداز میں مخلوط نظر آتی تھی۔ اُن میں ایسے سانپ تھے جن کے پاؤں تھے اور ایسے بیل تھے جن کے پر لگے تھے۔ مچھلیاں تھیں جن کے چہرے انسان کے تھے اور وہ جلدی جلدی پھل کھا رہی تھیں۔ مگر مچھوں کے جبڑوں میں پھول کھلے تھے اور ہاتھی سونڈیں اُٹھائے نیلے آسمان پر عقاب کی طرح پرواز میں تھے۔ اکثر مخلوق ایسی تھی جن کے ہاتھ پاؤں یا تو کم تھے یا بہت تھے۔ اور ہر جاندار ایسا زور لگاتا معلوم ہوتا تھا کہ اُس کی رگیں اُبھر آئی ہیں اور دہن سے زبانیں ایسی نکلی ہیں کہ اگر جسم سے روح نکل جائے تو وہ خوش ہوں۔ کوئی مخلوق ایسی نہ تھی جو وہاں موجود نہ ہو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام تخموں اور جراثیم کا خزانہ یہیں جمع تھا۔ اور آج دفعتاً خوابیدہ حالت سے اِن جانداروں

کی آورد ہوئی ہے۔

بُت کے گرد نیلے بلّور کا جو کٹہرا تھا وہ ایسے جانوروں کے کندھوں پر رکھا تھا جو شیر سے کسی قدر مشابہ معلوم ہوتے تھے گھونگے کی طرح اُن کی آنکھیں حلقوں سے اُبھری ہوئی تھیں اور وہ اپنے کریہہ منظر ہاتھ پاؤں اینٹھائے اور سمیٹے ایوان کے دوسری طرف دیکھ رہے تھے۔ یہ ربّہ سب میں اعلیٰ اور ارفع متولّد او مثمر نسائیت کا آخری تصوّر ہاتھی دانت کے رتھ پر بیٹھی چمک رہی تھی۔ پیڑ، پھول، فلس اور پرندے کمر تک ربّہ کو لپیٹے تھے۔ کانوں میں بُندوں کی جگہ بڑی بڑی بجلیاں پڑی تھیں جو حرکت کر کے اُس کے رُخسار سے مس کرتی تھیں۔ اُس کی بڑی بڑی آنکھیں جن میں حرکت نہ تھی، اُس کے دیکھنے والے کی طرف جمی تھیں۔ اور اُس کی پیشانی پر ایک روشن و آبدار ہیرا جڑا تھا۔ اس ہیرے کی شکل ناخن جیسی تھی۔ اور اس کا عکس جلا کئے ہوئے تانبے کی تختیوں پر جو آئینہ کی مثل شفاف تھیں پڑتا تھا اور اس نورانی عکس سے سارا ایوان روشن تھا۔

ماتو نے ایک قدم آگے بڑھایا کہ فرش کی ایک سل پاؤں سے دبی۔ فوراً نیلے بلّور کے گولے گردش کرنے لگے اور جن جانوروں کے کندھوں پر وہ رکھے تھے وہ زور زور سے دھاڑنے لگے۔ پھر موسیقی کی صدائیں بلند ہوئیں جن کے راگ اور سُر نغمۂ افلاک کے راگ اور سُر تھے۔ تانیت کی طوفانی رُوح سیلاب کی طرح اُمنڈ کر پھیلی معلوم ہوتا تھا کہ وہ اُٹھنے کو ہے۔ قامت کی درازی ایوان کی بلندی کے برابر تھی۔ ربّہ کے ہاتھ پھیلے تھے۔ اتنے میں ان درندوں نے جن کے کندھوں پر نیلے بلّور کے گولے رکھے تھے اُنھوں نے اپنے جبڑے بند کر لیے۔ اور اس کے ساتھ گولوں کا گردش کرنا بھی بند ہو گیا۔ اور اب غمگین راگ کی صدائیں ہوا میں پھیل کر رفتہ رفتہ محو ہو گئیں۔

اسپندیوس کے مُنہ سے نکلا "پیرہن"۔

پیرہن اب تک کہیں نظر نہ آیا تھا۔ دونوں سوچتے تھے کہ آخر وہ ہے کہاں اور کیونکر وہ ہاتھ لگے۔ ماتو کے دل پر فکر و تردد کی چوٹیں لگتی تھیں۔ اور وہ سمجھنے لگا کہ اُس کا اعتقاد غلط تھا۔

اسپندیوس نے کان میں کہا "اِدھر چلو"۔ اسپندیوس جیسے خدا کی طرف تو کسی کو علم ہوتا تو کو بُت کے رتھ کی پُشت کی طرف لے گیا۔ یہاں دیوار میں ہاتھ بھر چوڑا ایک شگاف تھا جو فرش سے لیکر چھت تک چلا گیا تھا۔ اس سے نکل کر وہ ایک گول کمرے میں پہونچے۔ اس کی بلندی اتنی تھی کہ کمرہ کا ہیکو ایک کھوکلا ستون معلوم ہوتا تھا۔ اسکے بیچ میں ایک پتھر نصف کرّہ کی شکل کا جیسے طنبورہ ہو رکھا تھا۔ اس میں سے شُعلے اُوپر کو اُٹھتے تھے۔ اُس کی پشت پر آبنوس کا ایک مخروط تھا جس کے اُوپر ایک سرا اور پہلوؤں میں دو ہاتھ لگے تھے۔ اس کے آگے جو کچھ نظر آیا وہ ایک بادل سا تھا۔ جس میں ستارے چمکتے تھے اور بادلوں کی تہوں سے بہت سے چہرے ظاہر تھے۔ یہ چہرے عشمون کابیری اور بعض اُن کریہہ منظر حیوانات کے تھے جن کو اس سے پہلے اُنہوں نے نہ دیکھا تھا۔ ان میں بعض حیوانات وہ تھے جن کو بابل کے لوگ متبرک سمجھتے تھے اور بعض ایسی قوموں کے تھے جن کو وہ جانتے نہ تھے۔ ان میں کوئی رات کے اندھیرے کی مثل سیاہ اور کوئی نور کے تڑکے کی مثل سپید۔ کوئی سورج کی طرح سُرخ تھا۔ یہ سب بے شمار تھے اور اکثر چمک رہے تھے۔ کوئی ایسا تھا جس سے روشنی پھُوٹ کر دوسری طرف نکل جاتی تھی۔ کوئی بالکل ہوائی تھا۔ یہ بادل پہلے تو بُت کے چہرے کے نیچے سے گذرا تھا اور پھر دیوار پر پھیلا تھا۔ جہاں کپڑے کی طرح اسکے پلو دیوار کے دو گوشوں پر اٹکے تھے۔ یہی تانیت کا پیرہن تھا جس کا دوسرا نام مقدس زاعمف تھا۔ اور کسی کو اُس کے دیکھنے کی اجازت نہ تھی۔ اس پر نظر ڈالتے ہی

اسپندیوس اور ماتو کے چہرے زرد پڑ گئے۔

ماتو آخرکار بولا" اسکو اُٹھا لو"

اسپندیوس کو اس میں کیا تامل ہوتا۔ فوراً بت پر چڑھ کر پیرہن کے پلو جو دیوار میں اٹکے تھے اُن کو جھٹکا دے کر چھڑا لیا۔ پیرہن زمین پر گرا۔ ماتو نے اُسے اپنے ہاتھوں سے اُٹھایا اور اُس کے گریبان میں سر ڈال کر باقی کو اپنے جسم پر لپیٹ لیا۔ اور ہاتھ پھیلا کر وہ اُسے اچھی طرح دیکھنے لگا۔

اسپندیوس نے کہا" بس اب باہر چلو"

ماتو زور زور سے سانس لیکر زمین کی طرف آنکھیں پھاڑے دیکھتا تھا۔ دفعتاً کہنے لگا کہ" اگر میں اسی طرح پیرہن اوڑھے اُس کے محل تک جاؤں تو اس میں کیا حرج ہے۔ میں اب اُسکے حُسن سے نہیں ڈرتا۔ وہ میرے خلاف اب کیا کر سکتی ہے۔ میں تو اب انسان سے بالاتر ہوں۔ میں تو اب آگ سے گذر سکتا ہوں۔ سمندر کی سطح پر چل سکتا ہوں۔ میں اس وقت اپنے میں بے انتہا قوت محسوس کرتا ہوں۔ سلامبو، سلامبو، اب میں تیرا مالک اور آقا ہوں" یہ جملے ماتو نے بڑی بلند اور تیز آوازمیں کہے۔ اسپندیوس کو بھی اب ماتو بدلا ہوا قد و قامت میں پہلے سے زیادہ نظر آیا۔

قدموں کی آواز قریب آتی معلوم ہوئی۔ دروازہ کھُلا اور ایک آدمی اندر آیا۔ سر پر اُس کے اونچی ٹوپی تھی اور وہ آنکھیں پھاڑے چاروں طرف دیکھتا تھا۔ پیشتر اس سے کہ وہ کوئی حرکت کرتا اسپندیوس دوڑ کر اُس پر گرا اور اُسکے دونوں پہلوؤں میں اپنے خنجر بھونک دئے۔ وہ کھڑا ہوا اور سنگین فرش پر گر کر سر پاش پاش ہو گیا۔

کچھ دیر تک یہ دونوں مُردوں کی طرح خاموش بے حس و حرکت کھڑے رہے۔ کوئی آواز اُنہوں نے نہ سُنی۔ سوائے ہوا کی سنسناہٹ کے جو آدھے کھُلے دروازے میں سے آتی ہے۔

اب یہاں سے چلے تو آگے ایک تنگ راستہ ملا۔ اسپنڈیوس اُس پر چلا جب یہ راستہ ختم ہوا تو وہ ہیکل کے تیسرے احاطے میں پہونچ چکے تھے۔ اور وہ اُن حجروں کے قریب آگئے تھے جن میں کاہن رہتے تھے۔ خیال ہوا کہ اِن حجروں کی پُشت پر کوئی راستہ ایسا ضرور ہوگا کہ جلد ہیکل سے باہر نکل سکیں۔ اب یہ دونوں قدم بڑھائے چلے۔

فوارے والے حوض کے قریب آئے تو اسپنڈیوس نے اپنے ہاتھوں کا خُون دھویا۔ عورتیں غافل سوتی رہیں۔ زمردوں والی انگور کی بیل دیوار پر چمکتی رہی۔ یہ اور آگے بڑھے۔

جب وہ درختوں کے نیچے آئے تو کوئی چیز اُن کے پیچھے دوڑتی نظر آئی۔ ماتو جو پیرہن کو کچھ اوڑھے اور کچھ نیچے لٹکائے تھا اُسے معلوم ہوا کہ جیسے کوئی پیچھے سے گھسیٹتا ہے۔ یہ ایک بڑا لنگور تھا اور اُن میں سے تھا جو یہاں آزاد چھُٹے پھرتے تھے۔ لٹکتے پیرہن کو وہ لپٹ گیا۔ گویا سمجھ گیا کہ اسے کوئی چرائے جاتا ہے۔ اسپنڈیوس یا ماتو نے اُسے مارا نہیں کہ کہیں اُس کی چیخوں سے جاگ نہ ہو جائے۔ دفعتاً اس لنگور کا غصّہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اور وہ کچھ دُور ماتو کے برابر برابر لمبے لمبے ہاتھ چلاتا ڈگیں مارتا چلا۔ لیکن جب باڑے کے قریب آیا تو ایک ہی جست میں وہ کھجور کے ایک درخت کی چوٹی پر جا پہونچا۔

غرض جب سب سے پہلے احاطے سے جس سے داخل ہوئے تھے باہر نکل آئے تو پھر دونوں ہملکار کے محل کے قصد سے چل پڑے۔ اسپنڈیوس نے ماتو کو وہاں کے قصد سے منع کرنا فضول سمجھا۔

اب وہ چمڑا رنگنے والوں کے بازار اور مُوتمبل کے چوک اور گھاس کی منڈی سے اور اس میدان سے جسے کاسّاسین کہتے تھے گذر لئے تو اور آگے چلے۔ دیوار کے

ایک پہلو سے گذرے تو ایک راہ گیر پیرہن کے جواہرات کی چمک دیکھکر ڈرا اور پیچھے مڑکر بھاگا۔

اسپنڈیوس نے ماتو سے کہا کہ "زاعفران کو چھپائے رکھو"

چند اور راہگیر بھی راستے میں سامنے سے گذرے مگر کسی نے اُن کو دیکھا نہیں۔

چلتے چلتے آخرکار اُنہوں نے میگارا کے مکانوں کو پہچانا۔

روشنی کا منارہ جو مکانوں کی پشت پر ایک چٹان کی چوٹی پر تھا اُس نے اپنے سُرخ شعلوں سے آسمان کو اور ہملکار کے محل کی اونچی نیچی منزلوں کو روشن کر رکھا تھا۔ محل کی منزلوں کا سایہ ایک رفیع الشان اہرام کے سائے کی مثل دُور تک زمین پر پڑتا تھا۔ جوجبی کے درختوں کی باڑہ میں گھس کر اُن کی شاخوں کو خنجروں سے کاٹتے ہوئے یہ دونوں محل کے احاطہ میں داخل ہوئے۔

دعوت کے موقع پر مستاجروں نے جس طرح باغات کو غارت کیا تھا اسکی علامتیں ابتک موجود تھیں۔ احاطوں کی باڑیں ٹوٹی پڑی تھیں۔ پانی کی نالیاں خشک تھیں اور چیخانوں اور شراب رکھنے کی کوٹھڑیوں کے قریب آدمی کا نام و نشان نہ تھا۔ فیلخانوں میں البتہ ہاتھی زنجیروں سے گھبرا کر جو آواز سلاسل پیدا کرتے تھے یا اُنکے سانس لینے کی آواز یا روشنی کے منارے پر ایلوے کی لکڑیاں جو چٹخ چٹخ کر جل رہی تھیں اُن کی آواز کانوں میں آتی تھی۔ باقی بالکل سناٹا تھا۔

اس اثنا میں ماتو کبھی یہی کہے جاتا تھا کہ،

"سلامبو کہاں ہے۔ میں اُس سے ملنا چاہتا ہوں۔ اُس تک پہونچنے کا رستہ بتاؤ"

اسپنڈیوس نے کہا کہ "اسوقت سلامبو سے ملاقات ایک مجنونانہ حرکت ہوگی۔ وہ تمہیں دیکھتے ہی اپنے نوکروں کو آواز دے گی۔ اور جب وہ مدد کو آئیں گے تو آپ کا یہ سارا زور اور بل جاتا رہیگا۔ اور پھر جان کا بچنا محال ہوگا"

یہی باتیں کرتے ہوئے وہ دونوں محل کی اُن سیڑھیوں تک پہونچ گئے جس کے گوشوں پر بحری فتوحات کے نشانات نصب تھے۔ ماتو نے سر اُٹھایا اور اُسکو ہلکی سی روشنی کی چمک اُوپر نظر آئی۔ اسپندیوس نے چاہا کہ ماتو کو اُوپر جانے سے روکے لیکن اُسے صبر کہاں، دو دو چار چار سیڑھیاں چڑھتا ہوا اُوپر پہونچا۔

ماتو کو جب خیال ہوا کہ آج پھر وہ اس مقام پر ہے جہاں پہلے سلامبو کو اُس نے دیکھا تھا تو یہ بیچ کا زمانہ اُس کے حافظے سے قطعی محو ہو گیا۔ ماتو کو معلوم ہوتا تھا کہ صرف ایک لمحہ گذرا ہے کہ سلامبو کھانے کی میزوں کے قریب خدا کی تعریفیں گا رہی تھی۔ سر پر آسمان ستاروں سے جگ مگ جگمگ کر رہا تھا۔ باقی حدِ نظر تک سمندر ہی سمندر تھا۔ ہر قدم جو آگے بڑھتا زمین اور پھیلتی معلوم ہوتی جتنی سیڑھیاں رہی تھیں وہ اس سپاٹے سے چڑھا جیسا کہ اکثر خواب میں پیش آتا ہے۔

ہوا سے پیرہن کی سرسر جب سُنتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ ایک نئی قوت اس میں آگئی ہے لیکن سلامبو کو دیکھنے کی اُمید میں ایسا خوش ہے کہ یہ نہیں بتا سکتا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ نتیجے کے غیر یقینی ہونے سے دل میں ڈرتا بھی ہے۔ بند دروازوں کے بیچ بیچ میں جو کھڑکیاں تھیں جب اُن میں جھانکا تو سمجھا کہ اندر سو رہے ہیں۔ سب سے اُوپر کی منزل جو اور منزلوں کے مقابلے میں چھوٹی مکعب کی شکل کی تھی۔ جب ماتو اس کے گرد نہایت آہستہ قدم پھرا تو دیکھا کہ روشندانوں میں باریک ورق ابرک کے لگے ہیں جن میں دو دسے اُجلی روشنی چمک رہی ہے۔ یہ روشندان کچھ ایسے ترتیب سے ہیں کہ روشنی اندھیرے میں چمکتی ہوئی موتیوں کی لڑیاں معلوم ہوتی ہیں۔ سرخ دروازہ جس پر سیاہ چلیپا بنا تھا اُسے ماتو نے پہچان لیا۔ اب ماتو کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اور حالت ایسی ہوئی کہ اگر یہاں سے نکل بھاگنے کی کوئی صورت ہوتی تو وہ خوش ہوتا۔ دروازے کو اُس نے آہستہ سے دھکا دیا۔ دروازہ کھُل گیا۔ کمرے کے دُور کے سرے پر ایک چاندی

کا چراغ کشتی کی شکل کا چھت میں ٹنگا جل رہا تھا اور اُس کے اندر سے تین شعاعیں اُوپر کو نکل رہی تھیں۔ یہ روشنی اُونچی خاتم بندی کے نقش و نگار پر چمکتی تھی۔ چھت پر سُرخ رنگ پھرا تھا اور اُس پر سیاہ دھاریاں پڑی تھیں۔ چھت کی آرائش میں ہزار ہا لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے خوبصورتی سے جوڑ کر اُن پر سونے کا کام کیا تھا اور جہاں جوڑ ملے تھے وہاں پکھراج اور زبرجد جڑا تھا۔ کمرے کے طول میں ایک نیچی کوچ چار سپید تسموں میں جھولے کی طرح چھت میں ٹنگی تھی۔ دیواروں میں صدف کی شکل کے طاق تھے اور اُن پر باریک پردے فرش تک ٹنگے تھے۔

کمرے کے وسط میں ایک حوض تھا اور اُسکے گرد سنگِ سلیمانی کی بنی ہوئی صرف ایک سیڑھی تھی۔ حوض کے کنارے سنگِ رخام کی ایک صراحی اور اس کے قریب ہی سانپ کی کینچلی کی جوتیاں نہایت نازک رکھی تھیں۔ اس کے آگے بھیگے پاؤں کا ایک نشان کچھ کچھ چمکتا سا دکھائی دیتا تھا۔ کمرے کی ہوا میں تیز خوشبوؤں کی مٹتی سی دہک کچھ کچھ موجود تھی۔

ماتو نے فرش پر بہت آہستہ قدم رکھا۔ فرش پر سونے بلور اور سیپ کی پچکاری تھی۔ فرش گو نہایت چکنا اور صاف تھا۔ مگر ماتو کو معلوم ہوتا تھا کہ نرم ریت پر قدم پڑتا ہے۔ چراغ کے دوسری طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ کوئی بڑی سی چوکور چیز زمردی رنگ کی چھت سے چار ڈوریوں میں ٹنگی ہے۔ ماتو جھکا جھکا سے لب جدا آگے بڑھا۔

سُرخ تکیوں کے ڈھیر میں سُرخاب کے پروں کی پنکھیاں جن کے دستے سیاہ مونگوں کے تھے، سنگ پشت کی کنگھیاں اور چوب ارغ کے صندوقچے اور عاج کے پُشت خار پڑے تھے۔ دیواروں پر غزالوں کے سر لگے تھے۔ اِن کے سینوں کے گرد سونے کے حلقے اور ان کے گلوں میں خوبصورت ہار پڑے تھے۔ دیوار کے آثار میں جو بڑے طاق تھے اُن میں سرکنڈوں کی جالیوں پر مٹی کے برتن بڑے نازک اور حسین ہوا دینے کو رکھے

تھے۔ کمرے کے مختلف حصّوں کی سطح اُونچی نیچی تھی۔ آخری حصّے کے سرے پر ایک گول قالین کے گرد چاندی کی ایک جالی قنات کے طور پر کھڑی تھی۔ قالین پر رنگ برنگ کے گُل بوٹے کڑھے تھے۔ آخر کار ماتو اِس زمرّدی پلنگ کے قریب جو چھت میں جھُولے کی طرح ٹنگا تھا پہونچ گیا۔ اِس کے قریب ہی ایک آبنوس کی چوکی رکھی تھی جس پر پاؤں رکھ کر پلنگ پر آتے تھے۔ روشنی پلنگ کے اِسی کنارے سے آگے نہ تھی۔ یہاں تاریکی ایک پردے کی طرح حائل تھی۔ صرف ایک نازک پاؤں کا انگوٹھا دوسرے پاؤں کے ٹخنے پر رکھا نظر آتا تھا۔ نہایت ہلکے سے ماتو نے لٹکے ہوئے چراغ کو اپنی طرف کھینچا۔

سلامبو سو رہی تھی۔ ایک ہاتھ رُخسار کے نیچے تھا اور دوسرا ہاتھ آرام سے پھیلا تھا۔ بالوں کے حلقے اور پیچھے اِس کثرت سے تھے کہ گویا سیاہ پروں کے ڈھیر پر پڑی سوتی تھی۔ شب خوابی کے باریک سپید لباس میں جسم کے خطوط کا اندازہ ہوتا تھا۔ لباس کے نرم نرم شکن سینے سے لیکر پاؤں تک پڑے تھے۔ سونے میں آنکھوں کے پپوٹے پورے بند نہ تھے۔ اُن میں سے کچھ کچھ آنکھیں دکھائی دیتی تھیں۔ مسہری کے پردوں سے روشنی کا ایک نیلگوں غُبار سا چہرے پر پڑتا تھا۔ سانس لینے میں جو حرکت ہوتی تھی وہ ان ڈوریوں پر بھی منتقل ہوتی تھی جن میں مسہری لٹک رہی تھی اور ساری مسہری ہوا میں جھُولتی معلوم ہوتی تھی۔ ایک بڑے مچھر کے اُڑنے کی آواز کان میں آئی۔

ماتو ایک ہاتھ پھیلائے چراغ کو مسہری کی طرف کیے کھڑا تھا کہ دفعتاً مسہری کے پردے اُٹھکر چھت میں غائب ہوگئے۔ سلامبو جاگ اُٹھی۔

وہ نیلگوں روشنی کا غبار آپ سے آپ محو ہوگیا۔ چراغ کی نورانی شعاعیں اب خاتم بندی کی چھت پر پڑنے لگیں۔

سلامبو نے پوچھا "یہ کیا چیز اوڑھے ہو؟"

کا چراغ کشتی کی شکل کا چھت میں ٹنگا جل رہا تھا اور اُس کے اندر سے تین شعاعیں اُوپر کو نکل رہی تھیں۔ یہ روشنی اُونچی خاتم بندی کے نقش و نگار پر چمکتی تھی۔ چھت پر سُرخ رنگ پھرا تھا اور اُس پر سیاہ دھاریاں پڑی تھیں۔ چھت کی آرائش میں ہزار ہا لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے خوبصورتی سے جوڑ کر اُن پر سونے کا کام کیا تھا اور جہاں جوڑ ملے تھے وہاں پکھراج اور زبرجد جڑا تھا۔ کمرے کے طول میں ایک نیچی کوچ چار سپید تسموں میں جھولے کی طرح چھت میں ٹنگی تھی۔ دیواروں میں صدف کی شکل کے طاق تھے اور اُن پر باریک پردے فرش تک ٹنگے تھے۔

کمرے کے وسط میں ایک حوض تھا اور اُسکے گرد سنگِ سلیمانی کی بنی ہوئی صرف ایک سیڑھی تھی۔ حوض کے کنارے سنگِ رخام کی ایک صراحی اور اس کے قریب ہی سانپ کی کینچلی کی جوتیاں نہایت نازک رکھی تھیں۔ اس کے آگے بھیگے پاؤں کا ایک نشان کچھ کچھ چمکتا سا دکھائی دیتا تھا۔ کمرے کی ہوا میں تیز خوشبوؤں کی مٹی سی دہک کچھ کچھ موجود تھی۔

ماتو نے فرش پر بہت آہستہ قدم رکھا۔ فرش پر سونے، بلور اور سیپ کی پچکاری تھی۔ فرش گو نہایت چکنا اور صاف تھا۔ مگر ماتو کو معلوم ہوتا تھا کہ نرم ریت پر قدم پڑتا ہے۔ چراغ کے دوسری طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ کوئی بڑی سی چوکور چیز زمردی رنگ کی چھت سے چار ڈوریوں میں ٹنگی ہے۔ ماتو جھکا جھکا سے لب جدا آگے بڑھا۔

سُرخ تکیوں کے ڈھیر میں سُرخاب کے پروں کی پنکھیاں جن کے دستے سیاہ مونگوں کے تھے، سنگِ پُشت کی کنگھیاں اور چوب ارغ کے صندوقچے اور عاج کے پُشت خار پڑے تھے۔ دیواروں پر غزالوں کے سر لگے تھے۔ ان کے سینوں کے گرد سونے کے حلقے اور ان کے گلوں میں خوبصورت ہار پڑے تھے۔ دیوار کے آثار میں جو بڑے طاق تھے اُن میں سرکنڈوں کی جالیوں پر مٹی کے برتن بڑے نازک اور حسین ہوا دینے کو رکھے

تھے۔ کمرے کے مختلف حصوں کی سطح اونچی نیچی تھی۔ آخری حصّے کے سرے پر ایک گول قالین کے گرد چاندی کی ایک جالی قنات کے طور پر کھڑی تھی۔ قالین پر رنگ برنگ کے گل بوٹے کڑھے تھے۔ آخر کار ماتو اِس زمردی پلنگ کے قریب جو چھت میں جھولے کی طرح لٹکا تھا پہونچ گیا۔ اِس کے قریب ہی ایک آبنوس کی چوکی رکھی تھی جس پر پاؤں رکھ کر پلنگ پر آتے تھے۔ روشنی پلنگ کے اِسی کنارے سے آگے نہ تھی۔ یہاں تاریکی ایک پردے کی طرح حائل تھی۔ صرف ایک نازک پاؤں کا انگوٹھا دوسرے پاؤں کے ٹخنے پڑا نظر آتا تھا۔ نہایت ہلکے سے ماتو نے لٹکے ہوئے چراغ کو اپنی طرف کھینچا۔

سلامبو سو رہی تھی۔ ایک ہاتھ رخسار کے نیچے تھا اور دوسرا ہاتھ آرام سے پھیلا تھا۔ بادلوں کے حلقے اور پیچھے اِس کثرت سے تھے کہ گویا سیاہ پروں کے ڈھیر پر پڑی سوتی تھی۔ شب خوابی کے باریک سپید لباس میں جسم کے خطوط کا اندازہ ہوتا تھا۔ لباس کے نرم نرم شکن سینے سے لیکر پاؤں تک پڑے تھے۔ سونے میں آنکھوں کے پپوٹے پورے بند نہ تھے۔ اُن میں سے کچھ کچھ آنکھیں دکھائی دیتی تھیں۔ مسہری کے پردوں سے روشنی کا ایک نیلگوں غبار سا چہرے پر پڑتا تھا۔ سانس لینے میں جو حرکت ہوتی تھی وہ ان ڈوریوں پر بھی منتقل ہوتی تھی جن میں مسہری اٹک رہی تھی اور ساری مسہری ہوا میں جھولتی معلوم ہوتی تھی۔ ایک بڑے مچھر کے اُڑنے کی آواز کان میں آئی۔

ماتو ایک ہاتھ پھیلائے چراغ کو مسہری کی طرف کیسے کھڑا تھا کہ دفعتًہ مسہری کے پردے اُٹھکر چھت میں غائب ہوگئے۔ سلامبو جاگ اُٹھی۔

وہ نیلگوں روشنی کا غبار آپسے آپ محو ہوگیا۔ چراغ کی نورانی شعاعیں اب خاتم بندی کی چھت پر پڑنے لگیں۔

سلامبو نے پوچھا۔ "یہ کیا چیز اوڑھے ہو؟"

ماتو نے کہا: "ربۃ تانیت کا پیرہن"۔

سلامبو نے چیخکر کہا: "ربۃ کا پیرہن"۔

اتنا کہہ مٹھیاں بندھی ہاتھوں پر سنبھل مسہری سے اترنے کو جھکی۔

ماتو نے کہا: "آپ کے لئے اس پیرہن کی تلاش میں حرم کے بالکل اندرونی حصوں میں گیا۔ اسے دیکھئے"۔ اس وقت زاعمف کے جس قدر جواہر تھے اُن سے روشنی کے شرارے نکلنے لگے۔

ماتو نے کہا: "آپ کو کیا یاد ہوگا کہ رات کے وقت خواب میں آپ مجھ پر ظاہر ہوئیں تھیں لیکن آپ کی بے زبان نگاہیں جو حکم دے رہی تھیں اُسکو میں نہ سمجھا۔ سلامبو نے ایک پاؤں اتار کر آبنوس کی چوکی پر رکھا۔ ماتو کہتا رہا کہ "اگر میں آپ کا حکم سمجھتا تو فوراً حاضر ہوتا نوجی ملازمت ترک کرتا۔ قرطاجنہ سے باہر نہ جاتا۔ آپ کا حکم تو میرے لئے وہ ہے جس کی بجاآوری میں عالم ارواح کے غار ہیدرومیٹم تک میں جاسکتا ہوں ..... میرا قصور معاف ہو۔ میری حالت یہ تھی کہ ہر وقت سینے پر ہزارہا پہاڑوں کا بوجھ رکھا معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ کوئی چیز ایسی بھی تھی جو مجھ کو آگے بڑھاتی رہی۔ اور میں نے آپکے پاس آنیکی کوشش کی۔ صرف خداؤں کے طفیل سے ایسا ہوا۔ اب آپ کو یہاں سے چلنا چاہیئے۔ میرے ہمراہ آپ چلیں۔ اگر آپ نہ چلیں گی تو پھر میں یہاں سے نہ ٹلونگا۔ میرے لئے اب کیا رہا ہے بجز اس کے کہ آپکے تنفس میں اپنی روح کو غرق کردوں۔ اپنے ہاتھ کے بوسے مجھے لینے دو۔ اتنے کہ میرے لب چھل جائیں اور ٹوٹ جائیں"۔

سلامبو نے کہا: "مجھے اُسے دیکھ تو لینے دو۔ قریب لاؤ، اور قریب"۔ دن نکلنے کو ہوا طلوع ہوتے آفتاب کی سرخ روشنی نے دیواروں پر ابرک کے ورقوں کو لال انگارہ کردیا۔ سلامبو پر غشی کی سی حالت طاری ہونے لگی۔ جب گرنے کو ہوئی تو مسہری کے تکیوں سے سہارا لیکر سنبھلی۔

ماتو نے کہا "سلامبو مجھے تجھ سے عشق ہے۔"

سلامبو نے کہا "یہ مجھے دیدو" اور ماتو کے قریب آنے لگی۔

اور قریب آئی۔ شب خوابی کی وہی سپید پوشاک پہنے تھی اور ربہ کے پیرہن پر اس کی بڑی بڑی آنکھیں جمی تھیں۔ سلامبو کے نورِ حسن سے ماتو کی آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ زاعف کو وہ اس کے سامنے تھامے کھڑا تھا۔ اور قریب تھا کہ اس میں سلامبو کو لپیٹ لے اور لپیٹ کر اُسکو اپنے سینے سے لگالے۔ سلامبو نے ہاتھ پھیلا دئے۔ پھر دفعتاً وہ بے حس و حرکت ہو گئی۔ دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھتے تھے۔ لب لب دونوں کے جدا تھے۔

سلامبو سمجھی کہ ماتو کیا چاہتا ہے۔ مگر اب اُس پر بیم و رجا کی حالت طاری ہوئی۔ آنکھوں پر نازک بھنویں اونچی ہوئیں۔ زبان کھلی۔ تمام جسم میں خوف کی ایک ٹھنڈی لہر دوڑ گئی۔ آخر الامر توشک کے گوشوں پر جو پیتل کی گھنٹیاں لگی تھیں ان میں سے ایک گھنٹی اٹھا کر زور سے بجائی۔ اور پکاری ا۔

"مدد۔ مدد۔ دُور ہو۔ اے پاک کو نجس کرنے والے لعین شقی ملعون دُور ہو۔ اے تنعاخ۔ کروم۔ الیوا۔ میکیسا۔ شادول۔ چلو۔ جلد یہاں آؤ۔"

دیوار پر جہاں مٹی کی صراحیاں رکھی تھیں اسپندیوس کا خوفناک چہرہ دکھائی دیا اور یہ الفاظ اسکے منہ سے سُنے گئے "بھاگو بھاگو وہ آرہے ہیں"۔

محل کی سیڑھیاں لرزنے لگیں۔ کیونکہ بہت سے آدمی اوپر آرہے تھے۔ ان میں عورتیں غلام اور نوکر تھے۔ کسی کے ہاتھ میں کدال تھی کسی کے ہاتھ میں تلوار کسی کے پاس خنجر تھا اور وہ سب اس حال سے کمرے میں داخل ہوئے۔ کمرے میں ایک غیر مرد کو دیکھ کر اُنکے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی۔ خواصوں نے جیسے کوئی مر گیا ہو بَین شروع کیا۔ خواجہ سراؤں کے سیاہ چہروں کی جلد کے نیچے زردی دوڑ گئی۔

ماتو چاندی کے تاروں والی جالی کے پاس زاعفت میں لپٹا اس طرح کھڑا تھا جیسے کوئی ستاروں اور سیاروں کا دیوتا زمین پر اترا ہو۔ غلاموں نے چاہا کہ ماتو پر ٹوٹ پڑیں لیکن سلامبو نے ان کو روکا۔ اور کہا۔

"خبردار جو اسکو چھوا۔ یہ ربۃ تانیت کا پیرہن ہے"

سلامبو کمرے کے ایک گوشے میں جا کھڑی ہوئی تھی۔ اب اس نے ایک قدم بڑھایا اور آگے آکر ماتو کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا: "خداؤں کا غضب تجھ پر نازل ہو۔ تو نے ربۃ تانیت کی یہ کیسی بے حرمتی کی۔ اس کے پیرہن کو ناپاک کیا۔ اس کے انتقام میں نفرت، عداوت، خون اور اذیت تیرے لئے اتریں گے۔ خدائے جنگ گرزل تیرے ٹکڑے اڑائے، اور مُردوں کا خدا مِتی مان تجھے پھانسی چڑھائے۔ اور وہ دوسرا خدا جس کا نام میں نہیں لے سکتی تجھے زندہ جلائے تو یہ تیری سزا ہو"

یہ بد دعائیں سنکر ماتو کے منہ سے ایک چیخ نکلی جیسے کسی نے تلوار سے زخم پہونچایا ہو۔ "نکل جا، دور ہو" بار بار یہی الفاظ سلامبو کے منہ سے نکلتے تھے۔

نوکروں نے بیچ میں راستہ کر دیا۔ اور ماتو سر نیچا کئے بیچ سے نکلتا ہوا باہر آیا۔ دروازے سے نکل کر وہ رکا۔ کیونکہ پیرہن کا ایک سرا فرش میں، جو سونے کے گل بنے تھے ان میں اٹکا تھا۔ ماتو نے کندھا ہلا کر جھٹکا دیا اور پیرہن پھول ہی سے چھٹ گیا۔ اور اب ماتو سیڑھیاں اترنے لگا۔

اسپندیوس ایک منزل سے دوسری منزل پر نیچے کودتا جھاڑیاں اور خندقیں پھلانگتا محل سے باہر روشنی کے منارے کے قریب پہونچا۔ یہاں چٹانوں تک ساتی نہ ہونے کی وجہ سے دیوار ختم ہو گئی تھی۔ ایک چٹان پر چڑھ اس کے کنارے پاؤں نیچے کی طرف کر کے چت لیٹ گیا اور پھر اوپر سے نیچے پھسلتا چلا آیا۔ پھر پانی میں کود کر دیر تک تیرتا رہا۔ اور نمک کی جھیل کی طرف سے بڑا چکر کاٹ کر رات ہوتے مستاجروں

کے لشکر میں پہونچ گیا۔

آفتاب بلند ہو چکا تھا۔ ماتو غصہ میں ڈوبا خونیں نگاہیں اِدھر اُدھر ڈالتا روشوں پر اس طرح چلتا تھا جیسے شیر پیچھے ہٹتا ہو۔

پہلے تو محل ہی کی طرف سے شور سنا تھا اب ویسا ہی شور قلعہ کی طرف سے کانوں میں آیا۔ کبھی کوئی آواز یہ آتی تھی کہ مولخ کے تہخانے میں جو ریاست کا خزانہ رہتا تھا وہاں چوری ہوئی ہے۔ کبھی آواز آتی کہ ہیکل تانیت کا ایک کاہن مارا گیا ہے۔ باقی سب کو یقین تھا کہ مستاجروں کا لشکر شہر میں گھس آیا ہے۔

ماتو کو شہر کی فصیلوں سے باہر نکلنے کا رستہ معلوم نہ تھا۔ جدھر منہ اٹھا تھا اسی کی سیدھ میں چلا گیا۔ جہاں کہیں وہ نظر پڑتا لوگ ایک شورِ قیامت برپا کر دیتے۔ اب ہر شخص اصلی واقعہ کو سمجھ گیا تھا۔ پہلے تو سب ڈرتے تھے۔ پھر یہ ڈر غصے و غضب کا ایک طوفان بن گیا۔

ماپیلیا کی طرف سے قلعہ کی بلندیوں، گورستان کے علاقے اور جھیل کے کناروں کی سمت سے خلقت اُس پر امنڈی۔ رئیس اور امیر اپنے محلوں سے نکل پڑے۔ سوداگر اپنی دکانیں عورتیں اپنے بچے چھوڑ کر تلواریں لکڑیاں ٹونڈے سنبھال چل کھڑی ہوئیں۔ لیکن جن چیزوں نے سلامبو کو روکا تھا ان ہی چیزوں نے ان کو بھی مقابلہ سے روکا۔ اب یہ سب اس فکر میں ہوئے کہ ربۃ تانیت کا پیرہن کس طرح بازیاب کریں۔ جس کا دیکھنا تک سخت جرم سمجھا جاتا تھا۔ اور جس کا چھونا اور موت کو بلانا ایک بات تھی۔

مثلثی محرابوں میں کھڑے بڑے بڑے کاہن کفِ افسوس ملتے تھے جیش اشرف کے سوار سارے شہر میں گھوڑے دوڑاتے پھرتے آدمی گھروں کی چھتوں پر بالاخانوں پر بلند قامت بتوں کے کندھوں پر سوار جہازوں کے مستولوں پر چڑھے ماتو کو دوڑتے ہوئے دیکھتے۔ ماتو برابر ادھر چلا آرہا تھا۔ ہر قدم پر لوگوں کا غصہ اس پر تیز ہوتا جاتا تھا غصہ کیسا تھ

خوف بھی بڑھتا تھا۔ جدھر سے وہ نکلتا گلیوں اور سڑکوں پر آدمی کا نشان نہ ہوتا خلقت کی بڑھتی ہوئی موجیں اتنی سمٹیں کہ شہر کی فصیل سے جا لگیں۔ جس طرف ماتو نظر ڈالتا یہی دیکھتا کہ لوگ کپچیاں باندھ باندھ اس کی طرف گھونسے بنا بنا کر دکھاتے ہیں۔ دانت بج رہے ہیں اور آنکھوں میں خون اترا ہے کہ ملے تو زندہ ہی کھا جائیں۔ سلامبو کے کوسنے ماتو کے کانوں میں اب تک گونج رہے ہیں۔

یکایک زن سے ایک تیر اسکے پاس سے گزرا پھر اور آیا۔ اس کے بعد پتھر سائیں سائیں کرتے کانوں کے پاس سے گذرے لیکن اس کو نہ کوئی تیر لگا اور نہ پتھر کیونکہ تیر چھوڑنے اور پتھر پھینکنے والے اسکی احتیاط کرتے تھے کہ کوئی چیز ربہ کے پیرہن پر نہ لگے۔ پس جتنی چیزیں آئیں وہ سب ماتو کے سر پر سے گذر جاتیں۔ علاوہ اسکے گو پیرہن ماتو کے گلے میں پڑا تھا مگر اسکے دامن سمیٹ کر گٹھری سی بنا کر کبھی دائیں کبھی بائیں، کبھی پیچھے کبھی آگے، کبھی سر سے اونچا کئے رہتا۔ غرض اس طرح اس نے ربہ کے پیرہن کو اپنی سپر بنا رکھا تھا۔ کوئی ایسی تدبیر جس سے ماتو زخمی ہو یا گر پڑے لوگوں کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ ماتو اپنی رفتار تیز کرتا رہا۔ ویران سڑکوں اور راستوں پر سے گزرتا۔ رسیوں، رتھوں اور پھندوں سے جو بیچ میں ڈال رکھے تھے اسکی رفتار میں فرق آتا۔ اسی حال میں وہ کسی طرح خاموش والے چوک میں پہونچا۔ جہاں قرطاجنیوں نے بلیارک کے فلنیہ اندازوں کو جان سے مارا تھا۔ یہاں ماتو کا اور اسکے چہرے پر موت کی سی زردی کھنڈ گئی۔ وہ سمجھا کہ بس اب موت آ گئی۔ لوگوں نے اس کا یہ برا حال دیکھکر خوشی سے تالیاں بجانی شروع کیں۔

ماتو چلتے چلتے شہر کے دروازے پر آیا۔ دروازہ بند پایا۔ دروازے کے کواڑ بہت مربوط کی لکڑی کے وزنی اور ٹھوس تھے اور بہت بلند تھے۔ ان پر پیتل کا حاشیہ تھا اور تن میں لوہے کی میخیں جڑی تھیں۔ ماتو نے آتے ہی پورے جسم کی قوت سے دروازہ کو دھکا دیا۔ لوگ اسکی اس فضول کوشش کو دیکھکر بہت خوش ہوئے۔ اس پر ماتو پاؤں سے جوتی اتار

اُسکے تلے پر تھوک زور زور سے کواڑوں کو پیٹنے لگا۔ تمام شہر چیخ رہا تھا۔ تانیت کے پیرہن کو سب بھول گئے تھے اور قریب تھا کہ ماتو کو سب مل کر کچل ڈالیں۔ ماتو کی نظریں خلقت کی طرف تھیں۔ گو وہ کسی کو دیکھتا نہ تھا۔ کنپٹیوں کی رگیں اس زور سے پھڑکتی تھیں کہ کان میں کوئی آواز نہ پہونچتی تھی۔ ایک نشہ پیئے آدمی کی طرح سمجھتا تھا کہ اب بیہوش ہونے کو ہے۔ یکایک ایک لمبی زنجیر کی طرف اُسکی نگاہ گئی۔ اِس زنجیر کے کھینچنے سے دروازہ کھل جاتا تھا۔ اتنا دیکھتے ہی ماتو اُدھر دوڑ کر گیا۔ اور زمین پر پاؤں جما کر دونوں ہاتھوں سے پوری طاقت سے زنجیر کو کھینچا۔ دروازہ کھل گیا۔

دروازے سے نکلتے ہی زاعمف کے گریبان سے اپنا سر نکال لیا۔ اور دونوں ہاتھوں پر جہانتک وہ اُونچے ہو سکے اُس کو لے آگے بڑھا۔ اُونچا کرنے سے سمندر کی ہوا اُس میں لگی۔ اور اُسکے رنگ اور جواہرات دھوپ میں چمکنے لگے۔ زاعمف کو اس طرح سر سے اُٹھائے اُس نے کُل میدان طے کیا۔ یہ میدان مستاجروں کے لشکر گاہ تک چلا گیا تھا۔ فصیل پر چڑھے لوگ دیکھ رہے تھے کہ قرطاجنہ کا اقبال اُس سے رخصت ہو رہا ہے۔

باب ۶

شفیقی حانو

دوسرے دن شام کو ماتو اسپندیوس سے کہنے لگا "چاہیئے تو مجھے یہ تھا کہ اُسے اپنے ساتھ لے آتا۔ جو کچھ کرنا تھا وہ صرف اتنا تھا کہ اُسکو پکڑ لیتا اور زبردستی اپنے گھر لے آتا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ میرے مقابلے میں انگلی تک اُٹھاتا۔"

ماتو تو یہ باتیں کہتا تھا اور اسپندیوس اُن کو سنتا تک نہ تھا۔ وہ اس وقت بڑے لطف و آرام سے ایک مٹکے کے قریب چت پڑا تھا۔ مٹکے میں شہد اور پانی بھرا تھا۔ اسپندیوس بار بار اُٹھتا اور مٹکے میں سر ڈال کر شربت کے بڑے بڑے گھونٹ پیتا۔ تاکہ پیاس کسی طرح رفع ہو۔

ماتو نے کہا "اسپندیوس کچھ بتاؤ کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ قرطاجنہ میں پھر کیونکر پہونچنا چاہیئے"

اسپندیوس بولا "میں کیا جانوں"

اس بے پروائی پر ماتو کو غصہ آگیا اور وہ کہنے لگا "تُو ہی تو تھا جو مجھے یہاں گھسیٹ لایا اور جب میں اس نرغے میں پڑا تو اب تُو مجھ سے پہلوتہی کرتا ہے۔ تجھ کمینے بُزدل کا کہنا میں کیوں مانوں۔ ارے قدم ساقی۔ غلام اور غلام کے بچے کیا تُو اپنے

کو میرا آقا اور مالک سمجھتا ہے۔" اتنا کہہ کر ماتو نے اپنا زبردست ہاتھ اسپندیوس کو مارنے اُٹھایا۔

اسپندیوس بالکل چُپ پڑا رہا۔ جواب کچھ نہ دیا۔ خیمے کی چوب کے مقابل مٹی کا ایک چراغ روشن تھا اور اُسکے قریب ہی زاعمف چمکتے ہتیاروں میں خود بھی چمک رہا تھا۔

یکایک ماتو نے اپنے پاؤں پر تسموں کے موزے چڑھائے۔ زرہ اُٹھا کر پہنی اور خود سر پر رکھا۔

اسپندیوس نے پوچھا کہ "اب کہاں جا رہے ہو؟"

ماتو بولا "قرطاجنہ۔ تجھ سے اب مجھے کوئی واسطہ نہیں میں اُسے اپنے ساتھ لاؤں گا۔ اگر کسی نے مقابلہ یا مخالفت کی تو اُسے کچل کر رکھ دوں گا۔ اسپندیوس، اب میں اُسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔ میں اُسے جان سے ماروں گا۔ پھر کہتا ہوں کہ میں اُسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

اسپندیوس اس وقت باہر کی آوازیں غور سے سُنتا تھا۔ فوراً اُٹھا اور زاعمف کو جہاں وہ لٹکا تھا اُتار کر خیمے کے ایک کونے میں ڈال دیا اور اُس پر بہت سی اُون ڈالکر اُسکو ڈھک دیا۔ تاکہ کسی کو وہ نظر نہ آئے۔ اب باہر سے جو آوازیں آرہی تھیں وہ قریب آتی معلوم ہوئیں۔ اور سمجھ میں بھی آنے لگیں مشعلوں کی روشنی دکھائی دی۔ اور نرہیواس جسکے ہمراہ تقریباً بیس آدمی تھے خیمے میں داخل ہوا۔

یہ سب اُون کے سپید جبے پہنے تھے۔ لمبے لمبے خنجر کمر میں لگے تھے۔ گلو بند چمڑے کے تھے۔ کانوں میں کاٹھ کے بالے پڑے تھے اور پاؤں میں جُوتیاں چرغ کی کھال کی تھیں۔ خیمہ کی دہلیز پر آکر وہ برچھیوں کو ٹیک کر اُن کے سہارے اس طرح کھڑے ہوئے جیسے چرواہے جنگل میں لکڑی کے سہارے کھڑے ہوتے ہیں۔ ان سب میں نرہیواس سب سے زیادہ آراستہ و پیراستہ تھا۔ چمڑے کے دستانے جن پر موتی لگے تھے اُسکی

دُبلی پتلی بانہوں پر چڑھے تھے۔ چادر کا ایک سرا چُٹکی دے کر سر کے اُوپر ایک سونے کے حلقے میں دبا تھا اور اسی چادر میں باقی لباس چُھپا تھا۔ اور حلقے میں شُترمرغ کا ایک بہت بڑا پَر لگا تھا جو پُشت تک گیا تھا۔ دائمی تبسم میں اُس کے دانت ہمیشہ کچھ کُھلے رہتے تھے۔ لیکن اس کی نگاہیں نوکِ پیکاں کی مثل تیز تھیں بغرض بحیثیتِ مجموعی وہ ایک بڑا ہوشیار اور تیز نظر آدمی معلوم ہوتا تھا۔ آتے ہی اُس نے کہا کہ "میں مستاجروں کے لشکر میں شرکت کی غرض سے آیا ہوں۔ کیونکہ ریاست قرطاجنہ نے مُدت سے اُسکی سلطنت کو غارت کرنے کی دھمکیاں دے رکھی ہیں۔ بس مستاجروں کی مدد کرنے میں اُس کا نفع ہے اور اس میں وہ مستاجروں کی کچھ خدمت بھی انجام پا جائے گی۔

ہمارے جنگلوں میں ہاتھی بکثرت ہوتے ہیں جسقدر تم کو درکار ہوں میں مہیا کر سکتا ہوں۔ علاوہ اسکے شراب تیل، جَو، کھجوریں، تیر اور گندھک محاصروں کے وقت کام میں لانے کو بہت ہے۔ بیس ہزار پیدل اور دس ہزار سوار بھی آپ کے لئے حاضر کر سکتا ہوں۔ ماتو اس وقت میرا خطاب تم سے ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تم زائمف کے مالک ہو اور یہی چیز ایسی ہے جو تم کو تمام مستاجروں کا سپہ سالار بناتی ہے۔ علاوہ اسکے آپ اور میں تو پُرانے دوست ہیں۔"

نرہیواس گویا ماتو سے یہ باتیں کر رہا تھا مگر اسپندیوس بھیڑ کی کھال پر بیٹھا برابر نرہیواس کی صورت دیکھے جاتا تھا۔ اور اُس کی باتوں کو سُن کر بار بار گردن اس طرح ہلاتا تھا کہ گویا وہ اُس سے مُتفق الرائے ہے۔

نرہیواس نے اپنی تقریر جاری رکھی اور کہا کہ "میں خداؤں کو درمیان لاکر کہ وہ شاہد رہیں قرطاجنہ کے حق میں دُعائے بد کرتا ہوں۔ اور اُس پر لعنت کرتا ہوں"۔ اتنا کہہ کر اُس نے ایک برچھی کو توڑا۔ اس کے توڑتے ہی جس قدر اُسکے ہمراہی تھے اُنہوں نے ایک نہایت مُہیب آواز مُنہ سے نکالی۔ نرہیواس کے اس

غصے اور طیش کا اثر ماتو پر اتنا ہوا کہ اُس نے مستاجروں کے ساتھ نرہیواس کی شرکت کو منظور کر لیا۔

اسکے بعد وہ ایک سپید سانڈ اور ایک سیاہ بھیڑ کو پکڑ لائے۔ ان میں ایک عبارت دن سے تھی اور دوسری رات سے۔ ایک گڑھے کے کنارے جاکر ان دونوں جانوروں کے گلے اُنہوں نے کاٹے اور جب وہ گڑھا خون سے بھر گیا۔ تو اُس میں اُنہوں نے اپنا ایک ایک ہاتھ ڈالا۔ نرہیواس نے اپنے خون آلودہ ہاتھ سے ماتو کے سینے پر اور ماتو نے اپنے ہاتھ سے نرہیواس کے سینے پر نقش کیا۔ اور اسی طرح خیمے کی دیواروں پر بھی خون بھرے ہاتھوں سے چھاپے مارے۔ پھر جس قدر رات باقی تھی وہ اُنہوں نے کھانے پینے میں گذاری۔ اور جتنا کھانا بچا وہ مع کھال ہڈیوں سینگوں اور کھروں کو جلا دیا۔

جب ماتو لشکر میں ربۃ تانیت کا پیرہن لیکر آیا تھا تو سب نے ماتو کا بڑی دھوم سے استقبال کیا تھا۔ جو لوگ کنعانی نسل کے نہ تھے ان کو بھی خیال ہوا کہ ایک بڑی برکت والی روح اُن میں آگئی ہے۔ اور یہ امر کہ زائمف کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے تو سوائے ماتو کے کسی دوسرے کو یہ بات نہ سوجھی تھی۔ اور جس خفیہ اور پُراسرار طریقوں سے اُس نے اُسے حاصل کیا تھا وہ کافی تھا کہ وحشی مستاجر ماتو کے زائمف پر قبضہ رکھنے کو جائز تصور کریں۔ کم سے کم افریقہ کے متوطن مستاجروں کا تو ایسا ہی خیال تھا۔ باقی لوگ جن کی عداوت قرطاجنہ سے زیادہ پُرانی نہ تھی ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ کیا طریقہ اختیار کریں۔ اگر اُن کو جہاز مل جاتے تو وہ اپنے گھروں کو روانہ ہو جاتے۔

اب سلطنت قرطاجنہ کی زبردست قوموں اور قبائل کے پاس اسپندیوس نرہیواس اور ماتو نے اپنے آدمی روانہ کیے۔ ان قوموں اور قبیلوں کو قرطاجنہ کی سلطنت بتدریج تباہ اور غارت کر رہی تھی۔ بھاری بھاری محصول اُن پر لگائے تھے،

اگر ذرا سی بھی تاخیر اُن کی ادائی یا کچھ چون وچرا اُن کی تشخیص میں کی تو فوراً ہتکڑی اور بیڑی ڈال دی جاتی۔ پھر یا تو وہ دار پر چڑھائے جاتے یا جلّاد اپنے تیر سے اُن کے سر قلم کر دیتا۔ وہ مجبور کئے جاتے تھے کہ صرف ایسی چیزوں کی کاشت کریں جن کی ضرورت ریاست کو ہو۔ اور جو کچھ ریاست طلب کرے اُس کا مہیا کرنا اُن ہی کا فرض ہے۔ اُن میں کسی شخص کو ہتیار رکھنے کا حکم نہ تھا۔ اگر اُن کا کوئی گاؤں بغاوت کرتا تو وہاں کے کل باشندے غلام بنا کر فروخت کر دئے جاتے۔ رعایا پر جو حاکم مقرر کئے جاتے تھے اُنکی قدر وقیمت کے اندازہ کرنے کا اُصول وہی تھا جو رس نکالنے کے پیچ کا ہوتا ہے۔ یعنی جو سب سے زیادہ رس نکالے وہی قیمت میں زیادہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح جو حاکم رعایا کو دبا کر سب سے زیادہ روپیہ اس سے نچوڑے وہی منصب حکومت کے لئے سب سے زیادہ لائق سمجھا جاتا۔ ان قوموں اور قبائل کے علاقوں سے آگے جو ریاستیں براہ راست قرطاجنہ کی محکوم تھیں یا ایسی ریاستیں جن سے مراسم دوستی قائم تھے اور وہ یکجا نہ تھیں بلکہ منتشر تھیں اور قرطاجنہ کو ہلکا سا خراج دیتی تھیں۔ ان سے آگے صحرا نشیں اور خانہ بدوشوں کے آوارہ گرد گروہ رہتے تھے جو اشارہ پاتے ہی اِن باجگذار ریاستوں کا قلع قمع کرنے کو تیار رہتے تھے۔ اس طرز حکومت سے قرطاجنہ کی ریاست میں فصلیں بکثرت پیدا کی جاتی تھیں۔ اور جو اضلاع مویشیوں کی پرداخت کے تھے وہ لائق منتظموں کی نگرانی میں ہمیشہ ترقی پر رہتے تھے۔ قرطاجنہ کے مزارع بالعموم نہایت سرسبز و شاداب تھے۔ چنانچہ ان واقعات کے بیانویں سال بعد روما کا مشہور مصنف کیٹو بزرگ جو فن زراعت کے متعلق مضامین لکھنے میں سب کا اُستاد مانا جاتا تھا وہ اپنی ایک تحریر میں حیرت ظاہر کرتا ہے کہ قرطاجنہ نے اس نہج میں کیسے اعلیٰ درجے کے نتائج پیدا کئے تھے۔ اور اسی پر رشک وحسد کر کے وہ اپنے ملک والوں سے فریاد کرتا ہے کہ سلطنت قرطاجنہ کو جسقدر جلد ممکن ہو غارت کر دیا جائے۔

آخری جنگ کے موقع پر محصول کی رقمیں دوچند کر دی گئیں۔ اسی زیادتی کی وجہ سے ملک لیبیہ کے شہروں نے ریگیولس کی اطاعت قبول کرلی۔ اس کی سزا میں قرطاجنہ نے ان سرکش شہروں سے ایک ہزار ٹیلنٹ نقد بیس ہزار مویشی تین سو بورے سونے کے ذرّوں کے بجبر وصول کئے۔ علاوہ ان چیزوں کے غلہ بڑی مقدار میں اُن سے پیشگی وصول کیا۔ اور ان شہروں کے عمائد کو سزائے صلیب دی یا شیروں کے پنجروں میں زندہ ڈال دیا۔

ریاستوں میں سب سے زیادہ بُغض وعناد تونس کی ریاست کو قرطاجنہ سے تھا۔ چونکہ تونس قرطاجنہ سے پہلے آباد ہوا تھا اس لیے اور کبھی وہ قرطاجنہ کی ترقی اور خوشحالی کو نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس وقت وہ سمندر کے کنارے دلدل اور کیچڑ میں قرطاجنہ کی سمت مغرب میں اس قدر قریب واقع تھا کہ تونس کے لوگ قرطاجنہ کی فصیلوں کو دیکھ سکتے تھے اور وہ ان فصیلوں کو دیکھتے بھی اس طرح تھے جیسے کوئی کسی زہریلے جانور کو دیکھتا ہو۔ قتل عام کے وقوعوں جلاوطنی اور وباؤں نے تونس کی ریاست کو بہت کمزور کر دیا تھا۔ یہ ریاست وہ تھی جس نے اوریگاتوس پسر اگی تو کلیز کی مدد کی تھی۔ اور یہی ریاست وہ تھی جس نے اس قوم کو جو ناپاک چیزیں کھاتی تھیں ہتیار ہیا کر کے بالکل مسلح کر دیا تھا۔

ابھی ماتو کے قاصد اور ایلچی روانہ بھی نہ ہوئے تھے کہ قرطاجنہ کے تمام محکوم صوبہ جات میں شادیانے بجنے لگے اور لوگ خوشی سے پھولے نہ سماتے۔ دیہاتیوں لوگوں نے جتنے منتظم قرطاجنہ کے متقرر کئے تھے اُن کو اُن کے محلوں میں اور حکام وقت کو حماموں میں گلا گھونٹ کر مار ڈالا۔ بڑے بڑے غاروں میں پرانی وضع کے ہتیار جسقدر پوشیدہ تھے اُن کو نکال لائے۔ ہلوں کو گلا کر اُن کی تلواریں بنائیں۔ گھروں کی دہلیزوں کے پتھروں پر بچے برچھیوں کے پھل گھس کر تیز کرنے لگے۔ عورتوں نے

گلے کے ہار اور کنٹھیاں کانوں کے بالے بالیاں اتار کر یا جو چیز اُن کے پاس ہوئی وہ حوالے کی تاکہ قرطاجنہ کو کسی طرح غارت کیا جائے۔ اِس مقصد کے لئے ہر شخص اپنے پاس سے کچھ دینے کو تیار ہو گیا۔ تیروں اور برچھوں کے بنڈل مکئی اور جوار کی پُولیوں کی طرح شہروں میں جمع کر دئے گئے۔ ہر صوبے اور علاقے سے مویشی اور مویشیوں کے ساتھ روپیہ مستاجروں کے لشکر میں آنے لگا۔ یہ ترکیب اسپندیوس کی نکالی ہوئی تھی۔ خُلاصہ یہ کہ اُس کا ساتھی ماتو مستاجروں کا امیرِ لشکر یا شالیشیم تجویز ہو گیا۔

اِسی اثنا میں متعدد فوجیں شامل ہو کر مستاجروں کی تعداد میں اضافہ کرتی رہیں۔ سب سے پہلی فوجیں جو اس طرح شامل ہوئیں وہ اِسی مُلک کی رہنے والی تھیں۔ اس کے بعد مختلف اضلاع سے غلام آکر شریک ہوئے۔ حبشیوں کے قافلے اور کاروان جو ادھر سے گذرے اس کے آدمیوں کو پکڑ کر مسلح کیا گیا۔ تاجر اور سوداگر جو قرطاجنہ کو جا رہے تھے وہ بھی مستاجروں کے لشکر میں اس اُمید میں چلے آئے کہ اپنے مال کو زیادہ نفع پر بیچ سکیں گے۔ وحشیوں کے گروہ کے گروہ متواتر لشکر میں آکر شامل ہوتے تھے اور مستاجروں کی اس ترقیِ تعداد کا تماشہ قرطاجنہ کے لوگ اندیشے اور پریشانی کے ساتھ فصیلوں پر سے دیکھا کرتے۔

کاریز پر جیشِ اشرف کے سپاہی پہرے پر تعینات کئے گئے۔ اور اُنکے قریب برابر کے فاصلوں پر دیگوں میں قیر گرم کیا جاتا تھا۔ کاریز کے نیچے میدان میں ہر طرح کا چل چل اور شور رہتا۔ مگر مستاجروں کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کریں۔ وحشی قوموں کا قاعدہ ہے کہ جب وہ کسی شہر کی دیواروں کے سامنے آتی ہیں تو وہ اِس پریشانی میں مبتلا ہوتی ہیں کہ کس طرح ان دیواروں پر حملہ کر کے شہر پر قبضہ کریں۔

قریہ عتیقہ اور تیبر زہ (ہپو زریتوس) کی ریاستوں نے مستاجروں کی شرکت سے

انکار کر دیا۔ وجہ یہ تھی کہ یہ دونوں ریاستیں قرطاجنہ کی ریاست کی طرح خود مختار تھیں۔ اور قرطاجنہ سے ان سے اس قسم کے عہد و پیمان ہوچکے تھے جن میں اس امر کی تصریح تھی کہ ان کی اور قرطاجنہ کی ریاستیں جدا جدا ہیں۔ یہ ریاستیں قرطاجنہ کی عزت و توقیر بھی کرتی تھیں۔ کیونکہ ایک طور پر قرطاجنہ کی ریاست ان کی محافظ اور نگہبان بھی تھی۔ عتیقہ اور تبرزہ کے لوگوں کو اس بات کا یقین نہ ہوتا تھا کہ وحشیوں کا ایک غول اس قدیم اور باعظمت سلطنت کو فتح کر لے گا۔ غرض یہ دونوں ریاستیں اس جھگڑے سے علیحدہ رہ کر امن و سلامتی کی خواہشمند رہیں۔

لیکن ان ریاستوں کا جائے وقوع کچھ عجیب تھا۔ قریہ عتیقہ ایک خلیج کے خاتمے پر واقع تھا۔ اور اس کا موقع ایسا تھا کہ باہر سے جو کمک آئے اُسے وہ قرطاجنہ تک آسانی سے پہونچا دے۔ اور اگر متاجروں نے عتیقہ پر قبضہ کر لیا تو تبرزہ جو لب بحر صرف چھ گھنٹے کی راہ پر آگے واقع تھا کمک رسانی میں عتیقہ کا قائم مقام ہوسکتا تھا۔ اور جب سامانِ رسد اور باہر کی کمک قرطاجنہ کو پہونچ جائے گی تو پھر کسی کا حملہ اُس پر کارگر نہ ہوگا۔

اسپندیوس کی رائے تھی کہ عتیقہ کا محاصرہ متاجر فوراً شروع کر دیں لیکن نرہیو اس نے اس رائے سے اختلاف کیا اور کہا کہ پہلے ریاست قرطاجنہ کی سرحد پر حملہ کرنا درست ہوگا۔ پرانے آزمودہ کار لڑنے والوں اور خود ماتو نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ غرض آخری تصفیہ یہ ہوا کہ اسپندیوس تو عتیقہ پر حملہ کرنے جائے اور ماتو تبرزہ پر حملہ کرے۔ اور اگر متاجروں کی فوج کے تیسرے دستے نے تونس کو اپنا صدر مقام قرار دیا تو پھر قرطاجنہ کے سامنے کے میدان پر متاجر قابض ہو جائیں گے۔ لہٰذا تیسرے حصہ فوج پر اتاریتوس سرداری کرے۔ نرہیو اس اپنی عملداری کو واپس ہو تاکہ وہاں پہونچکر جنگ کے لئے ہاتھی مہیا کرے۔ اور اپنے رسالے دوڑا کر راستوں

کو دشمنوں سے پاک کرے۔

عورتوں نے اِس رائے سے اختلاف کر کے بڑا شور مچایا۔ اُن کو تمنا تھی کہ قرطاجنہ کی عورتوں کا زیور لوٹ کر اُن کو دیا جائے گا۔ لبیہ والوں نے بھی اعتراض کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم کو تم نے قرطاجنہ پر حملہ کرنے کیلیے بلایا تھا اور اب تم قرطاجنہ سے دوسری جگہ جانے کو کہتے ہو! پس صرف متاجر سپاہی تنہا عتیقہ اور تبرزہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ماتو کی سرکردگی میں صرف اُسی کے قوم والے تھے۔ علاوہ انکے ایبیریا، لوسی تانیہ اور مغرب سے آئے ہوئے لوگوں اور جزائر کے آدمیوں کی فوجیں تھیں۔ یونانی زبان بولنے والے جسقدر آدمی تھے اُنہوں نے اسپنڈیوس کو اپنا سردار بنایا کیونکہ وہ بڑا عاقل اور ہوشیار سمجھا جاتا تھا۔

قرطاجنہ کے لوگوں نے جس وقت دیکھا کہ متاجروں کا لشکر دفعتًا نقل و حرکت میں آیا ہے تو اُن کے تعجب اور حیرت کی انتہا نہ رہی۔ پھر اُنہوں نے دیکھا کہ یہ لشکر کوہ اریانہ سے جو ساحلِ بحر سے قریب تھا قریہ عتیقہ کی طرف مڑا ہے۔ اور کچھ حصہ اُس کا تونس کے سامنے آکر ٹھیر گیا ہے اور باقی کل لشکر نظر سے غائب ہو کر خلیج کے دوسری جانب اسی جنگل کے کنارے جس میں غائب ہوا تھا نظر آرہا ہے۔

تعداد اس فوج کی اسی ہزار تھی خیال تھا کہ عتیقہ اور تبرزہ دونوں شہر جو دراصل شامیوں میں اہلِ صور کی نوآبادیاں تھیں، اتنی بڑی فوج کا کیا مقابلہ کر سکیں گی اور ظاہر ہے کہ یہ فوج پھر قرطاجنہ کو واپس آئے گی۔ خاکنائے کے قاعدے پر بہت سی فوجیں قرطاجنہ پر حملہ کرنے کو تیار بیٹھی تھیں۔ راستے سب بند کر دیئے گئے تھے تاکہ شہر والے فاقوں سے ختم ہو جائیں اور شہر تباہ ہو جائے کیونکہ وہاں کے باشندے ایسے خسیس ہیں کہ وہ شہر کے محتاجوں کی کچھ مدد نہ کریں گے اور جب تک سد صوبہ جات سے شہر میں نہ پہنچے گی شہر والوں کا فاقوں سے کام تمام ہو جائے گا۔ روما کے باشندوں کی طرح

قرطاجنہ کے لوگوں میں یہ بات نہ تھی کہ بُرے وقت میں وہ ریاست کی مدد روپے پیسے سے کریں۔ ان میں طمع زر اپنے ذاتی نفع کے لیے اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ جوہر جو اعلیٰ مقاصد کے حاصل کرنے میں ظاہر ہوا کرتا ہے اُن میں موجود نہ تھا۔ قرطاجنہ کی ریاست کی حقیقت یہ تھی کہ پُرانے وقتوں میں ایک بادبانی کشتی نے ریگستانِ لبیہ کے کنارے آکر سمندر میں لنگر ڈالا۔ کشتی سے جو لوگ اُترے وہ محنت و مشقت کر کے یہاں آباد ہو گئے۔ آباد ہونے پر آس پاس کی قوموں نے ایسا شور مچایا کہ کشتی کے گرد موجوں کے شور سے کم نہ تھا۔ جو ریاست ان لوگوں نے قائم کی وہ ذرا سے ہوا کے جھونکے میں کشتی کی طرح ڈگمگانے لگتی تھی۔

ریاست کا خزانہ رومانیوں سے جنگ و جدال اور تنخواہوں پر سپاہیوں کے مقرر کرنے اور اُن سے سودا کرنے میں صرف ہو چکا تھا۔ سپاہ کی ضرورت بہرکیف پیش رہتی تھی۔ اور کسی نہ کسی طرح اُس کا پورا کرنا ضروری تھا۔ کوئی حکومت اُس کے قریب ایسی نہ تھی جس سے ریاست قرضہ لے سکے۔ حال ہی کا ذکر ہے کہ بادشاہِ مصر بطلیموس نے جب اُس سے اِس ریاست نے دو ہزار ٹیلنٹ قرض مانگے تو اُس نے قرضہ دینے سے انکار کر دیا۔

زاعمف کا چوری جانا اسپندیوس کے خیال کے مطابق ایسا واقعہ تھا جس نے اہلِ قرطاجنہ کی ہمتیں پست کر دیں۔ اور اب اُن کو اپنے اُوپر کچھ بھروسا نہ رہا۔

لیکن اس بات کو جانتے ہوئے کہ اِرد گرد کی قومیں اس سے کس درجہ نفرت اور عداوت رکھتی ہیں، یہ قوم اپنی دولت اور اپنے جہازوں کو سینے سے لگائے اُنکی سیوا کرتی رہی۔ اور اپنی عصبیت کو اُس نے قائم رکھا۔

طرزِ حکومت میں پہلی بات تو یہ تھی کہ کسی کو کسی بات کا اختیار حاصل ہونا کل قوم

کی متفقہ رائے پر منحصر تھا۔ اور کوئی شخص اتنا با اختیار نہ تھا کہ وہ تمام اختیارات پر قادر ہو جاتا۔ شخصی اور ذاتی قرضہ بھی ریاست اور عمومِ ریاست کا قرضہ سمجھا جاتا تھا۔ کنعانی قوم کے لوگوں کو تجارت کے اختیارات بلا شرکت غیرے حاصل تھے۔ قزاقی سے جتنی دولت ملتی اُسکو سُود پر چلا کر بڑھاتے رہے۔ زمین کی پیداوار میں غلاموں اور غریبوں سے جس قدر کام نکال سکتے تھے نکالتے رہے۔ اور اس طرح اُنہوں نے دولتِ بیکراں پیدا کر لی۔ مجسٹریٹ کا منصب حاصل کرنے کے لیئے صرف دولت کی ضرورت تھی۔ گو دولت چند خاندانوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ لیکن جماعتِ اُمرار کی رعایت مدِنظر رہتی تھی کیونکہ اُمید کی جاتی تھی کہ دولتمند ہی ایک دن اِس جماعت کے رُکن ہو جائیں گے۔

مختلف اشیار کے تاجروں کی جماعتیں قانون کی وضع کرنے والی وہی محکمہ مال کے ناظروں کا انتخاب کرتی تھیں۔ جب ان ناظروں کی مُدتِ نظارت ختم ہو جاتی تھی تو وہ صدر اراکین کی مجلسِ قدما یا بزرگاں کو مقرر کرتے تھے۔ اور یہ مجلسِ صدر اراکین مجلسِ اعلیٰ کے تحت ہوتی تھی۔ مجلسِ اعلیٰ یا عظمیٰ وہ مجلس تھی جس میں شہر کے تمام دولتمند بیٹھتے تھے۔ اب رہے دو شفیتی تو یہ برائے نام بادشاہ مگر درجے میں قنصلوں سے بھی کم ہوتے تھے۔ جس دن مجلسِ عظمیٰ کا انتخاب ہوتا تھا اُسی دن دو مختلف و مخصوص خاندانوں سے منتخب کیئے جاتے تھے۔ ان میں ہر قسم کی عداوتیں اور مخاصمتیں پیدا کی جاتی تھیں تاکہ وہ ایک دوسرے کو کمزور کرتے رہیں جنگ کے متعلق نہ وہ کوئی بحث اُٹھا سکتے تھے اور نہ کوئی رائے دے سکتے تھے۔ کیونکہ اگر کسی نے اُن میں سے لڑائی کی صلاح دی اور شکست ہو گئی تو پھر اسکو صلیب کی سزا ملتی تھی۔

قرطاجنہ کی کُل قوت کا سرچشمہ سیتیا تھا۔ یہ نام ایک بڑی عمارت یا صحن

کا تھا جو ملقہ میں واقع تھا۔ اور یہ وہی مقام تھا جہاں سب سے پہلے فینقی ملاحوں سے بھرا ایک جہاز لنگر انداز ہوا تھا جس زمانے کا یہ ذکر ہے اُس زمانے میں سمندر وہاں سے ہٹ کر دُور چلا گیا تھا۔ سی سیتیا کی عمارت بہت سے چھوٹے چھوٹے حجروں کا ایک مجموعہ تھی۔ اور وہ نہایت قدیم عمارت تھی اور تعمیر کی وضع بھی بہت پُرانی تھی۔ حُجروں میں سوائے اُن کے گوشوں کے جو سنگین ہوتے تھے باقی کُل حجرہ کھجوروں کے تنوں کا ہوتا تھا۔ ایک حجرے کا فصل دوسرے حجرے سے اتنا ہوتا تھا کہ ایک جماعت جو اس میں رہے وہ دوسری جماعت سے دُور اور علیحدہ ہو۔ اِس عمارت میں دولتمند تمام دن جمع رہتے۔ یہاں وہ یا تو اپنے ذاتی فوائد کے متعلق گفتگو کرتے یا حکومت کی بہبود پر بحث کرتے۔ جن مسائل پر بحث ہوتی وہ فلفل کے نرخ سے لیکر اس سوال تک ہوتا کہ سلطنتِ روما کو غارت کرنے کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے۔ مہینے میں تین مرتبہ وہ اپنی کوچیں اُٹھوا کر اُس بالاخانے پر رکھواتے جو اس عمارت کے صحن کے گرد دوڑا تھا۔ نیچے سے لوگ دیکھتے کہ بالاخانے پر بڑے بڑے دولتمند ایک ہی میز کے کنارے بغیر موزوں اور جُتیوں کے کھانے بیٹھے ہیں اور کھانے میں جب اُن کے ہاتھ اُٹھتے ہیں تو اُن کے ہاتھوں کی انگوٹھیوں کے ہیرے اور کانوں کے بالوں کے موتی۔ شراب کی صُراحیوں کے بیچ میں ہل ہلکر خوب چمکتے ہیں۔ یہ مالدار سب موٹے تازے تن و توش کے بھاری بھرکم، سمندر میں جیسے شارک مچھلیاں اُچھلتی کودتی نظر آتی ہیں خوش و خُرم رہتے تھے۔

لیکن اِس زمانے میں وہ اپنی پریشانی اور سراسیمگی کو چھپا نہ سکے۔ اُن کے چہرے زرد ہو رہے تھے اور جب وہ اپنے گھروں کو جاتے تو دروازوں پر جو لوگ جمع ہوتے وہ اُن کے ساتھ ہو لیتے کہ اُن سے کچھ خبر معلوم ہو۔ مکانات اس طرح بند تھے جیسے طاعون کے زمانے میں بند ہوا کرتے تھے۔ بازاروں کی کیفیت یہ

تھی کہ گھڑی میں چہل پہل اور گھڑی میں سناٹا ہو جاتا۔ لوگ قلعہ میں آکر جلدی جلدی بندرگاہ کی طرف اترتے۔ رات بھر مجلس عظمیٰ کے جلسوں میں بحث اور تقریریں ہوا کرتیں۔ آخر کار شہر کے باشندوں کو ایک دن خامون کے چوک میں بلایا گیا۔ اور تمام حاضرین کے سامنے یہ فیصلہ کیا گیا کہ جملہ معاملات حانو کے تحویل میں کر دیئے جائیں۔

حانو مذہبی طبیعت کا آدمی نہایت ہوشیار اور چالاک تھا۔ جن لوگوں میں افریقی خون تھا اُن سے اُسے مطلق ہمدردی نہ تھی۔ وہ خود خالص اور پکا قرطاجنی تھا۔ درجے اور آمدنی میں خاندان برقہ کا ہم پلّہ تھا۔ امورِ سلطنت کے انتظام میں کوئی اُسکی برابری نہ کر سکتا تھا۔ اور نہ کسی کو اس خصوص میں اسکے برابر تجربہ تھا۔

اختیارات ہاتھ میں آتے ہی اُس نے حکم دیا کہ شہر میں جس قدر صحیح الجثہ لوگ ہیں وہ کُل فوجوں میں بھرتی کئے جائیں۔ برجوں پر سنگ انداز آلے نصب کرائے اور لاتعداد اسلحہ کے مہیا کئے جانے کا حکم مجلس سے حاصل کیا۔ اور اس معاملہ میں اتنا بڑھا کہ چودھا جنگی جہاز تیار کئے جانے کے حکم صادر کئے۔ درحالیکہ اتنے جہازوں کی ضرورت نہ تھی۔ ایک ایسی مسل تیار کئے جانے پر اصرار کیا جس میں کل واقعات روزانہ درج ہوتے رہیں۔ خود سوار ہو کر دار الصنعت، روشنی کے مناروں اور بُت خانوں کے خزانوں کے مُعاینہ کو نکلتا۔ لوگ روز دیکھتے کہ حانو کی پالکی ایک ایک سیڑھی چڑھتی قلعہ پر جا رہی ہے۔ راتوں کو (نیند تو آتی نہ تھی) محل میں بیٹھا فوجی احکام نہایت سخت و دُرشت آوازیں دیا کرتا۔ گویا کہ جنگ کی تیاری ابھی سے کر رہا ہے۔

بے انتہا خوف نے ہر شخص کو بہادر اور جری بنا دیا۔ دولتمند صبح ہوتے ہی جب مُرغ بانگ دیتا اُٹھتے اور پاپالینس کے راستے پر جس کے دونوں طرف

قبریں تھیں جمع ہوتے۔ اور اپنے لباس کے دامن سمیٹ کر نیزہ بازی کی مشق کرتے۔ لیکن چونکہ کوئی سکھانے والا نہ ہوتا اس لئے آپس میں جھگڑے ہو جاتے اور پھر ہانپتے کانپتے قبروں پر جا بیٹھتے۔ اور جب ذرا غصہ دھیما اور سانس قابو میں آتا تو پھر مشق شروع کرتے۔ بعض لوگوں نے اپنی غذا میں قاعدہ پیدا کرنا چاہا۔ کسی نے خیال کیا کہ بسیار خوری سے قوت اور طاقت پیدا ہوتی ہے۔ انہوں نے اتنا کھانا شروع کیا کہ پیٹ پھٹنے کو ہو گیا۔ بعض لوگ جو اپنے موٹاپے سے پریشان تھے انہوں نے تقلیل اتنی کی کہ غذا بالکل ہی بند کر دی اور اس وجہ سے وہ بہت کمزور ہو گئے۔

جس زمانے میں متاجروں نے شہر عتیقہ کا محاصرہ جاری کر رکھا تھا تو شہر والوں نے قرطاجنہ سے بار بار کمک مانگی۔ حانو نے مصمم قصد کر لیا تھا کہ جب تک لڑائی کے سامان کا ہر کیل کانٹا درست نہ ہو لے وہ لڑے گا نہیں۔ چنانچہ تین مہینے اس میں گنوائے گئے۔ کہ ایک سو بارہ ہاتھی جو قرطاجنہ کی فصیل میں رہتے تھے اُن کو لڑائی کے سامان سے آراستہ کرے۔ یہ ہاتھی وہ تھے جنہوں نے ریگیولس کو شکست کیا تھا۔ شہر کے لوگ ان ہاتھیوں کی بڑی قدر کرتے تھے۔ اور ان کو اپنا پرانا دوست سمجھتے تھے۔ جن کے ساتھ کوئی سلوک بھی جو کیا جاتا کم تھا۔ حانو کے حکم سے اُن کے سینوں پر جو فولاد کی تختیاں لگی تھیں وہ بدل کر دوسری لگائی گئیں۔ اُنکے دانتوں پر سونے کا ملمع کیا گیا اور اُن کی عماریاں پہلے سے زیادہ کشادہ بنائی گئیں۔ پرانی جھولوں کی جگہ نئی جھولیں سرخ بانات کی خوب چوڑا حاشیہ لگا کر ڈالی گئیں۔ حاشیوں پر پہلے سے کہیں بھاری کام تھا۔ آخر میں حکم ہوا کہ فیلبان جو ہندوستان کے لوگ ہوتے تھے (کیونکہ پہلا فیلبان ہندوستان کا آدمی تھا) اپنے ملکی لباس میں ہاتھیوں پر بیٹھیں۔ یعنی سر پر پگڑ ہو اور ٹانگوں میں باریک کپڑے کی اونچی دھوتی۔

اتارتیوس، تونس کے قریب پڑاؤ ڈالے پڑا تھا۔ مٹی کی ایک فصیل کی پشت پر تونس کا شہر تھا۔ یہ مٹی جھیل کی کیچڑ کی تھی۔ حفاظت کی غرض سے دیوار پر کانٹوں کی جھاڑیاں ڈال دی گئی تھیں۔ جگہ جگہ زمین پر اونچے بانس گڑے تھے حبشیوں نے ان بانسوں پر نہایت مہیب چہرے لگائے تھے کسی پر خونخوار پرندوں کے کسی پر گیدڑوں اور سانپوں کے سر لگے تھے۔ یہ کل چہرے اور سر منہ پھاڑے دشمن کی طرف دیکھتے تھے تاکہ دشمن ڈر جائے۔ وحشی سمجھتے تھے کہ یہ چیزیں وہ ہیں جن کی وجہ سے کوئی اُن کو مغلوب نہیں کر سکتا۔ خوب ناچنے کودنے اور کشتیاں لڑنے میں مصروف تھے۔ بعض ان میں سے ہاتھ کی صفائی دکھاتے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ اب ایک آن میں قرطاجنہ غارت ہو جائے گا۔ اتارتیوس کا لشکر ڈھور ڈنگر اور عورتوں سے بھرا رہتا۔ یہ انبوہ ایسا تھا کہ حانو کے سوا کوئی اور ہوتا تو ایک دم میں اُسکو غارت کر دیتا۔ اتارتیوس چاہتا تھا کہ فوجی قواعد سکھائے مگر وحشیوں کی وہ سمجھ میں نہ آتی تھی۔ چنانچہ اتارتیوس اسدرجہ مایوس ہوا کہ اُسنے قواعد پر اصرار کرنا بالکل چھوڑ دیا۔

جب وہ اپنی ماتحت حبشی فوجوں کے قریب سے آنکھوں کی نیلی پتلیاں پھراتا گذرتا تو سپاہی اُسے دیکھکر بچ کر کھڑے ہو جاتے۔ اتارتیوس جب جھیل کے کنارے آتا تو اپنا پوستین اتار دیتا۔ اور اپنے سرخ بالوں کو جن کی گرہ سر کے اوپر بندھی ہوتی کھول کر پانی میں ڈبوتا اور افسوس کرتا کہ جب وہ اپنے دو ہزار سواروں کو ایکر لشکر سے اتی رکس کے میدان میں جدا ہوا تھا تو وہ بجائے قرطاجنیوں کے رومانیوں سے کیوں نہ جا ملا۔

اکثر دوپہر کے وقت دھوپ میں گرمی اور چمک باقی نہ رہتی اور خلیج اور اسکے آگے سمندر اس قدر خاموش اور ساکت ہو جاتا کہ گویا بالکل سطح سیسے کی ہے۔ اور تھوڑی

بھوری رنگ کا ایک بادل ستونوں کی طرح سیدھا اُٹھکر بگولے کی طرح چکر کھاتا آگے بڑھتا نظر آتا۔ کھجوروں کے درخت جھک جاتے اور آسمان پر تاریکی پھیل جاتی۔ پتھروں کا گرنا اور جانوروں کے پٹھوں پر اُن کا گڈاگڈ لگنا سنائی دیتا۔ اتارتیوس خیمے کی کھڑکی سے منہ نکالے افسوس اور غم میں بُری طرح لمبے لمبے سانس کھینچتا تھا۔ اس وقت اُسکو آتے جاڑے میں صبح کے وقت وطن کے مرغزاروں کی خوشبو یاد آئی۔ کبھی برف کا گرنا یاد کرتا اور کبھی کہر میں گائے بیلوں کے گم ہونیکے بعد جو انکی آواز سنائی دیتی اُسے یاد کرتا۔ آنکھیں بند کرتا تو گھروں کی روشنیاں اور وہ نیچی نیچی جھونپڑیاں جو جنگل کے بیچوں بیچ دلدل کے کنارے بنی تھیں یاد آتیں۔

اور لوگ بھی ایسے تھے جو اپنے وطن کو یاد کرکے جی میں کُڑھا کرتے تھے۔ مگر کسی کا وطن اتارتیوس کے وطن کے برابر دُور نہ تھا۔ قرطاجنی قیدی اُن سائبانوں کو پہچانتے تھے جو اُن کے گھروں کے صحنوں میں برسا کی ڈھلوان زمین پر خلیج کی دوسری جانب پڑے تھے لیکن اُن کے گرد پہرا دینے والے برابر چکر لگاتے تھے۔ اور یہ قرطاجنی قیدی سب ایک ہی زنجیر میں بندھے تھے۔ ہر ایک کے گلے میں ایک ایک طوق لوہے کا پڑا تھا۔ ان کے سامنے ہر وقت آدمیوں کی بھیڑ لگی رہتی۔ عورتیں اپنے بچوں کو لاتیں اور ان قیدیوں کا پُر تکلف لباس دکھاتیں جن کے چیتھڑے اب اُنکے سوکھے جسم پر لگے رہ گئے تھے۔

اتارتیوس جب صدموں میں گسکو کو دیکھتا اور وہ ہتک یاد آتی جو اُسکی ہوئی تھی تو آنکھوں میں خون اُترتا۔ اگر اتارتیوس نرہیواس سے قسم نہ کھا چکا ہوتا تو یقینی وہ گسکو کو کبھی کا قتل کرچکا ہوتا۔ اتارتیوس پھر پھرا کر اپنے خیمے میں آتا اور یہاں جو اور سونف کی کھینچی ہوئی شراب اتنی پیتا کہ نشے میں بیہوش ہوکر پڑ رہتا اور دن چڑھے تک آنکھ نہ کھلتی۔ جب آنکھ کھلتی تو پیاس کی شدت سے

اتارتیوس، تونس کے قریب پڑاو ڈالے پڑا تھا۔ مٹی کی ایک فصیل کی پشت پر تونس کا شہر تھا۔ یہ مٹی جھیل کی کیچڑ کی تھی۔ حفاظت کی غرض سے دیوار پر کانٹوں کی جھاڑیاں ڈالدی گئی تھیں۔ جگہ جگہ زمین پر اونچے بانس گڑے تھے حبشیوں نے ان بانسوں پر نہایت مہیب چہرے لگائے تھے کسی پر خونخوار پرندوں کے کسی پر گیدڑوں اور سانپوں کے سر لگے تھے۔ یہ کل چہرے اور سر منہ پھاڑے دشمن کی طرف دیکھتے تھے تاکہ دشمن ڈر جائے۔ وحشی سمجھتے تھے کہ یہ چیزیں وہ ہیں جن کی وجہ سے کوئی ان کو مغلوب نہیں کر سکتا۔ خوب ناچنے کودنے اور کشتیاں لڑنے میں مصروف تھے۔ بعض ان میں سے ہاتھ کی صفائی دکھاتے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ اب ایک آن میں قرطاجنہ غارت ہو جائے گا۔ اتارتیوس کا لشکر ڈھور ڈنگر اور عورتوں سے بھرا رہتا۔ یہ انبوہ ایسا تھا کہ حانو کے سوا کوئی اور ہوتا تو ایک دم میں اسکو غارت کر دیتا۔ اتارتیوس چاہتا تھا کہ فوجی قواعد سکھائے مگر وحشیوں کی وہ سمجھ میں نہ آتی تھی۔ چنانچہ اتارتیوس اسدرجہ مایوس ہوا کہ اسنے قواعد پر اصرار کرنا بالکل چھوڑ دیا۔

جب وہ اپنی ماتحت حبشی فوجوں کے قریب سے آنکھوں کی نیلی پتلیاں پھراتا گذرتا تو سپاہی اسے دیکھکر بچ کر کھڑے ہو جاتے۔ اتارتیوس جب جھیل کے کنارے آتا تو اپنا پوستین اتار دیتا۔ اور اپنے سرخ بالوں کو جن کی گرہ سر کے اوپر بندھی ہوتی کھول کر پانی میں ڈبوتا اور افسوس کرتا کہ جب وہ اپنے دو ہزار سواروں کو لیکر لشکر سے اگرکس کے میدان میں جدا ہوا تھا تو وہ بجائے قرطاجنیوں کے رومانیوں سے کیوں نہ جا ملا۔

اکثر دوپہر کے وقت دھوپ میں گرمی اور چمک باقی نہ رہتی اور خلیج اور اسکے آگے سمندر اس قدر خاموش اور ساکت ہو جاتا کہ گویا کل سطح سیسے کی ہے۔ اور بھوری

بھوری رنگ کا ایک بادل ستونوں کی طرح سیدھا اُٹھکر بگولے کی طرح چکر کھاتا آگے بڑھتا نظر آتا۔ کھجوروں کے درخت جھک جاتے اور آسمان پر تاریکی پھیل جاتی۔ پتھروں کا گرنا اور جانوروں کے پٹھوں پر اُن کا گداگد لگنا سنائی دیتا۔ اتارتیوس خیمے کی کھڑکی سے منہ نکالے افسوس اور غم میں بُری طرح لمبے لمبے سانس کھینچتا تھا۔ اس وقت اُسکو آتے جاڑے میں صبح کے وقت وطن کے مرغزاروں کی خوشبو یاد آتی۔ کبھی برف کا گرنا یاد کرتا اور کبھی کہر میں گائے بیلوں کے گم ہونیکے بعد جو انکی آواز سنائی دیتی اُسے یاد کرتا۔ آنکھیں بند کرتا تو گھروں کی روشنیاں اور وہ نیچی نیچی جھونپڑیاں جو جنگل کے بیچوں بیچ دلدل کے کنارے بنی تھیں یاد آتیں۔

اور لوگ بھی ایسے تھے جو اپنے وطن کو یاد کر کے جی ہی جی میں کڑھا کرتے تھے۔ مگر کسی کا وطن اتارتیوس کے وطن کے برابر دُور نہ تھا۔ قرطاجنی قیدی اُن سائبانوں کو پہچانتے تھے جو اُن کے گھروں کے صحنوں میں برساتی ڈھلواں زمین پر خلیج کی دوسری جانب پڑے تھے۔ لیکن اُن کے گرد پہرا دینے والے برابر چکر لگاتے تھے۔ اور یہ قرطاجنی قیدی سب ایک ہی زنجیر میں بندھے تھے۔ ہر ایک کے گلے میں ایک ایک طوق لوہے کا پڑا تھا۔ ان کے سامنے ہر وقت آدمیوں کی بھیڑ لگی رہتی۔ عورتیں اپنے بچّوں کو لاتیں اور ان قیدیوں کا پُرتکلف لباس دکھاتیں جن کے چیتھڑے اب اُنکے سوکھے جسم پر لگے رہ گئے تھے۔

اتارتیوس جب صدموں میں گگسکو کو دیکھتا اور وہ ہتک یاد آتی جو اُسکی ہوئی تھی تو آنکھوں میں خون اُترتا۔ اگر اتارتیوس نرہیو اس سے قسم نہ کھا چکا ہوتا تو یقینی وہ گگسکو کو کبھی کا قتل کر چکا ہوتا۔ اتارتیوس پھر پھر اکر اپنے خیمے میں آتا اور یہاں جَو اور سونف کی کھینچی ہوئی شراب اتنی پیتا کہ نشہ میں بیہوش ہوکر پڑا رہتا اور دن چڑھے تک آنکھ نہ کھلتی۔ جب آنکھ کھلتی تو پیاس کی شدت سے

بُری کیفیت ہوتی۔

ماتو اس وقت تیبرزہ کا محاصرہ کیے تھا۔ تیبرزہ کے شہر کی حفاظت ایک جھیل سے ہوتی تھی جو سمندر سے مل گئی تھی۔ اور حفاظت کے تین استحکامات اور بھی تھے۔ اور جن پہاڑیوں سے شہر اُن کی زد میں تھا اُن پر برج بنے تھے جس قسم کی فوجی خدمت اس وقت ماتو کے سپرد تھی ایسی کبھی پہلے نہ ہوئی تھی۔ وہ پریشان تھا۔ سلامبو کا خیال ہر وقت دل میں سمایا تھا۔ اور رات دن اُس کے حُسن سے لذت اُٹھانے کے خواب نظر آیا کرتے۔ ان خوابوں میں کسی قدر انتقام کی لذت بھی شامل تھی جس نے غرور سے متوالا کر دیا تھا۔ ہر وقت اُس سے ملنے اور اُسکو دیکھنے کی تمنا تھی۔ اور یہ آرزو اور تمنا وہ تھی جو تلخ تھی وحشتناک تھی اور دائمی تھی۔ ایک موقع پر حالت یہ ہوئی کہ علم صلح بلند کرنے کا ارادہ اس اُمید میں کیا کہ اگر ایک مرتبہ پھر قرطاجنہ میں پہونچ گیا تو اُسے دیکھ تو لونگا۔ اکثر وہ حکم دیتا کہ حملہ کے لیے نفیر بجایا جائے۔ پھر بغیر کسی انتظار کے توقف کرتا اور ایک دم سے بھاگتا ہوا اُس بند پر پہونچتا جو اسوقت سمندر میں زیر تعمیر تھا۔ وہاں پہونچکر بند کے پتھر اپنے ہاتھوں سے اُکھیڑ اُکھیڑ کر ادھر اُدھر پھینکتا۔ لوگوں کو مارتا اور اُن کو زمین پر گرا دیتا۔ ہر طرف تلوار کے وار کرتا وحشی سپاہی پریشان ہر طرف بھاگتے۔ سیڑھیاں جو تعمیر کے لیے لگی تھیں وہ ٹوٹ کر گرتیں اور آدمی پانی میں گرتے۔ اور پانی خون سے سُرخ موج بن کر دیوار سے ٹکراتا۔ آخر کار غل میں کمی ہوتی۔ سپاہی ہٹ جاتے کہ حکم کے ساتھ پھر حملہ کریں۔ ماتو خیمے کے سامنے جو خالی جگہ چھوٹی تھی وہاں بیٹھ جاتا۔ اور بازو سے چہرے کا خون پونچھتا۔ قرطاجنہ کی طرف مُنہ کیے نظریں اُونچی آسمان کو دیکھنے لگتا۔

اس کے سامنے زیتون، مرتل، کھجور اور چنار کے درختوں میں دو بڑے بڑے

حوض پوشیدہ تھے جن کا تعلق ایک دوسری جھیل سے تھا جو اتنی بڑی تھی کہ اُسکے کنارے نظر نہ آتے تھے۔ پہاڑوں کے پیچھے دوسرے پہاڑ اپنی چوٹیاں بلند کیے تھے۔ اور اس دوسری جھیل کے بیچوں بیچ ایک ٹاپو تھا جس کی شکل اہرامِ مصر کی سی تھی۔ یہ بالکل سیاہ معلوم ہوتا تھا جھیل کے بائیں کنارے ریتی شروع ہوتی تھی۔ اس ریتی کی حالت یہ تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ زرد رنگ کی موجیں تڑپتے تڑپتے ایک دم ساکت ہوگئی ہیں۔ سمندر کی کیفیت یہ تھی کہ بالکل ہموار اور خاموش زمرد کا فرش آسمان کے کنارے تک بچھا نظر آتا تھا۔ قدرت کے اس منظر میں کہیں کہیں سبزے کے بعد زرد رنگ کے لمبے قطعے تھے۔ جھاڑیوں میں لال لال بیر سُرخ مونگوں کی طرح چمک رہے تھے۔ سرو کے درختوں سے تاک کی کونپلیں نیچے تک لٹکی تھیں، پانی کی ہلکی ہلکی آواز آرہی تھی۔ کلغیوں والے چکاوک ادھر اُدھر کُدکتے پھرتے تھے۔ کچھوے جو نرسلوں کے بن میں سے اس وقت ہوا کھانے نکلے تھے اُنکی پشت شفق کے رنگ میں سونے کی سپر معلوم ہوتی تھی۔

ماتو کے سینے سے گہری آہیں نکل رہی تھیں۔ وہ زمین پر چت پڑا تھا۔ زار و قطار روتا تھا۔ سخت مصیبت میں مُبتلا روز بروز کمزور ہوتا جاتا تھا! ورکوئی ساتھ دینے والا نہ تھا سوال کرتا تھا کہ "اب وہ میری نہ ہوگی۔ اب تو میں اس قابل بھی نہ رہا کہ ایک شہر پر قبضہ کرسکوں۔"

رات کو خیمے میں تنہا بیٹھا زاعمف کو دیکھا کرتا اور کہتا کہ "خداؤں کی یہ چیز میرے کس مطلب کی ہے۔" ماتو کے دل میں مذہب کے متعلق شکوک پیدا ہو چلے۔ پھر اسکے برعکس معلوم ہوتا کہ تانیت کا پیرہن دراصل سلامبو ہی ہے۔ اور سلامبو کی رُوح ہوا سے زیادہ لطیف اُس پر چل رہی ہے۔ پیرہن کو اُٹھا کر اُس کی خوشبو سونگھنے اور مُنہ اُس میں لپیٹ کر رو رو کر اُسکو چومنے لگتا۔ کبھی پیرہن کو کھڑا کر

اپنے کندھوں پر رکھتا اور اپنی عقل کو دھوکا دینے کے لیے سمجھتا کہ سلامبو اُسکے ساتھ ہے۔

کبھی ایسا ہوتا کہ لشکر سے چُپکے سے نکل جاتا۔ تاروں کی ہلکی روشنی میں سوتے سپاہیوں کو پھلانگتا جو اپنے جُبّوں میں لپٹے پڑے ہوتے باہر آتا اور یہاں گھوڑے پر سوار ہو دو گھنٹے کے بعد عتیقہ میں اسپندیوس کے پاس آن موجود ہوتا۔

اسپندیوس سے پہلے وہ محاصرہ کا ذکر کرتا مگر اصلی غرض آنے کی یہ ہوتی کہ کچھ ذکر سلامبو کا آئے۔ اسپندیوس نے اسکو احتیاط کرنے کی ہدایت کی اور کہا:-

"ان ادنیٰ خیالات کو دل سے دُور کر دو۔ ان سے طبیعت ذلیل ہوتی ہے۔ پہلے تم دوسروں کے حکم بردار تھے۔ اب ایک پورے لشکر کے افسر اعلیٰ ہو۔ اگر قرطاجنہ فتح نہ ہو سکا تو اُس کے چند صوبے تو ضرور ہمارے تفویض ہو جائیں گے اور پھر ہمارے لئے بادشاہی ہے۔"

ماتو کہتا" یہ کیا بات ہے کہ زاغمف پر قبضہ ہونے کے بعد بھی ہم کو فتح نہیں ہوتی۔"

اسپندیوس بولا" ابھی چند روز اور انتظار کرنا ہوگا۔"

ماتو کو خیال ہوا کہ ربۃ تانیت کے پیرہن کا جو کچھ اثر ہے وہ کنعانی نسل کے لوگوں پر ہے۔ مَیں کنعانی نہیں ہوں اس لئے وہ میرے لئے کچھ نہ کر سکے گا اور قرطاجنی جو کنعانی ہیں چونکہ انہوں نے اِسے گم کیا اس لئے اُن کے لئے بھی وہ بے تاثیر رہے گا۔

پھر ماتو کے دل میں ایک شبہ گذرا جس سے اُسکو تکلیف ہوئی۔ شبہ یہ تھا کہ کہیں لبیہ والوں کے خدا اپتولوس کی پرستش میں وہ مولخ کو تو ناراض نہیں کرتا چنانچہ اُس نے اسپندیوس سے پوچھا کہ" ان میں سے کونسا خدا ایسا ہے جس پر ایک انسان کو قربان کیا جائے۔"

اسپندیوس ہنس کر کہنے لگا "دونوں ہی خدا ایسے ہیں جن پر ہمیں قربانی چڑھانی چاہیے"

ماتو اس بے پروائی کو جو اکثر اسپندیوس سے ظاہر ہوا کرتی تھی بالکل نہ سمجھتا تھا۔ اس کو گمان تھا کہ اسپندیوس کے قبضے میں کوئی روح ایسی ہے جس کا ذکر وہ کرنا نہیں چاہتا۔

وحشیوں کی ان فوجوں میں ہر قسم کے مذہب اور اعتقاد بھی اسی طرح موجود تھے جیسے ہر نسل اور قوم کے لوگ موجود تھے۔ ہر شخص دوسرے کے خداؤں کا ادب اور لحاظ کرتا تھا۔ کیونکہ دوسروں کے خدا بھی ان کے دل میں خوف پیدا کرتے تھے۔ بہت لوگ ان میں ایسے تھے کہ جس مذہب میں خود پیدا ہوئے تھے اس کے علاوہ غیر مذہب کی رسوم کو ادا کرنا بھی جائز سمجھتے تھے۔ بالفرض اگر کوئی آدمی ستارہ پرست نہ تھا تو وہ اس بات کو ماننے میں کوئی نقصان نہ سمجھتا تھا کہ فلاں مجموعۂ کواکب انسان کے حق میں فائدہ رساں اور فلاں مجموعہ نقصان رساں ہے۔ اور اگر خطرے کی حالت میں کوئی پُرتاثیر تعویذ مل جاتا تو اسکو خدا تصور کرنے میں انہیں تامل نہ ہوتا۔ اور یہ بھی ممکن تھا کہ کسی کے نام کو (فقط نام ہی کو) بار بار پڑھے جائیں بغیر اس بات کے کوئی معنی اس کے انکی سمجھ میں آئیں۔ انہی خوش اعتقاد لوگوں میں بہت سے ایسے بھی تھے جنھوں نے ہیکلوں اور بت خانوں کو خوب خوب لوٹا تھا۔ کشت و خون کے بڑے بڑے معرکوں میں شریک رہے تھے۔ ایسے لوگوں کا مذہب جو آخیر میں رہ گیا تھا وہ صرف تقدیر اور موت کا اعتقاد تھا۔ یہ لوگ رات کو صحرائی جانوروں کی طرح آرام کی نیند سویا کرتے۔ اسپندیوس کا حال یہ تھا کہ وہ جو پیٹر اولمپس کے بت پر تو تھوکنے کو موجود ہو جاتا لیکن رات کے اندھیرے میں زور سے بات کرنے میں وہ ڈرتا تھا۔ اور یہ بات تو روز دیکھی جاتی تھی کہ جب جوتا پہننا تو پہلے

دایاں پاؤں پہننے کو آگے بڑھاتا۔

جس زمانے میں وہ عتیقہ کے محاصرے میں مصروف تھا تو شہر کے سامنے اُسنے ایک بلند چوبی مچان بنوایا تھا۔ مگر جس قدر یہ مچان اُونچا ہوتا جاتا تھا سامنے کی فصیل بھی اُونچی ہوتی جاتی تھی۔ ایک فریق جو کچھ ڈھا دیتا دوسرا فریق اُسکو پھر بنالیتا۔ اسپندیوس اپنے سپاہیوں کی بہت حفاظت کرتا۔ طرح طرح کے منصوبے سوچتا اور لڑائی کی وہ تدبیریں یاد کرتا جو اُس نے اپنے سیر و سفر میں سُنی یا دیکھی تھیں۔ نرہیواس جب سے گیا تھا پلٹا نہ تھا۔ اُس کی اِس تاخیر سے بڑا تردد پیدا ہو چلا۔

حانو نے جنگ کی جس قدر تیاریاں کرنی تھیں جب ختم کرلیں تو ایک رات جبکہ چاند آسمان پر نہ تھا اُس نے حکم دیا کہ سپاہی اور ہاتھی بیڑوں پر سوار کرا کے خلیج قرطاجنہ کے پار پہونچا دئے جائیں۔ اور یہ بیڑے جس قدر ہوں وہ گرم چشمے والے پہاڑ کا چکر کاٹتے ہوئے خلیج کے پار جائیں تاکہ بیچ میں اتاریوں سے مقابلہ نہ ہو جائے۔ لیکن بجائے اس کے کہ دوسرے دن صبح کو یہ سپاہی اور ہاتھی اچانک محاصرین کے سر پر پہونچ جاتے، خود حانو کا بیان ہے کہ وہ تیسرے دن جبکہ آفتاب خوب بلند ہو چکا تھا خلیج کے پار پہونچے۔

عتیقہ کی مشرقی جانب ایک بڑا میدان تھا جو قرطاجنہ کی بڑی جھیل تک چلا گیا تھا۔ شہر کی پُشت پر دو پہاڑوں کے بیچ میں جہاں وہ ختم ہو جاتے تھے، ایک وادی مستطیل شکل کی شروع ہو جاتی تھی۔ مستاجروں کے لشکر اسکے بائیں ہاتھ کو کچھ فاصلے سے پڑا تھا اور اس طریقے سے تھا کہ بندرگاہ لشکر کی زد میں رہے۔ چنانچہ جب قرطاجنہ کی سپاہ اس لشکر کے سر پر پہونچی تو لشکر میں سب لوگ پڑے سوتے تھے۔ کیونکہ عتیقہ کے محاصرین اور محصورین لڑتے لڑتے اتنے

تھک گئے تھے کہ آج کا دن اُنہوں نے آرام کے لیے رکھا تھا۔ قرطاجنہ والوں نے اپنے سپاہیوں کے نوکروں کو فلاخن دے کر لشکرِ مستاجر کے دونوں پہلوؤں کو بٹھا دیا۔ سپاہ کی صفِ اوّل میں حبشِ اشرف کے سوار تھے جن کی زرہیں سونے کے پرتوں کی تھیں۔ بڑے قدآور گھوڑوں پر سوار تھے۔ اِن گھوڑوں کے نہ بال تھے نہ ایال تھی اور نہ کان تھے۔ اتنا ضرور تھا کہ ہر گھوڑے کے ماتھے پر چاندی کا ایک سینگ نکلا ہوا تھا۔ تاکہ وہ گینڈے سے مشابہ ہوں۔ جوان لڑکے سروں پر خود رکھے ہاتھوں میں نیزے سواروں کی صفوں کے بیچ میں چلتے تھے۔ سب سے پیچھے لمبے نیزے اور بھاری ہتیار رکھنے والی پیدل فوج تھی۔ اِن میں جو سپاہی تجارت پیشہ تھے اُنہوں نے جتنے ہتیار ممکن تھے سب ایک دم سے لگا رکھے تھے بعض ان میں سے ایسے تھے جو دونوں ہاتھوں میں نیزے اور دونوں کندھوں پر تبر یا ڈنڈے رکھے اور کمر میں دو دو تلواریں باندھے تھے۔ بعض نے اپنے جسم پر اتنے تیر لگا رکھے تھے کہ وہ بالکل خارپشت کی طرح چمکتے تھے۔ بعض ایسے تھے جن کی زرہ کے کُرتے سینگ یا پیتل کی تختیوں کے تھے۔ اور ہاتھ اُنہوں نے باہر نکال رکھے تھے۔ سب سے آخر میں آلاتِ جنگ کے اُونچے اُونچے کنگھرے تھے۔ ان میں منجنیق فلاخن اور دیگر آلاتِ سنگ اندازی بھرے تھے۔ یہ کُل رتھوں پر رکھے تھے جن میں خچر جُتے تھے۔ یا گاڑیوں پر تھے جن میں چار چار بیل آگے پیچھے لگے تھے۔ اور چونکہ اس وقت سپاہ صفوفِ جنگ میں آراستہ تھی اس لئے فوج کے سردار صفوں کے دائیں بائیں دوڑتے پھرتے تھے۔ تاکہ امیرِ لشکر کا حُکم سب کو پہونچاتے رہیں۔ اور صفوں کو بھی درست رکھیں۔ باہم فاصلوں میں فرق نہ آئے۔ مجلسِ قدما کے بزرگ بھی لڑنے تشریف لائے تھے۔ ان کو وہ جگہ ملی تھی جہاں سے وہ فوجوں کو آسانی سے حُکم دے سکیں۔ قوم کے یہ واجب المعظم بزرگ سُرخ رنگ کے جُبّے پہنے تھے۔ ان جبّوں کے حاشیوں پر اتنا بھاری کام تھا کہ

وہ لٹک کر موزوں کے تسموں میں اُلجھ جاتے۔ سب کے چہروں پر سیندور ملا تھا۔ سروں پر بڑے بڑے خود رکھے تھے جن پر خداؤں کی مورتیں نصب تھیں۔ ڈھالیں جو وہ لئے تھے اُن کے کنارے ہاتھی دانت کے تھے۔ اور اُن پر جواہرات جڑے تھے۔ ان ڈھالوں کے جواہرات اتنے چمکتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا آسمان پر بہت سے سورج نکل آئے ہیں۔ اور پیتل کی دیواروں پر انکی چمک پڑ رہی ہے۔

قرطاجنیوں نے جو طریقے لڑنے یا جنگ میں نقل و حرکت کے اختیار کئے تھے وہ ایسے بھدے اور نامعقول تھے کہ دُشمن کے سپاہیوں نے اُنہیں چھیڑنے کو کہا کہ بیٹھکر ذرا سستا لو۔ اس پر قرطاجنیوں نے چلا کر کہا کہ ہم ابھی تمہارے لئے اپنے بڑے بڑے پیٹ خالی کئے دیتے ہیں اور تمہارے سُنہری جسموں سے تمہارے تن کی خاک جھاڑے دیتے ہیں اور تم کو فولاد تیز کے گھونٹ پلاتے ہیں۔ اسپندیوس کے خیمے کے سامنے ایک لمبا بانس گڑا تھا اور بانس کے سرے پر ایک سبز کپڑا لہراتا تھا۔ یہ گویا اعلانِ جنگ تھا۔ قرطاجنیوں نے اس کا جواب بڑے زور شور سے یہ دیا کہ سنکھ پھونکے، تُرئی، بانسریاں اور گدھے کی ہڈیوں کے نفیر بجائے۔

مستاجر سپاہی اپنے مورچوں سے کود کود کر نیچے آئے اور اب فریقین میں صرف ایک برچھے کا فاصلہ رہ گیا۔ اور پھر آناً فاناً میں فریقین گتھ گئے۔ ایک بلیاری قنبلہ انداز اپنی صف سے ایک قدم بڑھا کر آگے آیا اور اپنے چمڑے کے گوپیے میں مٹی کا ایک گولا رکھ کر گوپیا پھرایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہاتھی دانت کی ایک ڈھال کے ٹکڑے اُڑ گئے اور اب دونوں لشکر آپس میں بھڑ گئے۔

یونانیوں نے برچھوں کی نوکیں قرطاجنی سواروں کے گھوڑوں کے نتھنوں میں بھونک دیں۔ گھوڑے چمک چمک کر چراغ پا ہوئے اور سوار کاٹھیوں سے پھسل کر گرے اور گھوڑوں نے اُن کو کچل ڈالا۔ قرطاجنی فوج میں غلام جو

پتھر دشمن کے مارنے کے لیئے اُٹھاتے وہ اتنے بھاری ہوتے کہ پھینکنے کے بعد پھینکنے والے کے پاس ہی گر تے۔ قرطاجنی پیدلوں نے اپنی لمبی تلواروں سے وار تو کئے لیکن اُن کا دایاں پہلو کھلا تھا مستاجر آخر کار قرطاجنی صفوں میں گھس پڑے۔ اور اُنہوں نے قرطاجنی سپاہ کو کاٹ کاٹ کر گرانا شروع کیا۔ اُن کے سروں کے خود لٹک کر آنکھوں پر آگئے اور اس طرح وہ اندھے ہو گئے۔ سپاہی مُردوں یا زخمیوں کی لاشوں سے ٹھوکریں کھا کر گرتے۔ برچھے، خود، چار آئینے ان سب میں زخمیوں کے اُلجھے ہاتھ پاؤں بھرکیوں کی طرح چکر کھاتے۔ پھیلتے اور سمٹتے تھے۔ قرطاجنی صفیں ٹوٹنے لگیں اور اُن کے جنگی آلات ریت میں ایسے دھنسے کہ اُن کا نکلنا مشکل ہو گیا۔ آخر کار شفیقی حانو کی پالکی جس کی پوشش میں بلور کے ٹکڑے آویزاں تھے منظر آنی شروع ہوئی۔ سپاہ کی موجوں میں یہ پالکی کشتی کی طرح کبھی ڈوبتی اور کبھی اُبھرتی تھی۔ اب دفعتاً یہ پالکی لڑنے والوں کی موجوں میں غرق ہو گئی۔ کسی کو شبہ نہ رہا کہ حانو چل بسا۔
وحشیوں نے دیکھا کہ اب وہ تنہا ہیں۔ خاک جو اُڑ رہی تھی وہ بھی اب دب چلی۔ وحشی خوش ہو کر گانے میں مصروف ہوئے ہی تھے کہ یکایک حانو ہاتھی پر سوار منظر آیا۔ ایک حبشی کسی سُوتی کپڑے کا چھتر اُس کے سر پر لگائے تھا۔ نیلم کا ہار جو حانو کے گلے میں پڑا تھا وہ عبا کے پھول بوٹوں سے ٹکراتا تھا۔ حانو کے موٹے بازوؤں پر ہیروں کے کئی کئی جوشن ایسے کسے ہوئے بندھے تھے کہ بیچ بیچ میں گوشت کے لوتھڑے اُبھر آئے تھے۔ منہ کھلا تھا اور ایک ہاتھ سے برچھا پھراتا تھا۔ برچھے کا پھل کنول کے پھول کی طرح کھلا تھا۔ اور اس میں چمک آئینے کی مثل تھی۔ اب یکایک زمین ہلنے لگی اور مستاجروں نے دیکھا کہ قرطاجنہ میں جتنے ہاتھی تھے وہ ایک صف باندھے جو چیز سامنے آتی اُس کو روندتے کچلتے چلے آتے ہیں۔ ہر ہاتھی سر سے پاؤں تک فولاد اور برنجر میں ڈھکا ہے۔ دانت سنہری ہیں، کانوں پر نیلا رنگ پھرا ہے۔

اور اُن کی سُرخ جھولوں کے اُوپر اُونچی اُونچی عماریاں جھومتی جھامتی آگے بڑھی چلی آتی ہیں۔ ہر ہودج میں تین تین تیر انداز کمانیں تانے بیٹھے دکھائی دیتے ہیں۔

سپاہیوں نے اتنی ہمت تو کی کہ ہتیار ہاتھ سے نہ چھوڑے اور جہاں اُنکی صف تھی وہیں چلے آئے۔ مگر خوف سے سرد پڑ گئے تھے اور تاب و طاقت سلب ہو چلی تھی۔

برچھیاں، تیر و خدنگ، پگھلا ہوا گرم سیسہ ان پر ہودجوں سے برسنے لگا۔ بعض نے ہاتھیوں کی جھولیں پکڑ کر اُن پر چڑھنا چاہا۔ ہاتھی پر جو لوگ سوار تھے اُنہوں نے اُن کے ہاتھ کاٹ دئیے۔ اور وہ ان برچھیوں پر گرے جو قرطاجنی اُنکے لئے نیچے تانے کھڑے تھے۔ برچھے ٹوٹ گئے کیونکہ وہ مضبوط نہ تھے۔ اور ہاتھی مستاجروں کے فیلانکس کو توڑتے ہوئے اُن میں گھس پڑے اور نیزہ برداروں کے دستوں کو اس طرح توڑتے نکل گئے جیسے جنگلی سور اُونچی گھاس کو توڑتے ہوئے نکل جاتے ہیں۔ ہاتھیوں نے سونڈوں سے لشکر میں جتنے خیمے تھے اُن کی چوبوں کو توڑ دیا۔ اور سینے کا زور لگا کر خیموں کو کچل ڈالا۔ مستاجر بھاگے اور وادی کے گرد کی پہاڑیوں میں جب تک نہ پہنچے دم نہ لیا۔ اور یہی وہ مقام تھا جہاں سے قرطاجنیوں نے مستاجروں پر حملہ شروع کیا تھا۔

حانو بحیثیت فاتح عتیقہ کے دروازے پر آیا اور حکم دیا کہ زور زور سے ترم اور نفیر بجائے جائیں۔ شہر کے تین بڑے سردار فصیل کے ایک برج میں ملاقات کو آئے۔

باشندگانِ عتیقہ اِس بات پر رضامند نہ تھے کہ مسلح آدمیوں کا اتنا بڑا غول

۔ ۱۵ پیدل فوج کے دستے جن میں سپاہی کچھ کھڑے کچھ بیٹھے اپنے نیزوں کو اس طرح باہر کے پھیلائے رہتے ہیں کہ اُن پر حملہ کرنا سخت دشوار ہوتا ہے۔

اُن کے شہر کے اندر آ گئے۔ حانو یہ سُنکر غضبناک ہوا۔ آخر کار اس پر تصفیہ ہوا کہ چند آدمیوں کو ساتھ لیکر شفیقی شہر میں داخل ہو۔ شہر کی گلیاں اور بازار ہاتھیوں کے آنے کے لیئے بہت تنگ تھے۔ حانو نے ہاتھیوں کو شہر کے باہر چھوڑنے کا حکم دیا اور خود شہر میں داخل ہوا۔ شہر میں آتے ہی وہاں کے بڑے بڑے لوگ حانو کے سلام کو حاضر ہوئے۔ سلام کے بعد حانو کو گرم حمام میں لائے اور اُسکے رکابداروں کو بُلوایا۔

"تین گھنٹے کے بعد معلوم ہوا کہ حانو ابھی تک روغن دار چینی کے حوض میں پڑے ہیں۔ اور اسی حوض کے کنارے ایک بیل کی کھال بچھی ہے اور اس پر کھانے چنے ہیں غسل اور تناولِ طعام ساتھ ساتھ جاری ہیں۔ سُرخاب کی زبانیں اور اُسکے ساتھ شہد میں تخمِ خشخاش ملاکر نوش جان کرتے ہیں۔ یونان کا ایک آدمی جو حانو کا طبیب خاص ہے زرد لباس پہنے بالکل خاموش حانو کے قریب کھڑا ہے۔ اور اس اہتمام میں ہے کہ تیل بار بار گرم ہوتا رہے۔ دو لڑکے حوض کی سیڑھی پر جھکے حانو کی ٹانگوں پر مالش کرتے ہیں۔ حانو ایسا آدمی تھا کہ جسمانی احتیاط اس کی سیاسی افکار و انتظام کے شوق میں مخل نہ ہوتی تھی۔ غسل اور تناولِ طعام کے ساتھ ساتھ وہ ایک خط اس وقت قرطاجنہ کی مجلسِ عظمیٰ کو لکھوا رہا تھا اور چونکہ دشمنوں میں سے چند آدمی ابھی گرفتار ہوئے تھے اس لیئے یہ امر بھی زیر غور تھا کہ کونسی سخت اور بدترین سزا اُنکے لیے تجویز کرے۔

غلام جو ہاتھ کی ہتیلی پر حانو کے حکم کے مطابق مجلسِ عظمیٰ کے نام خط لکھتا تھا اسکو حکم ہوا کہ ٹھیرو۔ جو لوگ گرفتار ہوئے ہیں اُن میں سے چند کو ہمارے سامنے حاضر کیا جائے۔ ہم اُن کو دیکھنا چاہتے ہیں"

تین مختلف قوموں کے آدمی جن میں ایک سمنی دوسرا اسپارٹی اور تیسرا کپادوسیہ کا رہنے والا تھا۔ تینوں کمرے کے ایک دور کے گوشے سے دھکے کھاتے حانو کے

سامنے پیش ہوتے۔ کمرے میں اس وقت سپید سپید دھواں بھرا تھا۔ اور مشعلوں کی سُرخ روشنی اس دھوئیں میں جھلکتی نظر آتی تھی۔

حانو نے غلام سے کہا۔ "اچھا آگے لکھو ... "اے اتوا رِبعل آپ کے شفیقی نے ان خونی کتوں کو نیست و نابود کر دیا۔ ریاست پر خدا کی برکت ہو۔ فوراً ایک جلسہ عام خداؤں کی شکر گذاری کی غرض سے منعقد کیا جائے۔" اتنا لکھوا لینے کے بعد دفعتاً ان تین قیدیوں پر نظر پڑی۔ حانو کھل کھلا کر ہنسا اور ان قیدیوں سے کہنے لگا۔ "آہا آپ سکہ کے بہادروں میں سے ہیں۔ آج تم اُس دن کی طرح شور و غل کچھ نہیں مچاتے۔ میں ہوں۔ مجھے نہیں پہچانتے ہو۔ بتاؤ وہ تمہاری تلواریں کیا ہوئیں۔ اُس دن تم کیسے خوفناک معلوم ہوتے تھے" اور یہ کہہ کر حانو ایک طرف اس طرح جھکا جیسے کوئی کسی کے خوف سے چھپنا چاہتا ہو "ہاں خوب یاد آیا۔ تم نے گھوڑے، عورتیں اور زمینیں بھی تو طلب کی تھیں۔ اور مجسٹریٹوں اور سردار کاہنوں کے منصب بھی تو مانگے تھے۔ کیوں نہیں۔ اچھا بہتر ہے۔ میں تم کو ایسی زمینیں دوں گا جن کو تم کبھی نہ چھوڑ سکو گے اور تمہاری شادیاں نئی نئی پھانسیوں سے کی جائیں گی جو درختوں میں لگی ہونگی۔ رہیں تمہاری تنخواہیں تو اُن کی ادائی اس طرح ہو گی کہ جلتا سیسہ تمہارے حلق میں ڈالا جائیگا۔ میں تمہارے لئے اُونچی جگہ تجویز کروں گا کہ چیل کوؤں اور کرگسوں سے تم قریب رہو۔"

تینوں قیدی بال بکھرے پریشان حال بدن کو چیتھڑے لگے حانو کی صورت دیکھتے تھے مگر اس کی کوئی بات ان کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ گھٹنوں پر دو زخمی تھے۔ کیونکہ کمند میں پھانس کر اُن کو گرفتار کیا تھا۔ اور بھاری زنجیریں جن میں اُن کے ہاتھ بندھے تھے اُن کے سر سے سنگین فرش پر گھسٹتے تھے۔ حانو کو اُنکے خاموش رہنے پر اور غصہ آیا۔ اور کہنے لگا۔

"ارے بدبختو۔ اپنے گھٹنے زمین پر ٹیکو۔ گیدڑو، پاؤں کی خاک، کیڑو، نجاست کے تودو، کچھ سمجھتے بھی ہو" انہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ حانو بولا "اچھا بس اب منہ سے کچھ نہ نکلے۔ تم تینوں کی کھالیں اُتار کر بھس بھرا جائیگا"

حانو نے پھر غلام سے خط لکھوانا شروع کیا جس کا مضمون ابھی تک ناتمام تھا۔ "اچھا لکھو ــــ" چار دن تک ہم دھوپ سے سخت پریشان رہے۔ چند خچر دریائے ماکار کو عبور کرنے میں تلف ہو گئے۔ باوجودیکہ دشمن نے اپنی فوجیں عمدہ موقع پر آراستہ کی تھیں مگر غیر معمولی شجاعت اور جوانمردی ...... " فقرہ ناتمام چھوڑ کر حانو اپنے طبیب خاص ڈیموناڈیس کی طرف مڑ کر کہنے لگا "مجھکو اس وقت تکلیف زیادہ ہے۔ کیا انگیٹھیاں گرم ہو گئیں۔ اُن کو اتنا گرم کیا جائے کہ وہ سرخ ہو جائیں" فوراً انگیٹھیوں میں آگ جلانے اور آگ کو کریدنے کی آوازیں آنے لگیں۔ اور ان میں جو بوٹیاں جلائی جاتی تھیں اُن کا دھواں بڑھا اور مالش کرنے والے دونوں برہنہ لڑکے جو محنت سے پسینے پسینے ہو رہے تھے۔ حانو کے جوڑوں پر ایک روغن بڑی تیزی سے ملنے لگے۔ روغن اناج، گندھک، مُر، گلبانم، سیاہ شراب، کُتیا کے دودھ اور ایک قسم کے گوند کو مرکب کر کے تیار کیا گیا تھا۔ حانو کا پیاس کے مارے بُرا حال تھا لیکن طبیب خاص پانی پینے کی اجازت نہ دیتا تھا۔

مگر ایک سونے کا پیالہ اُس نے حانو کو پیش کیا جس میں لحم عفعیٰ کا گرم شوربا تھا پیالہ پیش کر کے طبیب نے کہا "اسکو نوش فرمائیں تاکہ حضور کی ہڈیوں میں جو گودا ہے اس میں وہی قوت ہے جو سانپ میں ہے اور سانپ اولادیں ہے رب الشمس کی۔ اے خداؤں کی مورت ذرا ہمت سے کام لیجئے۔ حضور کو یہ تو معلوم ہی ہو کہ عشمون کے کاہنوں میں سے ایک کاہن آسمان پر ستارہ شعریٰ کے قریب اس روشنی کو دیکھ لیتا جس سے کوئی شگون پیدا ہو۔ اور یہی ستارہ وہ ہے جو آپ کی اس تکلیف

کا باعث ہو رہا ہے۔ اس ستارے کی روشنی اب زرد پڑتی جاتی ہے اور اُس کا رنگ وہی ہو جاتا ہے جو آپ کی جلد کے داغوں کا ہے۔ یہ داغ ہرگز آپ کی موت کا موجب نہ ہونگے۔"

شفیقی بولا" نہیں ہرگز نہیں۔ وہ میری موت کا موجب نہیں ہو سکتے" اتنا کہنے میں اُس کے مُنہ سے جو سخت بدبو نکلی وہ سڑی ہوئی لاش کے تعفن سے کم نہ تھی۔ جانو کی بھنوؤں کے بال کبھی کے اُڑ چکے تھے۔ اور آنکھوں کی جگہ حلقوں میں دو سُرخ انگارے رکھے معلوم ہوتے تھے۔ ماتھے پر بہت سی کھال جھریاں پڑی ہوئی جمع ہو گئی تھی۔ کان جو سر سے باہر کو نکلے ہوئے تھے اب پہلے سے بھی بڑے معلوم ہوتے تھے۔ چہرے کے شکنوں میں ناک کے نتھنے جب پھول کر نصف کُرے بن جاتے تھے تو ان سے اُس کی صورت اور ہیبتناک جیسے کسی جنگل کے درندے کی ہو معلوم ہونے لگتی تھی۔ اور اُسکی آواز میں وہ بات پیدا ہو جاتی تھی جو کسی جانور کے دھاڑنے میں ہو۔

جانو اپنے طبیب سے کہنے لگا" ممکن ہے کہ تمہارا خیال دُرست ہو کیونکہ بہت سے پھوڑے خشک ہو کر مندمل ہو چلے ہیں۔ مَیں اب تندرست ہوں۔ ذرا میری غذا کو دیکھو۔"

بھوک تو تھی ہی نہیں مگر شیخی میں آکر اور یہ سمجھ کر کہ بالکل تندرست ہو گیا ہے، اُس نے پنیر کے ٹکڑے اور رمز بخش کے ساتھ کانٹے دار مچھلیاں، کیکڑے، انڈے، مولی کی قاشیں اور چھوٹے چھوٹے پرندوں کے کباب کھانے شروع کئے۔ کھاتے ہیں قیدیوں کی طرف دیکھتا جاتا تھا۔ اور اُن کیلئے کوئی نہایت شدید سزا سوچنے میں اُسکا دل خوش تھا۔ جب سکّہ کا دن اور وہاں کی تکلیفیں یاد آتی تھیں تو ان تینوں قیدیوں کو سخت گالیاں دیتا اور کہتا کہ :-

"اے سرکش باغیو، ملعون مُفسدو، تم نے اُس دن میری توہین کی تھی اور وہ بھی

کس کو جو شفیق تھا۔ اپنی خدمتوں اور اپنے خون کا معاوضہ تم مانگتے تھے۔ ہاں ہاں خون کا معاوضہ (اور پھر جیسے کوئی خود ہی باتیں کرتا ہو کہتا۔) میں ان قیدیوں میں ہر ایک کا خون کروں گا۔ ان میں کا ایک آدمی بھی غلام بنا کر فروخت نہ کیا جائے گا۔ بہتر تو یہ ہے کہ ان کو اپنے ساتھ قرطاجنہ لے جاؤں" اب غلام کو پھر خط لکھنے کا حکم دیا اور کہا "لکھو۔۔۔۔ عدو زنجیریں بھیجی جائیں۔ قیدی کتنے ہیں؟ فوراً موتم بعل سے دریافت کیا جائے۔ قیدیوں کو یہاں سے لے جاؤ۔ میں اُن پر ہرگز کسی طرح کا رحم نہ کروں گا۔ اُن کے ہاتھ کاٹ کر ٹوکروں میں بھر کر ہمارے ملاحظے کیلئے حاضر کرو۔"

اتنے میں حانو کی آواز اور برتنوں کی کھڑکھڑ سے بھی زیادہ اونچی آوازیں عجیب غریب آنی شروع ہوئیں یہ آوازیں کبھی کسی بھاری چیز کے گھسٹنے اور کبھی زور کی چیخیں سنائی دیتی تھیں۔ اُن کی تیزی بڑھتی گئی اور پھر بلکچت ہاتھیوں کی چنگھاڑوں سے کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔ معلوم ہوتا تھا کہ جنگ از سر نو شروع ہوئی ہے۔ تمام شہر کے گرد بڑا غل اور شور ہونے لگا۔ واقعہ یہ تھا کہ جب مستاجر میدانِ جنگ سے بھاگے تھے تو قرطاجنیوں نے اُن کے تعاقب کی کوشش مطلق نہ کی تھی۔ بلکہ عتیقہ کی فصیلوں کے نیچے وہ مع اپنے کُل سامان اور افسرانِ فوج کے جمع ہو گئے تھے۔ اور اپنے خوبصورت خیموں میں جن پر موتیوں کی جھالریں ٹکی تھیں بڑی دھوم سے گانے بجانے میں مصروف تھے۔ مستاجروں کی لشکرگاہ جو میدان میں تھی وہ بالکل غارت ہو چکی تھی۔ اسپندیوس نے ایک بار پھر ہمت کی۔ زارازاس کو ماتو کے پاس بھیجا۔ پھر خود جنگلوں میں جا کر اپنے متفرق سپاہیوں کو یکجا کیا۔ فی الحقیقت ان کا نقصان کم ہوا تھا۔ اسپندیوس پیچ و تاب اور افسوس میں تھا کہ لڑائی ہوئی بھی نہیں اور اس کی جمعیت کو شکست ہو گئی۔ اب اسکی فوجیں پھر درست ہو کر صف آراستہ ہونے لگی تھیں کہ اسپندیوس کو ایک حوض معدنی روغن کا بھرا نظر آیا۔ یہ روغن غالباً قرطاجنی چھوڑ گئے تھے۔ اسپندیوس نے کھلیانوں سے

کچھ سوار ہانک کر اس قیر کے حوض میں ڈال دے۔ جب وہ قیر میں لت پت ہو کر حوض سے نکلے تو اُن میں آگ لگا کر ان کو عتیقہ کی طرف دوڑا دیا۔

ہاتھی ان دوڑتی ہوئی آگوں کو دیکھ کر ڈرے اور ڈر کر بھاگے۔ اتفاق سے زمین جو آگے پڑتی تھی وہ اونچی ہوتی گئی تھی۔ مستاجر سپاہی اس حالت کو دیکھ کر گھبرائے، اور انہوں نے ہاتھیوں کو برچھوں سے مارنا شروع کیا۔ ہاتھی آگے بڑھے اور اب انہوں نے قرطاجنیوں کو کچلیوں سے ہوئے دیکر کچلنا اور مارنا شروع کیا۔ یا ان کو اتنا دوڑایا کہ اُن کا دم پھول گیا۔ اور جب وہ گرے تو اپنے پاؤں میں انہیں کچل ڈالا۔ عقب سے مستاجر سپاہی پہاڑوں سے اتر کر قرطاجنیوں پر گرے۔ اور انہوں نے ان کے لشکر کو لوٹنا اور غارت کرنا شروع کیا۔ قرطاجنی لشکرگاہ کے گرد کوئی پناہ نہ تھی۔ اب قرطاجنیوں کے ایک طرف تو حملہ آور مستاجر سپاہ تھی اور دوسری طرف عتیقہ کی فصیل اور اُس کا دروازہ تھا۔ ان دونوں کے بیچ میں وہ گھر گئے تھے۔ شہر والے اس خوف سے دروازہ کھولتے نہ تھے کہ کہیں مستاجر نہ گھس آئیں۔

دن نکلا۔ اور سمت مغرب سے ماتو کی فوجیں بڑھتی نظر آئیں۔ ان کے ساتھ چند سوار دکھائی دیے جن میں نرہیواس بھی تھا اور اس کے ساتھ نمودیا کی سپاہ تھی۔ یہ سب جھاڑیاں اور سوکھے ندی نالوں کو پھلانگتے ہوئے قرطاجنی فراریوں کے تعاقب میں اس طرح دوڑے جس طرح شکاری کتے کسی خرگوش کے پیچھے دوڑیں۔ غرض قسمت نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ شفیقی حانو مژدہ فتح سنانے کو جو خط لکھوا رہا تھا وہ ختم نہ ہو سکا۔ روغن دار چینی کے حوض میں پڑے پڑے چیخنا چلانا شروع کیا کہ کوئی آئے اور اسکو نکالے۔

تینوں قیدی ابھی تک اُسی کمرے میں حانو کے سامنے حاضر تھے۔ پھر وہی حبشی نوجوان جو ابھی تک بیٹھا ہوا حانو پر چھپر لگا رہا تھا حانو کے قریب آ کر اسکے کان میں کچھ کہنے لگا۔ حانو نے آہستہ سے کہا کہ ہاں ان کو قتل کر دو۔

حبشی نے ایک لمبی تلوار نیام سے نکالی اور تینوں قیدیوں کے سر کٹ کر فرش پر گر پڑے۔ اِن میں ایک سر دستر خوان پر سے لڑکھنیاں کھاتا حوض کی طرف چلا اور پھر اُچھل کر حوض میں جا گرا۔ یہاں دیر تک مُنہ کھولے آنکھیں پتھرائی ہوئی وہ حوض میں تیرتا رہا۔ صبح کی روشنی دیواروں کی درزوں سے کمرے میں آئی۔ پچی کاری کے فرش پر تینوں قیدیوں کی لاشیں اُڑتے خُون کے فوّارے معلوم ہوتے تھے۔ خُون اور نیلی ریت کی کیچڑ میں حانو نے اپنے ہاتھ ڈالے اور پھر اُن کو اپنے گھٹنوں پر ملا۔ کیونکہ یہ بھی ایک علاج سمجھا جاتا تھا۔

جب رات ہوئی تو حانو اپنے ساتھیوں کو لیکر شہر سے بھاگا۔ اور بھاگ کر پہلے پہاڑوں میں آیا تاکہ اپنی فوج سے جا ملے۔ فوج کے کچھ لوگ اُسکو مل گئے۔ چار دن کے بعد وہ کرزا میں ایک نالے کے اُونچے کنارے پر آتا نظر آیا۔ نیچے اسپندیوس کی فوج تھی۔ اگر حانو کے پاس اس وقت دس آدمی بھی اچھا نیزہ چلانے والے ہوتے تو اسپندیوس کی صف پر حملہ کر کے اُسکو آگے نہ بڑھنے دیتے۔ لیکن قرطاجنیوں نے اُن کو اپنے سامنے سے گذرنے دیا۔ جس سے ظاہر تھا کہ خود اُن کے ہوش و حواس اس وقت بجا نہ تھے۔ اسپندیوس کی فوجوں کے عقب میں نرہیوا اس بادشاہِ نمودیا کو حانو نے پہچان لیا۔ نرہیوا اس حانو کو دیکھ کر تعظیماً جُھکا۔ اور اُس نے ایک اِشارہ بھی کیا مگر حانو اس اِشارے کو سمجھا نہیں۔

حانو کی اس شکست پر باشندگانِ قرطاجنہ کو طرح طرح کے خوف پیدا ہوئے، حانو اور اُسکے ہمراہی عتیقہ سے رات کے وقت چلے تھے۔ رات بھر چلتے اور دن کو زیتون کے کسی جنگل میں چھپے رہتے۔ اِس سفر میں ہر منزل پر دو چار آدمی مر جاتے۔ کئی مرتبہ اُنکو خیال ہوا کہ بس اب سب کا خاتمہ ہو جائیگا۔ مگر بہ ہزار دُشواری وہ ہرمیوم تک پہنچ

گئے۔ یہاں جہاز آئے اور انکو قرطاجنہ لے گئے۔

حانو شفیقی اس وقت بالکل خستہ ورماندہ غصہ سے پیچ وتاب میں تھا۔ اِتنے ہاتھیوں کا مارا جانا ایسا نقصان تھا جس نے اُسکو بالکل بٹھا دیا۔ اور حالت یہانتک پہونچی کہ اپنے طبیب سے زہر کھانے کو مانگا۔ وہ محسوس کرتا تھا کہ ابھی سے اُس کا جسم دار پر کھینچ دیا گیا ہے۔

قرطاجنہ والوں میں اتنا دم بھی نہ تھا کہ وہ حانو پر اپنا غصہ ظاہر کرتے۔ اِس معرکۂ بے سود میں نوسو بہتر شقول چاندی اور پانچ ہزار چھ سو تیئیس شقول سونا، اٹھارہ ہاتھی اور چودہ ارکانِ مجلسِ عظمٰی تلف ہوئے تھے۔ دولتمندوں میں سے تین سو آدمی اور رعایا میں سے تین ہزار آدمی مارے گئے تھے۔ علاوہ اِس بڑے نقصان کے تین ماہ کے صرف کے لائق غلہ الگ برباد ہوا تھا۔ نہایت کثیر سامانِ جنگ کے آلات منجنیق اور فلاخن وغیرہ کُل غارت ہو چکے تھے۔ قرطاجنہ سے نرہیو اس کی علیحدگی میں اب کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ تھا۔ اور اب متاجروں نے عتیقہ اور تہبرزہ کا محاصرہ از سرِ نو شروع کر دیا۔ اتاریوس کی فوجیں اب تونس سے رادیس تک پھیل چکی تھیں۔ قلعۂ قرطاجنہ کی چوٹی سے دیکھا جاتا تھا تو شہر میں جابجا دھوئیں کے ستون اُٹھے نظر آتے تھے۔ یہ دولتمندوں کے گھر جلتے تھے۔

صرف ایک شخص ایسا تھا کہ جو قرطاجنہ کی ریاست کو اِس خطرناک اور مہلک حالت سے بچا سکتا تھا۔ افسوس کہ ریاست نے اُس کی قدر نہ کی تھی اور اب وقت ایسا آیا کہ اُن لوگوں نے بھی جو جنگ کے ہمیشہ خلاف رہتے قربانیاں اور منتیں مانیں کہ کسی طرح ہملکار قرطاجنہ میں واپس آجاتا۔

جب سے زاعمت کو سلامبو نے دیکھا اُس کی حالت نازک ہو چلی تھی۔ رات کے

وقت اُسکو ربۃ تانیت کے قدموں کی آوازآتی تھی. سوتے میں ڈر کر چونک پڑتی۔ روز ُتنخانوں میں کھانا بھیجتی۔ تنعاخ دایہ اُس کا حُکم بجالاتے لاتے تھکی جاتی تھی۔ اور شاہابریم کسی وقت پاس سے نہ ٹلتا تھا۔

باب (۷)

ہملکار برقہ

ایک دن صبح کے وقت ہیکلِ عشمون کی چوٹی سے منادِ قمر نے جس کا کام ماہِ نو کے جملہ تغیرات کا شہر پر اعلان کرنا تھا مغرب کی سمت میں کوئی چیز ایک بڑے پرندے کے مشابہ دیکھی جو سمندر سے ہلی ہلی پر مارتی چلی آتی ہے۔ یہ درحقیقت پارو کی تین صفوں والا ایک بادبانی جہاز تھا جس کی ہر صف پر چپو چلانے والے اپنے کام پر بیٹھے تھے۔ جہاز کی آگے کی نوک پر ہاتھی دانت کا تراشا ہوا ایک گھوڑا بنا تھا۔

منادِ قمر نے ایک ہاتھ سے آنکھوں پر سایہ کیا اور دوسرے ہاتھ سے بوق کو منہ سے لگا کر اس زور سے پھونکا کہ سارے شہر پر آواز گونج اٹھی۔ آواز کے سنتے ہی لوگ گھروں سے نکلے مگر جو خبر اڑی تھی اس کا کسی کو یقین نہ آتا تھا۔ چنانچہ آپس میں بحثیں ہونے لگیں۔ بہرکیف سنگین بند پر جو کچھ دُور تک سمندر میں بنا تھا آدمیوں کا ہجوم ہوا۔ آخر کار سب نے ہملکار کا جنگی جہاز پہچان لیا۔

جہاز کی صورت پر اس وقت تکبر و عبوست برس رہی تھی۔ بندر کے قریب آتے ہی مستولوں کے گز چورس کر دیے گئے۔ بادبان نیچے سے اُوپر تک ہوا سے پھول گئے۔

اور جہاز سپید سپید کفوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ ملاحوں کے چپو قاعدے سے ایک ساتھ پانی میں داخل اور برآمد ہوتے تھے۔ اور جہاز کی پچھلی نوک پر جو ہل بنا تھا وہ کبھی موجوں میں غائب اور کبھی ظاہر ہوتا تھا۔ جہاز کے سامنے کے سرے پر ہاتھی دانت کا گھوڑا جس کے اگلے پاؤں باہر کو نکلے تھے جہاز کے چلنے میں موجوں پر دوڑتا معلوم ہوتا تھا۔

جب راس سے نکل کر بندر کی طرف مڑا تو ہوا بند ہو گئی۔ بادبان اتار دیے گئے۔ اور اب بند پر جو لوگ جمع تھے انہوں نے دیکھا کہ معلم جہاز کے پاس ایک شخص برہنہ سر کھڑا ہے۔ یہی شخص ہملکار برقہ قرطاجنہ کا بحری شفیتی یعنی امیر البحر ہے۔ کمر اور کولوں پر فولاد کے طبق آئینے کی طرح چمکتے تھے۔ سرخ جبہ سے جو شانوں پر فیتے سے اٹکا تھا دونوں ہاتھ ننگے باہر تھے۔ لمبے لمبے موتی دونوں کانوں میں پڑے تھے۔ اور سیاہ گھنی ڈاڑھی سینے پر بکھری تھی۔

اس اثنا میں ہملکار کا جہاز سنگین بند کے موڑ سے نکل کر ایسے سمندر میں آیا جس کے کنارے چٹان تھے اور دور سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جہاز چٹانوں میں ٹکریں کھاتا آگے بڑھتا ہے۔ اور اب بند کے سنگین فرش پر جہاز کے ساتھ ساتھ لوگ پکارتے ہوئے چلے۔

"مرحبا اے چشم خاموش۔ خدا کی برکت تجھ پر ہے۔ سارا قصور دولتمندوں کا ہے۔ وہ تیری جان کے لاگو ہو رہے ہیں۔ برقہ ان سے خبردار رہنا۔"

ہملکار نے کسی بات کا جواب نہ دیا۔ گویا کہ سمندر کے شور اور لڑائیوں کے غل نے اس کو بہرا پتھر کر دیا ہے۔ لیکن جب اس زینے کی سب سے نیچی سیڑھی پر قدم رکھا جس سے حصن قرطاجنہ پر چڑھتے تھے تو ہملکار نے سر اونچا کیا اور سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر نگاہ ہیکل عشمون کی طرف جمائی اور پھر نظر اونچی کر کے کھلے آسمان کو

دیکھنے لگا۔ اور ملازموں کو حکم دیا کہ جہاز اور آگے بڑھاؤ۔ جہاز اور آگے بڑھا اور بند کے سرے سے جہاں طوفان کو روکنے کے لئے ایک بُت نصب تھا جہاز اُسکو مَس کرتا ہوا نکلا۔ قریب ہی تاجروں کا بندرگاہ تھا۔ اس میں بہت سے جہاز جنکے سامنے کے رُخ گھڑیالوں کے کھُلے ہوئے جبڑے معلوم ہوتے تھے اُن سے ٹکریں کھاتا ہملکار کا جہاز آگے آیا۔ تاجروں کے بندرگاہ میں کوڑا کرکٹ لکڑیوں کی چھپٹیاں پھلوں کے چھلکے پڑے تھے۔ بندرگاہ میں جہاز کے آتے ہی آدمی جہاز کے ساتھ ساتھ دوڑنے لگے۔ بعض ان میں سے ایسے بھی تھے جو پانی میں کود پڑے۔ لیکن ہملکار کا جہاز بہت جلد پانی میں اُس پھاٹک کے قریب پہونچ گیا جس میں آہنی میخیں جڑی تھیں۔ جہاز کے پہونچتے ہی پھاٹک اُوپر کو اُٹھا اور وہ بلند دروازے میں داخل ہوتے ہی سب کی نظر سے اُوجھل ہو گیا۔

قرطاجنہ کا فوجی بندرگاہ شہر سے بالکل علیحدہ تھا۔ اور جب غیر ملکوں کے سفیر یا ایلچی آتے تھے تو اُن کو دو دیواروں کے بیچ میں اس راستے سے گذرنا پڑتا تھا جو بائیں طرف مُڑ کر ہیکلِ خامون کے سامنے نکلتا تھا۔ یہاں سمندر کی شکل ایسی تھی جیسے کٹورے میں پانی بھرا ہو۔ اس مدوّر قطعِ آب کے گرد کناروں پر اسکلے اور سائبان بنے تھے کہ جہاز اُن کے نیچے محفوظ طریقے پر کھڑے ہوں۔ ہر اسکلہ کے سامنے دو دو ستون تھے جن کے تاجوں پر ربِّ عمون کے قرن بنے تھے اور اس طرح اس قطعِ آب کے گرد ایک پورا حلقہ ستونوں کا کھڑا تھا اور پانی کے بیچوں بیچ ایک ٹاپو میں امیر البحر (ہملکار) کیلئے ایک عالیشان محل تھا۔

پانی یہاں کا اس قدر شفاف تھا کہ تہ پر سنگ ریزوں کا فرش صاف نظر آتا تھا۔ یہاں شہر کے گلی کوچوں کا شور مطلق نہ آتا۔ ہملکار جب یہاں سے گذرنے لگا تو اُس کی نظر اُن پرانے جنگی جہازوں پر پڑی جو کسی زمانے میں بحری لڑائیوں میں

اس کے زیرِ فرمان تھے۔ اب یہ جہاز تعداد میں صرف بیس کے قریب رہ گئے تھے۔ کنارے پر سائبانوں کے نیچے حفاظت سے کوئی پہلو کے بل پڑا اور کوئی پیندے کے بل کھڑا تھا۔ ان کے سامنے کے خمدار سروں پر طرح طرح کے رنگوں میں مخفی رموز اور علامتوں کے نقش تھے۔ جہاں اژدہے بنے تھے اُن کے پر غائب تھے۔ جہاں بُت بنائے تھے اُن کے ہاتھ اور بیلوں کے چاندی کے سینگ ندارد تھے۔ جتنے بیل بوٹے نقش و نگار تھے اُن کا رنگ اُڑ چکا تھا۔ بشروع سے جہاں تھے وہیں اب تک پڑے تھے۔ کڑی گل چکی تھی مگر تاریخی واقعات سے لب ریز تھے۔ بحری سیر و سفر کی بو باس اُن سے آرہی تھی۔ اور لنگڑے لولے آزمودہ کار نبرد آزماؤں کی طرح زبانِ حال سے کہہ رہے تھے "یہ ہم تھے جنہوں نے شکست کھائی تھی۔ مگر نہ صرف ہم بلکہ تم بھی ہزیمت خوردہ ہوئے تھے۔"

بحری شُفیتی کے سوا کسی دوسرے کو امیر البحر کے محل میں جانے کا حکم نہ تھا اور جب تک اُس کا مرنا تحقیق نہ ہو جائے یہی مناسب سمجھا جاتا تھا کہ وہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اس طریقے سے مجلسِ قدما کے ارکان کم سے کم ایک آقا کی اطاعت سے مستثنیٰ رہتے تھے۔

ہملکار اس محل کے ویران کمروں میں داخل ہوا۔ قدم قدم پر ہتھیار، خانہ داری کا سامان اور مختلف چیزیں رکھی دیکھیں۔ گو یہ چیزیں معمولی تھیں مگر ہملکار کو اس پر بھی تعجب اور حیرت ہوتی تھی۔ پھرتے پھرتے برآمدے میں ایک جگہ انگیٹھی رکھی دیکھی جس میں اُن جڑی بوٹیوں کی راکھ اب تک موجود تھی جو ملک قرۃ کو خوش کرنے کیلئے ہملکار کی روانگی کے دن جلائی گئی تھیں۔ اُس دن کسے خیال تھا کہ واپسی اس طرح ہوگی۔ اُس دن جو کچھ ہوا تھا اور اُس کے بعد جو کچھ دیکھا وہ آج یاد آرہا تھا۔ یورشیں، حملے، یلغار، آتش زنی کے وقوعے۔ لشکر اور فوجیں۔ طوفان اور آندھیاں، دریا تم،

سرقوصہ، لِلی بیوم، کوہِ ایٹنا پر معرکہ آرائیاں، ایرکس کا میدان۔ غرض پانچ برس میں جتنی لڑائیاں لڑی تھیں اُس مہلک دن تک کہ قرطاجنہ نے ہتیار ڈال دئے اور صقلیہ ہاتھ سے نکل گیا۔ یہ سب یاد آ گئے۔ آج ایک مرتبہ پھر ترنج کے باغوں کی طرف نظر گئی۔ اور بھورے بھورے پہاڑوں پر چرواہوں کو بکریاں چراتے دیکھا۔ اور اِس خیال سے دل میں جوش پیدا ہوا کہ انہی ساحلوں کے سامنے ایک دن ایک نیا قرطاجنہ آباد کیا جائے گا۔ بُرجوں پر جہاز کے گدے کھانے سے ہملکار کے سر میں چکر تھا۔ اور اس کے ساتھ پُرانی باتیں اور پُرانے منصوبے یاد آ رہے تھے۔ پھر دل میں ایک درد سا اُٹھا اور دفعتاً نقاہت محسوس ہوئی۔ اور چاہا کہ جسقدر جلد ممکن ہو خداؤں کے قدموں میں پہونچ جائے۔

اب وہ اِس محل کی سب سے اُونچی منزل پر پہونچا۔ اور ایک قشرۃ سے جو اُس کے بازو پر بندھا تھا ایک خارپشت نکالا جس میں بہت سی کیلیں جڑی تھیں۔ اور ایک کیل سے اُس نے ایک بیضوی قطع کے چھوٹے سے کمرے کا قفل کھولا۔

کمرے میں ہلکی ہلکی روشنی چند سیاہ قرصوں سے جو شفاف تھے آ رہی تھی۔ یہ قرص سب ایک ہی سے تھے۔ ان کی قطاروں کے بیچ میں دیواروں میں موکھے بنے تھے جیسے کہ اکثر مقابر میں بنائے جاتے ہیں۔ ہر موکھے میں ایک ایک پتھر بھورے رنگ کا جو صورت سے بہت وزنی معلوم ہوتا تھا رکھا تھا۔ اِن پتھروں کی قدر و قیمت سوائے اُن کے جو عقل و دانش زیادہ رکھتے تھے کوئی نہ جانتا تھا۔ یہ آباد یر تھے جو کُرۂ قمر سے زمین پر گرے تھے۔ اِس مقام پُر اسرار میں ہوا کچھ ایسی تھی جس سے دَم گُھٹا جاتا تھا موکھوں میں جو پتھر رکھے تھے وہ سمندر کی ریت سے جو کواڑوں کی درزوں سے آن کر اُن پر جمی تھی سپیدی مائل ہو گئے تھے۔ ہملکار نے ایک پتھر کو اُس پر اُنگلی رکھ کر گنا۔ اور پھر زعفرانی رنگ کی ایک نقاب مُنہ پر ڈالکر دونوں ہاتھ گھٹنے زمین پر ٹیکے اور

مُنہ کے بَل زمین پر گر کر دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔

باہر سے آفتاب کی روشنی سیاہ جالیوں کے پھول پتّوں پر پڑی۔ اور ان ہی جالیوں میں سے باہر کے درختوں پہاڑیوں اور طوفانی بادلوں کے خطوط اور حیوانات کی غیر واضح صورتیں اُن کے شفّاف مادوں میں ظاہر ہونے لگیں۔ کمرے میں ایک خوفناک مگر امن و سلامتی کا نور پیدا ہوا اور یہ نور وہ تھا جو آفتاب سے ماورا عالموں میں آفرینشِ مستقبل کے ویران منظر دکھاتا تھا۔

ہملکار نے کوشش کی کہ اِن کُل صورتوں رموز و امثلۂ باطن کے نقوش کو اور خدا کے ناموں کو اپنے قلب سے محو کر دے۔ تاکہ وہ اُس قائم اور لا تغیر ذات کی معرفت تک جو اِن چیزوں میں پوشیدہ تھی پہونچ جائے۔ کواکبِ سیارہ کی قوتِ حیات اُسکی رُوح میں متمکن ہوئی اور اس کے ساتھ ہی موت اور تقدیر کی طرف سے وہ بیزاری دل پر حاوی ہوئی جو علمِ حقیقت اور قربتِ کامل انسان میں پیدا کر دیتی ہے۔ ہملکار فرش سے اُٹھا، اب اُسکے قلب میں وہ تسکین و صفا تھی جسے کسی کا خوف نہ تھا۔ اب نہ اسے کسی کا ڈر تھا اور نہ دل میں رحم تھا۔ تھوڑی دیر میں معلوم ہوا کہ دم سینے میں کھنچا چلا آتا ہے۔ باہر نکل کر اُس برج میں آیا جہاں سے قرطاجنہ کا شہر نیچے پھیلا نظر آتا تھا۔

اِس بلند مقام سے شہر ایک قوس کی شکل میں قدموں کے نیچے پڑا دکھائی دیتا تھا۔ اسی میں اُسکے برج اور گنبد، اُس کے ہیکل اور بُت خانے۔ سونے کی چھتیں مکانات اور محل شیشے کے کُرّوں کی چمکتی روشنیاں۔ جا بجا کھجوروں کے جُھنڈ شامل تھے۔ شہر ایک عظیم الشان خوانِ نعمت اور فصیلیں اس کا حاشیہ معلوم ہوتی تھیں۔ شہر اس وقت اپنی تمام دولت ہملکار کے سامنے پیش کر رہا تھا۔ نیچے منظر ڈالتا تو شہر کے بندرگاہ اُس کے چوک صحنوں کے اندر کی چیزیں کوچوں اور بازاروں

کے خاکے دکھائی دیتے اور آدمی اتنے چھوٹے نظر آتے کہ راستے کے پتھروں سے ہم سطح معلوم ہوتے۔ ہملکار دل میں کہنے لگا "ہائے، کاش جزیرہ اگائیس کی جنگ میں صبح ہی جانو آجاتا" ہملکار کی نگاہیں اُفق کے پردوں میں سے تیر کی طرح گذر رہی تھیں اور وہ اپنا لرزتا ہاتھ روما کی طرف اُٹھائے تھا۔

حصارِ قرطاجنہ کی سیڑھیوں پر خلقت کا ہجوم ہوا ہیکلِ خامون کے چوک میں ہملکار کے مشتاقانِ دیدار آتے تھے کہ تل رکھنے کو جگہ نہ رہی۔ آدمی پر آدمی کھڑا تھا رفتہ رفتہ راستے میں بالاخانوں پر بھی آدمی بھر گئے۔ کسی کسی نے ہملکار کو پہچانا اور بہت خوش ہوکر سلام کیا۔ لیکن ہملکار پھر ہٹ آیا تاکہ لوگوں کے صبر کی آزمائش کرے۔

نیچے کے کمرے میں ہملکار نے اپنے ہی فریق کے بعض مقتدر لوگوں کو دیکھا۔ ان میں استانئین، سوبلدیا، ہمتیامن، جیوباس وغیرہ تھے۔ ان دوستوں اور ہوا خواہوں نے ہملکار سے وہ تمام واقعات کہے جو صلح کے زمانے سے اب تک پیش آئے تھے۔ ارکانِ مجلسِ قدما کا بخل، انکے مظالم، مستاجروں کا قرطاجنہ سے چلا جانا اور پھر واپس آنا۔ مستاجروں کے مطالبات، گسکو کو مستاجروں کا مقید کر لینا۔ زاعمف کا چوری جانا۔ مستاجروں کا عتیقہ کو محصور کر لینا۔ قرطاجنہ سے محصوروں کو کمک بھیجی جاتی ہے مگر قرطاجنی فوجوں کو عتیقہ سے ہٹنا پڑتا ہے۔ یہ کل واقعات ہملکار کے گوش گذار کیے گئے۔ لیکن وہ باتیں جن کا تعلق خاص ہملکار سے تھا کسی نے اُس سے نہ کہیں۔ پھر ہملکار کے فریق والے اُس سے رخصت ہوئے تاکہ آج ہی شب کو قدما کے جلسہ عام میں مولخ کے ہیکل میں پھر ملاقات ہو۔

یہ لوگ ہملکار سے رخصت ہونے ہی کو تھے کہ دروازے سے باہر بڑا غل شور ہوا۔ کوئی شخص باہر کا اندر آنا چاہتا ہے اور دربان اُسکو روکتے ہیں جب غل بہت

بڑھا تو ہملکار نے حکم دیا کہ جو آدمی اندر آنا چاہتا ہے اُسکو آنے دو۔ دیکھا گیا تو یہ ایک بُڑھیا حبشن تھی جو ہملکار کے سامنے حاضر ہوئی۔ کُبڑی، چہرے پر جُھریاں پڑی، سر سے پاؤں تک ایک نیلے رنگ کی چادر میں لپٹی ہانپتی کانپتی ہملکار کے سامنے آئی۔ اب ایک دوسرے کا مُنہ دیکھنے لگا۔ ہملکار حیرت سے چونک پڑا اور ہاتھ کا اشارہ کرتے ہی جتنے غلام وہاں کھڑے تھے باہر چلے گئے۔ اس کے بعد ہملکار نے بُڑھیا کو اشارہ کیا کہ احتیاط سے قدم رکھے۔ چُنانچہ ہملکار اُس کا ہاتھ پکڑے دُور کے ایک کمرے میں لے گیا۔

یہاں اِس بُڑھیا حبشن نے زمین پر گر کر ہملکار کے قدم چُومے۔ ہملکار نے اُسکو سختی سے اُٹھایا اور کہا۔

"ایدی بعل، تم نے اُسے کہاں چھوڑا؟"

ایدی بعل نے جواب دیا "وہاں سامنے" اور اتنا کہہ کر جو چادر لپیٹے تھا اُسے اُتار پھینکا۔ اور آستین سے مُنہ ملا تو وہ چہرے کا سیاہ رنگ اور بُڑھاپے کی جُھریاں اور کُبڑا پن سب غائب ہو گیا اور معلوم ہوا کہ وہ حبشن نہ تھی بلکہ ایک توانا اور مضبوط بُڈھا مرد تھا۔ جلد اُس کی گرم ہواؤں اور سمندر کی ریت کی وجہ سے کلسیا گئی تھی۔ چندیا پر مُٹھی بھر بال اس طرح اُٹھے تھے جیسے کسی طائر کی کلغی ہو۔ اب اِس بُڈھے نے نفرت سے اُن چیزوں کی طرف اشارہ کیا جن سے اُس نے بھیس بھرا تھا۔

ہملکار نے کہا "ایدی بعل تم نے یہ بھیس تو خوب بھرا!" اتنا کہہ کر اُس نے اپنی مُتجسس نگاہ سے اِس بُڈھے مرد کو دیکھ کر پوچھا "کہو ابھی تک کسی کو اُس بات پر شبہ تو نہیں گُذرا؟"

بُڈھے نے خُدائے کبیری کی قسم کھائی اور کہا کہ جو بات رازداری کی اُسکے

سپرد ہوئی تھی وہ ابتک راز ہی ہم اپنے چوبی مکان سے کبھی دُور نہیں جاتے اور یہ مکان ہدری سیتم سے تین دن کی راہ سمندر کے کنارے واقع ہی۔ جہاں سوائے کھجوروں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اور ریت کی پہاڑیوں پر بھی انہی درختوں کے جھنڈ ہیں۔ اور آقا اپنے حضور کے حکم کے مطابق میں اُسے آجکل جاولن کو ٹھیک نشانے پر پھینکنا اور رتھ میں گھوڑے لگا کر اُس کا ہانکنا بھی سکھاتا ہوں"

ہملکار نے پوچھا "کچھ مضبوط بھی ہو گیا؟"

ایدی ابعل "حضور وہ بڑا طاقتور، نڈر اور ہمت والا اُٹھا ہے۔ نہ وہ سانپ سے ڈرتا ہے اور نہ گرجتے بادل سے، اور بھوت پریت سے اُسے مطلق خوف نہیں ہے۔ ایک چرواہے کی طرح وہ پہاڑوں کی چوٹی چوٹی بے تکلف کودتا پھاندتا دوڑتا پھرتا ہے"

ہملکار بولا "اچھا کچھ اور باتیں اُسکی سناؤ"

ایدی ابعل "جنگلی درندوں کو جیتا پکڑنے کے لئے وہ طرح طرح کے پھندے اور ترکیبیں نکالتا ہی۔ کوئی ایک مہینہ ہوا ہوگا حضور یقین مانیں کہ ایک بہت بڑا عقاب اُس نے اپنی کسی ترکیب سے پکڑ لیا۔ جب وہ اس عقاب کو اُٹھائے لاتا تھا تو خود اُسکا اور عقاب کا خون اس طرح بڑے بڑے قطروں میں ٹپکتا تھا جیسے گلاب کی پنکھڑیاں ہوا سے ٹوٹ کر زمین پر گرتی ہوں۔ عقاب نے غصے میں اُسے اپنے پروں میں لپیٹ رکھا تھا مگر اُس نے اپنے سینے سے لگا کر عقاب کو اس زور سے دبایا کہ اُس نے وہیں جان توڑ دی اور یہ دیکھکر وہ ہنسا۔ کیا بتاؤں کہ اُس کی ہنسی کی آواز کیسی تھی معلوم ہوتا تھا کہ تلوار سے تلوار لگنے کی جھنکار ہی۔ اور جب تک عقاب سے کشتی ختم نہ ہولی ہنسی برابر بڑھتی ہی گئی"

ایدی ابعل نے اتنا کہہ کر یہ بھی کہا "مگر اب کچھ دنوں سے وہ بیچین سا

رہتا ہے اور سمندر پر دُور سے جو جہاز آتے ہیں اُن کے بادبانوں کو غور سے دیکھا کرتا ہے۔ پہلے کی بہ نسبت اب وہ افسُردہ خاطر زیادہ رہتا ہے۔ کھانا بھی اچھی طرح نہیں کھاتا۔ خداؤں کے متعلق مجھ سے اکثر سوال کیا کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ قرطاجنہ کے حالات بھی کچھ معلوم ہوں۔"

ہملکار نے کہا۔ "نہیں، ہرگز نہیں۔ ابھی نہیں۔"

بُڈھا غلام اُس خطرے کو سمجھ گیا جو ہملکار کے دل میں اس وقت تھا۔ اور کہنے لگا۔ "حضور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اُسکو کس طرح روکوں۔ مجبور ہو کر میں نے بہت سی باتوں کا وعدہ اس سے کر لیا ہے۔ اور میں قرطاجنہ صرف اس غرض سے آیا ہوں کہ اُسکے لیئے چاندی کے قبضے کا ایک خنجر خریدوں جس میں موتی لگے ہوں۔"

اس کے بعد اس بُڈھے نے کہا کہ "میں نے حضور کو رواق پر دیکھ کر پہچانا۔ اور حضور کی قدمبوسی حاصل کرنے کے لیئے میں نے دربانوں سے کہا کہ میں سلامبو کی لونڈی ہوں۔"

دیر تک ہملکار کسی فکر میں غرق رہا۔ آخر کار بولا۔

"کل آفتاب غروب ہونے پر تم میگارا میں رنگ سازی کے کارخانوں کے پچھواڑے حاضر ہو اگر مجھ سے ملنا نہ ہو سکے تو ہر مہینے کی پہلی تاریخ قرطاجنہ میں آتے رہو۔ دیکھو کوئی بات بھول نہ جانا ہر وقت اُسی کی خدمت کیلئے اُسکے پاس رہو اور اب تم اُس سے میرا ذکر کر سکتے ہو۔"

حصارِ قرطاجنہ کے مشرق رُو یہ پیش طاق سے داخل ہو کر گھاس سے گذرتے ہوئے کیسندو کے راستوں کو طے کر کے عطر فروشوں کے بازار میں آئے۔ کہیں کہیں جو روشنیاں ہو رہی تھیں وہ بھی گُل ہونے لگیں۔ بڑے بازار میں سناٹا ہو چلا۔ اور آدمی تاریکی میں پرچھائیوں کی مانند گذرتے نظر آتے۔ یہ لوگ ہملکار کے

پیچھے پیچھے چلے آتے تھے۔ اُن کے پیچھے اور لوگ تھے۔ سب کا رُخ مابیلیا کا تھا۔ موتنخ کا ہیکل ایک ایسے مقام پر تھا جہاں لوگوں کی آمد و رفت کم تھی۔ یہ ہیکل ایک نالے کے اُونچے کنارے پر تھا۔ قریب سے گذرنے والوں کو سوائے اُسکی دیواروں کے جو بہت بلند تھیں اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اور یہ دیواریں کسی عالیشان مقبرے کی معلوم ہوتی تھیں۔ رات اندھیری تھی اور سمندر پر غلیظ کہر چھایا تھا جو کنارے کے چٹانوں سے ٹکرا کر ایسی آواز پیدا کرتا تھا جیسے رونے میں کوئی سُبکیاں لیتا ہو۔ رفتہ رفتہ تاریکی اس طرح دُور ہوئی کہ گویا دیواروں میں چھپ بیٹھی۔

لیکن جب دہلیز سے گذر کر اندر قدم رکھا تو معلوم ہوا کہ ایک وسیع مستطیل ایوان ہے جس کے ہر ضلع میں بہت سے ستون لگے ہیں۔ ایوان کے وسط میں ایک ہشت پہل دو منزلہ تعمیر ہے۔ دوسری منزل پر کہیں کہیں بُرجیاں اور بُرجیوں کے بیچ میں ایک عمارت ہے جو اندر باہر سے گول ہے اور اُسکے اُوپر ایک مخروط ہے جسکے نیچے کے کنارے اندر کو مُڑے ہیں اور اس مخروط کی چوٹی پر ایک گولا نصب ہے۔

یہاں بہت سے آدمیوں کے ہاتھ میں بانس تھے اور بانسوں کے اُوپر سونے چاندی کے نہایت نازک تاروں کے قمقمے اسطوانوں کی وضع کے لگے تھے۔ ان میں روشنی تھی جو ہوا کے جھونکے سے گھٹتی بڑھتی تھی۔ اور جو آدمی ان بانسوں کو لیئے تھے اُنکے کندھے اور پشت پر پڑے بالوں میں سونے کے کنگھے روشنی میں چمکتے تھے۔ یہ لوگ اِدھر اُدھر دوڑ کر پکارتے تھے: قدما تشریف لارہے ہیں اُن کا استقبال کرو۔"

فرش کے پتھروں پر مصر کے ابوالہول کی طرح زندہ شیر بیٹھے آنکھوں کے پپوٹے کچھ کھُلے کچھ بند اُونگھ رہے ہیں۔ یہ شیر آفتاب بالندہ کے مظہر ہیں۔ آدمیوں کے قدموں کی آواز سُن کر وہ رفتہ رفتہ بیدار ہوتے ہیں اور قدما کے پاس آکر اُن کی ٹانگوں سے اپنی کمر ملتے ہیں۔ کمر کو کمان بنا کر آواز سے جمائی لیتے ہیں۔ اور اُنکے مُنہ کی بھاپ مشعلوں

کی روشنیوں سے اُوپر دکھائی دیتی ہے۔ اب آدمیوں کا غُل بڑھا۔ ایوان کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ جسقدر کاہن وہاں موجود تھے وہ اُٹھے اور جلدی جلدی چلے۔ قدما بھی ستونوں کی صفوں میں آکر آنکھ سے اوجھل ہو گئے۔ یہ ستون ان چوڑے مدوّر دالانوں کے تھے جو ہیکل کے گرد قائم تھے۔

ستونوں کے حلقے اس طرح تھے کہ ایک حلقہ کے اندر دوسرا اور دوسرے میں تیسرا حلقہ تھا۔ پہلے حلقے میں ستونوں کی تعداد زحل کے دور زمین کے جسقدر سال تھے اُسکے مطابق تھی۔ اس سے اندر کے حلقے میں سال کے مہینوں کے مطابق ستون تھے۔ اور اسکے اندر والے حلقے میں ہر مہینے کے جتنے دن تھے اتنے ہی ستون تھے۔ اس آخری حلقے کے ستون حرم کی مدوّر عمارت میں چُنے تھے۔

ان ستونوں والے دالانوں میں آکر قدیموں نے اپنے عصا، جو غزال کے سینگوں کے تھے رکھدیئے۔ کیونکہ پُرانے وقتوں سے قاعدہ چلا آتا تھا کہ ہیکل کے کسی جلسے میں جو شخص کسی قسم کا ہتھیار لیکر آئے گا تو وہ سزائے موت کا مستوجب سمجھا جائے گا۔ قدما نے اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ اپنے عزیزوں کے سوگ میں ہیں جن کو مستاجروں نے قتل کیا تھا کپڑے نہ بدلے تھے۔ اکثر کے دامن پھٹے تھے اور جہاں جہاں ان میں سوراخ تھے اُن کو سُرخ کپڑے کا پیوند لگا کر بند کیا تھا اور یہ ثبوت اس امر کا تھا کہ ان کے حزن و غم کو بڑھنے سے روک دیا گیا ہے۔ بعض ان میں ایسے تھے جن کی ڈاڑھیوں پر دو دو تھیلیاں نیلے رنگ کی چڑھی تھیں اور ان تھیلیوں کی ڈوریاں کانوں کے پیچھے بندھی تھیں۔ جب وہ ایک دوسرے کے قریب آتے تو گلے ملتے گویا دل سے دل ملاتے ہیں۔ ہملکار کے گرد وہ اس طرح جمع ہوئے جیسے بھائی کو بھائی ایک مرتبہ اور ملنے پر مبارکباد دیتا ہے۔

جُثّے اور قامت میں یہ لوگ پستہ قد اور گٹھیلے تھے۔ ناکیں لمبی آگے کو چونچ نکلی

آشوری بتوں کی سی رکھتے تھے بعض اُن میں ایسے تھے جن کے رُخساروں کی ہڈیاں
اُبھری دراز قامت اور پتلے پتلے پاؤں رکھتے تھے۔ یہ سب افریقی النسل یا خانہ بدوش
قوموں کی اولاد معلوم ہوتے تھے۔ ان میں جو لوگ دُکانوں میں بہی کھاتوں پر بیٹھے
حساب کتاب کیا کرتے تھے اُن کے چہرے پیلے تھے۔ بعض جو صحرائی زندگی بسر کرتے
تھے اور جن کے ہاتھ مختلف مُلکوں کی دُھوپ سے سیاہ ہو گئے تھے اُن کی انگلیوں میں
اعلیٰ جواہرات کی انگوٹھیاں پڑی اپنی چمک دمک دکھاتی تھیں۔ ان میں ایسے لوگ
بھی تھے جنہوں نے قزاقی کا پیشہ اب چھوڑ دیا تھا اور اب اُن کے پاس بڑی بڑی
کھیتیاں تھیں اور وہ لوگ بھی تھے جن کو بحری سیر و سفر کا زیادہ اتفاق ہوا تھا۔
ان کی چال کا ایک خاص ڈھنگ تھا۔ جو لوگ زراعت کے کاروبار میں مصروف
رہتے تھے ان میں شراب، خشک میووں اور خچروں کے پسینے کی بو آتی تھی۔ غرض
روپیہ پیدا کرنے کی سب کو دھت تھی۔ کوئی بحری تجارت میں دولت لگا کر قسمت
آزمائی کرتا۔ کوئی زرعی جائداد کا مالک بن کر بہت سے غلاموں کو مختلف پیشے سکھا کر
اپنے فائدے کا ذریعہ بناتا۔ یہ سب لوگ مذہبی رسوم ادا کرنے کے بڑے پابند، دغا
اور فریب میں مشاق، کسی بُرے کام پر افسوس نہ کرنے والے، دھن دولت سے مالا مال
تھے لیکن اب مدت کی فکر اور پریشانی سے خستہ حال ہو چلے تھے۔ ان کی آنکھوں کی
چمک سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی کا اعتبار ان کو نہیں ہے۔ سیر و سفر کا شوق، جھوٹ سے
محبت، تجارت میں مہارت، کارفرمائی کی خُو، غرض بحیثیت مجموعی جفاکاری، حیلے اور
دغابازیوں نے اُن کو اپنی مجسّم تصویر بنا رکھا تھا۔ اور اُنکی صورتوں سے بے لوث سنگدلی
اور ذرا سی بات پر غیظ و غضب میں آجانا ظاہر تھا۔ صرف خدا پرستی وہ چیز تھی جسنے طبیعتوں
میں کسیقدر اعتدال پیدا کر رکھا تھا۔

پہلے وہ ایک کمرے میں سے گذرے جس کی شکل بیضوی تھی اور اس کی چھت

ڈاٹ کی تھی۔ اِس کمرے میں سبعہ سیارہ کے مطابق سات دروازے تھے۔ دروازے چوکور مختلف رنگوں کے تھے۔ اب آگے ایک لمبے کمرے میں سے ہو کر اسی وضع کے ایک ایوان میں آئے۔

اِس ایوان کے سامنے کے سرے پر ایک بڑا چراغدان جس پر گُل بوٹے کندہ تھے روشن تھا۔ اسکی سات سونے کی ٹہنیوں میں سے سَن کی بٹی ہوئی بتیاں الماس کے پیالوں تک آئی تھیں جن میں یہ بتیاں روشن تھیں۔ یہ چراغدان زینے کی آخری چوڑی سیڑھی پر رکھا تھا۔ اسی زینے کو چڑھ کر قربانگاہ تک پہونچتے تھے۔ قربانگاہ کے دونوں جانب پیتل کے سینگ لگے تھے۔ اور وہیں وہ ختم ہوتا تھا۔ قربانگاہ کی چھت پر پہونچنے کیلئے دو بغلی زینے بھی تھے۔

چھت سپاٹ تھی اور جن پتھروں سے وہ پٹی تھی وہ نیچے سے نظر نہ آتے تھے۔ قربانگاہ کی شکل مجموعی یہ تھی کہ وہ لکڑیوں کا ایک انبار معلوم ہوتا تھا جس کے اوپر کوئی چیز جو صاف نظر معلوم نہ ہوتی تھی جل رہی تھی اور اس سے دُھواں اُٹھ رہا تھا۔ اس سے آگے چراغدان بلکہ قربان گاہ سے بھی بلندی پر مولخ کا بُت سر سے پاؤں تک لوہے کا بنا کھڑا تھا صورت مَرد کی تھی۔ اس کے سینے پر تین دریچے کُھلے تھے اور کُھلے ہوئے پَر دیوار پر پھیلے تھے۔ بُت کے لمبے لمبے ہاتھ زمین تک پہونچے تھے۔ بُت کی پیشانی پر تین سیاہ گول پتھر جن میں ہر ایک کے گرد ایک ایک زرد حلقہ تھا لگے تھے۔ ان سے مُراد بُت کی تین آنکھیں تھیں۔ سر اُس کا بیل کا سا تھا جو نہایت درد و تکلیف کی علامتوں کے ساتھ مُنہ اُٹھائے ڈکارنے کی کوشش کرتا معلوم ہوتا تھا۔

کمرے میں چاروں طرف دیواروں سے ملی ہوئی آبنوس کی چوکیاں رکھی تھیں۔ ہر نشست کے پیچھے ایک ایک برنز کی سلاخ تھی جو نیچے تین پایوں پر جن کی شکل پنجوں کی سی تھی ٹکی تھی۔ اور سلاخ کے اُوپر ایک مشعل روشن تھی۔ ان مشعلوں کی روشنیاں

فرش پر پڑتی تھیں جس پر سیب کے ٹکڑے ہیروں کی وضع میں تراش کر جڑے تھے۔ ایوان کی تمام روشنیاں اِس فرشِ صدف پر اپنا عکس ڈال رہی تھیں۔ ایوان اتنا بلند تھا کہ دیواروں کا سُرخ رنگ رفتہ رفتہ چھت کی تاریکی میں مل جُل گیا تھا۔ اور مولخ کے بُت کی آنکھیں اور بھی بلندی پر اس طرح نظر آتی تھیں جیسے ستاروں کی روشنی جن کو کچھ کچھ تاریکی نے چھُپا دیا ہو۔

قدما جب کرسی پر بیٹھنے لگے تو اُنھوں نے اپنی قباؤں کے دامن سمیٹ کر اپنے سروں پر رکھ لئے۔ کچھ دیر تک وہ بالکل بے حس و حرکت آستینوں کے اندر ہاتھ پر ہاتھ رکھے خاموش بیٹھے رہے۔ ایوان کا فرش ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کہ ایک چمکتا ہوا دریا قربان گاہ سے بہتا ہوا دروازے تک آیا ہے اور ان بزرگانِ قوم کے برہنہ قدموں کے نیچے نکل گیا ہے۔

وسطِ ایوان میں چار سردار کاہن عاج کی کرسیوں پر جو چلیپا کی شکل میں بچھی تھیں پیٹھ سے پیٹھ لگا کر بیٹھے۔ عشمون کا کاہنِ اعظم نرگسی لباس۔ تانیت کا کاہن سپید سوتی جبہ، خامون کا کاہن بھورے رنگ کا اونی جبہ اور مولخ کا کاہن سُرخ لباس پہنے تھا۔

ہملکار نے چراغدان کے پاس آکر اُس کا طواف کیا اور روشن بتیوں میں سے ایک ایک کو غور سے دیکھا۔ اور پھر ایک خوشبو دار سفوف اُن پر چھڑکا۔ چھڑکتے ہی چراغدان کی سُنہری ٹہنیوں کے سروں پر روشنی اُودے رنگ کی ہوگئی۔

پھر ایک تیز آواز آئی۔ دوسری آواز نے جواب دیا۔ اور مجلس قدما کے سو ارکان اور چاروں سردار کاہنوں نے اور ہملکار نے جواب تک کھڑا تھا مل کر ایک دُعا پڑھی جس میں ایک ہی جُملے کو بار بار دُہرایا گیا۔ یہ ملی ہوئی آوازیں رفتہ رفتہ تیز ہوتی گئیں۔ پھر وہ پوری قوت سے بلند ہو کر خوفناک، پھر یکایک ہلکی پڑ کے خاموش

ہوگئیں۔

کچھ دیر تک ایوان میں خاموشی رہی۔ آخر کار ہملکار نے اپنی جیب سے ایک تین سر کی نیلم کی بنی ہوئی مورت نکال کر اپنے سامنے رکھی۔ یہ خدائے صدق کی مورت تھی اور اسی صدق و صفا کے جوش میں ہملکار نے تقریر کی۔ اور تقریر کے بعد اس مورت کو پھر اپنے سینے کے لباس میں رکھ لیا۔ اس پر ایوان میں جتنے لوگ تھے اُنہوں نے نہایت غصّے سے چلا کر کہا۔

"یہ وحشی متاجر تو تیرے بڑے دوست تھے ہملکار تو باغی اور بدمعاش ہے اور تو اسلئے واپس ہوا ہے کہ ہماری تباہی اپنی آنکھوں سے دیکھے" کچھ لوگوں نے کہا "ہملکار کو جو کچھ کہنا ہے اُسے بھی تو کہنے دو" جواب ملا "نہیں نہیں"

ادائے رسوم کے وقت سے جو غبار دلوں میں بھرتا آیا تھا اُس کی کسر اب نکالی گئی۔ گو یہ سچ ہے کہ ہملکار کی واپسی کا اُن کو سخت انتظار تھا۔ لیکن اس وقت اُن کو غصہ جس بات پر تھا وہ یہ تھی کہ جو آفتیں پیش آنے والی تھیں اُن کو ہملکار نے پہلے ہی سے کیوں نہ دیکھ لیا۔ یا اس بات پر خفا تھے کہ جو مُصیبتیں اُن پر پڑیں اُس میں ہملکار کو کوئی حصہ نہ ملا۔

جب غُل کچھ کم ہوا تو موزنخ کا سردار کاہن اپنی کرسی سے اُٹھا۔ اور ہملکار سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

"ہم پوچھتے ہیں کہ تم قرطاجنہ کو جلد واپس کیوں نہ آئے"

ہملکار نے حقارت سے جواب دیا کہ "میری واپسی غیر واپسی سے تم کو کیا بحث؟"

اس پر حاضرین میں شور بڑھا۔

ہملکار بولا "آخر وہ کیا الزام ہے جو تم مجھ پر رکھتے ہو۔ شاید الزام یہ ہو کہ میں نے لڑائی میں انتظام درستی سے نہیں کیا۔ اپنے کام کے متعلق جنگ کی جو کیفیتیں تحریری

ہیں نے بھیجی تھیں وہ تمہاری نظر سے گذری ہونگی مگر تم خود جن کو اپنی حفاظت کا اسدرجہ خیال تھا تم نے مستاجرہ سپاہ کو......"

"بس بس"

ہملکار نے آواز ہلکی کی تاکہ لوگ زیادہ متوجہ ہو کر سنیں اور کہنا شروع کیا "بیشک یہ سب سچ ہے۔ اے نعل کی روشنیو، میں جھوٹا تم سچے۔ تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہیں جو ہمت رکھتے ہیں۔ "گِسکو، کھڑا ہو" قربان گاہ کی سیڑھی پر ٹہل کر کسی قدر آنکھیں بند کر کے جیسے کوئی کسی کو تلاش کرے ہملکار نے پھر وہی الفاظ کہے۔ "گِسکو، کھڑا ہو تو البتہ مجھ کو الزام دے سکتا ہے اور قدما تیری حمایت میں کچھ کہہ سکتے ہیں مگر گِسکو ہے کہاں؟" پھر جیسے کوئی بھولی بات یاد کرتا ہے، تامل کے بعد بولا "اچھا وہ تو اس وقت اپنے گھر میں خوش بیٹھا ہوگا۔ اسکے فرزند اسکے گرد ہونگے۔ غلاموں کو حکم دے رہا ہوگا یا ملک نے جو جو انعام اسکو دئے ہیں ان کو بیٹھا شمار کرتا ہوگا اور یہ انعام اسکے گھر کی دیواروں پر نصب ہونگے۔"

اتنا سنکر قدما اس طرح بل کھانے لگے جیسے کسی نے شانے پر کوڑے مارے ہوں۔

ہملکار بولا "تو اچھا آپ کو اتنا بھی علم نہیں کہ گِسکو زندہ ہے یا مر گیا" حاضرین کے چیخنے چلانے کی ہملکار نے پروا نہ کی۔ اور برابر کہتا رہا "تم نے شفیتی سے پہلو تہی کرنے میں ریاست سے پہلو تہی کیا ہے اور یہی حال رومانیوں سے تمہاری صُلح کا ہے۔ اس وقت ممکن ہی صلح سے کچھ فائدہ نکل آئے لیکن یاد رہے کہ بیس لڑائیوں سے بھی زیادہ مُہلک تمہاری یہ صُلح ثابت ہوگی" سامعین میں بعض لوگوں نے ہملکار کے اس جُملے کی تعریف کی۔ یہ لوگ وہ تھے جو مجلس کے ارکان تھے مگر دولت زیادہ نہ رکھتے تھے۔ اور اُن کی نسبت عام خیال یہ تھا کہ یا تو وہ جمہوریت کے حامی ہیں، یا

مطلق العنان طرز حکومت کے۔ اُن کے مخالف سی سیتیا کے سردار یا انتظامی صیغوں کے عہدہ دار تھے اور اُن کی تعداد زیادہ تھی اس لئے اُن کو تفوق حاصل تھا جو لوگ اس مجمع میں زیادہ صاحب وقار تھے وہ حانو کے قریب بیٹھے تھے۔ حانو کمرے کے دوسرے سرے پر یعنی باہر نکلنے کے دروازے کے سامنے بیٹھا تھا۔ یہ دروازہ اسوقت بند تھا اور اس پر نرگسی رنگ کا ایک پردہ بھی پڑا تھا۔

حانو کے چہرے پر جو پھوڑے پھنسیاں تھے اُس کو اُس نے رنگ دے کر چھپا رکھا تھا۔ لیکن شانوں پر جہاں بالوں سے سونے کے ذرّے جھڑ کر گرے تھے وہاں دو بڑے زخم تھے جن پر سپیدی آچکی تھی۔ وہ نرم تھے اور اُن پر گول گول جھریاں جیسے اُون کے حلقے ہوتے ہیں پڑ چکی تھیں۔ حانو کے دونوں ہاتھوں پر سُوتی کپڑے کی تھیلیاں چڑھی تھیں۔ جو تیل میں اتنی تر تھیں کہ بوندیں فرش پر ٹپکتی تھیں۔ یقیناً اُس کے مرض میں پہلے سے اب زیادتی تھی۔ پپوٹوں پر اتنا ورم تھا کہ آنکھیں اُن میں چھپ گئی تھیں۔ اور سر کو بہت پیچھے ڈال کر کوئی چیز دیکھ سکتا تھا۔ اب اُس کے فریق والوں نے کہا کہ "آپ کچھ تقریر کریں"۔ چنانچہ اُس نے بہت ہی کھرکھری آواز میں کہا۔

"برقہ، اتنی بڑھ چڑھ کر گفتگو نہ کرو۔ شکست ہم سب کو ہوئی ہے اور ہر شخص کو اپنی مصیبت کا بار اُٹھانا ہے۔ اس لئے اپنے نقصان کو بھی صبر کے ساتھ برداشت کرنا چاہیئے"۔

اس پر ہملکار نے مُسکرا کر کہا۔ "یہ تو فرمائیے کہ آپ اپنے لڑائی کے جہاز رومانیوں کے بیڑے میں سے کیونکر نکال لائے"۔

حانو نے جواب دیا۔ "سامنے کی ہوا ادھر ہانک لائی"۔

ہملکار بولا۔ "حانو، تمہارا حال تو گینڈے کا سا ہے جو اپنے ہی بول و براز پر کود اچھلکر

ان کو پامال کرتا ہے۔ تم اپنے قصور کو بیان کرنے میں بھی لُطف اُٹھاتے ہو۔ بس خاموش رہو۔" اب اِن دونوں نے ایک دوسرے کو سخت سُست الفاظ جنگ اگاتیس کی بارے میں کہے۔

حانو ہملکار کو الزام دینے لگا کہ ہملکار اُسکی مدد کو نہ آیا۔

ہملکار بولا۔" اگر میں تمہاری مدد کو آتا تو اُس کے معنی یہ تھے کہ ایرکس کے میدان کو بے پناہ چھوڑ دیتا۔ تم کو چاہیئے تھا کہ کُھلے سمندر میں آجاتے۔ اس میں کونسی چیز تمہارے مانع تھی۔ ہاں میں بھُولا۔ ہاتھی جتنے ہوتے ہیں سب کو سمندر سے ڈر لگتا ہے۔"

ہملکار کے دوستوں نے اِس جُملہ کی بڑی داد دی اور سب قہقہے لگا کر ہنسنے لگے۔ ایوان کی چھت اس طرح گونجی جیسے نیچے تاشے بجتے ہوں۔

حانو نے ہملکار کی اس زباندرازی پر اعتراض کیا اور کہا کہ" مجھے جو مرض ہے وہ ہیکاتوم پیلوس کے محاورے میں سرد ہوا کے لگنے سے پیدا ہوا تھا۔" اور اتنا کہنے کے بعد حانو کی آنکھوں سے رُخساروں پر آنسو اس طرح بہنے لگے جیسے جاڑے میں مینہ کی بوندیں کسی ٹوٹی ہوئی دیوار پر بہیں۔

ہملکار نے کہا۔" اے بزرگانِ قوم اگر آپ میرے ساتھ بھی وہی جوشِ خدمت ظاہر فرماتے جو آپنے حانو پر ظاہر کیا تو آج قرطاجنہ میں شادیانے بجتے ہوتے۔ کتنی مرتبہ میں نے آپسے فریاد کی مگر آپنے ہمیشہ روپیہ بھیجنے سے اِنکار کیا۔"

اس کا جواب سرداران سی سیتیا نے یہ دیا کہ" ہم کو خود روپے کی ضرورت تھی۔"

ہملکار نے کہا۔" اِس روپے کے نہ پہونچنے سے ہم بُرے حال کو پہونچے۔ ہم نے خچروں کا پیشاب پیا، جوتوں کا چمڑا کھایا۔ اور میں سوچتا تھا کہ کاش ہر گھاس کا پٹھا سپاہی ہوتا۔ اور اپنے مُردہ سپاہیوں کی سڑی ہوئی لاشوں سے پوری فوج بھرتی

کرلیتا۔ یہ وقت مجھ پر تھا کہ تم نے جہازوں کو وطن واپس طلب کرلیا۔ جو میں نے وہاں چھوڑ رکھے تھے۔"

اس پر بعت بعل کا نہائے وار تیان کا مالک بولا "ہم سب چیزوں کا نقصان تو نہیں اٹھا سکتے تھے۔"

ہملکار "تو پھر تم قرطاجنہ میں بیٹھے کیا کرتے رہے۔ فصیلوں سے محفوظ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے کس کام میں مصروف رہے۔ دریائے ایری واموس کے کنارے گالیہ والے موجود تھے۔ ان کو ترغیب ہی دیتے کہ وہ روما پر حملہ کریں۔ کا یرنی میں کنعانی موجود تھے۔ انہی کو بلا لیتے۔ اور جس زمانے میں روما نے مصر کے بادشاہ بطلیموس کے پاس اپنے ایلچی بھیج رکھے تھے......"

حاضرین بولے "ہملکار چاہتا ہے کہ ہم رومانیوں کی تعریف کریں۔"

پھر کسی نے چیخ کر ہملکار سے پوچھا "یہ تو فرمایئے کہ رومانیوں نے آپکو کتنا روپیہ دیا تھا کہ آج آپ انکی حمایت کرتے ہیں؟"

ہملکار بولا "اس کا جواب برو تیم کے میدانوں سے پوچھو۔ لوکری، میتا پونتم اور ہرقلہ کے کھنڈروں اور ویرانوں سے دریافت کرو۔ میں نے ان کے درخت جلائے ہیں۔ ان کے تمام مندر اور بت خانے لوٹے ہیں۔ اور اس وقت تک کہ ان کے پوتوں کے پوتے مریں میں نے......"

اس پر کیپوراس ایک مقتدر تاجر کہنے لگا "اتنی بلاغت صرف کرنے سے کیا حاصل۔ آخر بتاؤ تو کہ تم چاہتے کیا ہو؟"

ہملکار بولا "میرا کہنا یہ ہے کہ یا تو تم زیادہ چالاکیوں سے کام لو یا اپنا خوف دوسروں کے دلوں میں زیادہ بٹھاؤ۔ اگر آج کل افریقہ ہماری حکومت کا جوا اپنے کندھوں سے اتار پھینکے تو بالکل بجا اور درست ہوگا کیونکہ ہم نے اسے نہیں اس کی نظروں میں کمزور

مالک اور آقا ثابت کیا ہے اور تم نہیں جانتے کہ یہ جوا پھر اُسکے کندھوں پر کیونکر رکھا جا سکتا ہے۔ اگا تھوکلیز، ریگیولس، کیپیو۔ یہ سب عزم اور ہمت کے لوگ ہیں۔ اگر یہ صرف اتنا کریں کہ ہمارے ساحلوں پر چلے آئیں تو پھر قرطاجنہ اُن کا ہو جائیگا۔ اگر کبھی مشرق میں لیبیہ والے مغرب میں نمودیا والوں سے مل گئے۔ اور جنوب سے صحرائی قوتیں چل پڑیں اور شمال سے رومانی حملہ آور ہو گئے تو پھر......"

سب طرف سے خوف و خفگی کی ایک صدا بلند ہوئی۔"

ہنکار: ...... اُس وقت تم اپنی چھاتیاں پیٹو گے۔ خاک میں لوٹو گے۔ کپڑے پھاڑو گے مگر ان حرکتوں سے کچھ نہ ہوگا۔ پھر تمہارا یہ لکھا پورا ہوگا کہ سوما را میں اناج پیسو اور نمبیدیا کی پہاڑیوں پر انگور چنو۔"

اتنا سُن کر تمام حاضرین اپنی بانہیں مارنے کوٹنے لگے جو شدید غیظ و غضب کی علامت تھی۔ اب اُن کی قباؤں کی آستینیں اس طرح ہلنے لگیں جیسے کسی زخمی پرندے کے پر پھڑکتے ہوں۔ ہنکار قدم بڑھا کر قربان گاہ کے سب سے اونچے مقام پر گیا۔ اور دونوں ہاتھ اُٹھائے۔ چراغدان کی روشنی رنگی انگلیوں کی جھریوں میں سے سونے کے تیروں کی طرح سے گزرتی اور چمکتی دکھائی دیتی تھی اور اب اس نے اس طرح جیسے خدا کی طرف سے کوئی بات اُترے حاضرین سے کہا۔

"قرطاجنیو۔ سمجھ لو کہ تمہارے یہ جہاز اور سفینے۔ تمہارے محل اور مکانات، تمہارے باغیچوں کے رتھ اور کوچیں جن پر لیٹ کر جھولوں کی طرح جھولتے ہو۔ تمہارے غلام جو تمہارے پاؤں دباتے ہیں۔ یہ سب تمہارے قبضے سے نکلنے والے ہیں۔ تمہارے محلوں میں گیدڑ بسیں گے اور تمہاری قبروں پر ہل پھر جائے گا۔ اور سوائے عقاب کی صفیر اور ٹوٹی عمارتوں کے ڈھیروں پر ڈھیروں کے اور کچھ باقی نہ رہے گا۔ قرطاجنہ تو غارت ہو جائے گا۔"

چاروں سردار کاہنوں نے اپنے ہاتھ اونچے کئے کہ ہملکار کی اس بددعا سے محفوظ رہیں۔ سب لوگ کسی قصد سے سروقد کھڑے ہوگئے۔ لیکن بجز ہی شفیتی ہملکار جو عمال مقدسہ میں سے تھا اور اس وجہ سے رب الشمس کی پناہ اور حفاظت میں تصور کیا جاتا تھا تا وقتیکہ دولتمندوں کی مجلس اس کو مجرم نہ قرار دے لے کوئی اسکو گزند نہ پہنچا سکتا تھا، قربانگاہ پر کھڑا رہا۔ یہ مقام خاص تقدس و توہم سے دیکھا جاتا تھا۔ اسلئے حاضرین آگے بڑھ کر پیچھے ہٹے۔

ہملکار نے اپنی تقریر بند کی۔ نگاہ ایک طرف جمی تھی۔ اور چہرے کا رنگ کلاہ کے موتیوں سے بھی زیادہ زرد تھا۔ فرش کے شمعدانوں کی روشنیاں اسے ایسی معلوم ہوتی تھیں جیسے زمین پر شعلوں کا ایک گٹھا پڑا ہو۔ شمعوں سے سیاہ دھواں اٹھکر چھت کی تاریکی میں غائب ہوجاتا تھا۔ کچھ دیر تک خاموشی اسدرجہ رہی کہ دور سمندر کی موجوں کی آواز سنائی دینے لگی۔

اب قدما نے آپس میں سوالات شروع کئے مستاجر سپاہ اس وقت ان کو نقصان پہونچانے اور غارت کرنے کے درپے ہیں۔ بغیر شفیتی ہملکار کے ان کو زیر و مغلوب کرنا غیر ممکن ہے۔ اور یہ صورت ایسی ہے کہ جس کے لئے باوجود اپنے غرور اور خودداری کے اور تمام باتوں کو نظر انداز کرنا لازمی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ہملکار کے ہواخواہوں کو علیحدہ بلاکر اُن سے گفتگو شروع کی۔ اور اپنی غرض و مطلب کیلئے انہوں نے باہمی مفاہمے اور قول و اقرار کئے۔ ہملکار نے نظم حکومت میں کسی خدمت کو ادا کرنے سے قطعی انکار کیا۔ سب نے اسکی خوشامدیں اور منتیں کیں۔ اس اثنا میں کسی کے منہ سے 'باغی' کا لفظ نکلا۔ ہملکار پھر برہم ہوا اور کہنے لگا: "باغی ہم میں صرف ایک ہے اور وہ باغی مجلس عظمیٰ ہے۔" وہ جانتے تھے کہ جنگ کے ختم ہونے پر تنخواہ دار فوجوں کی خدمت کا زمانہ ختم ہوجاتا ہے۔ پس مجلس کا فرض تھا کہ ان فوجوں کو برطرف کرکے انکو

آزاد کر دیتی؛ ہملکار نے مستاجر فوجوں کی بہادری اور اُن فوائد کا ذکر کیا جو اُنسے سلطنت کو حاصل ہوئے تھے۔ اور اُس فائدے کو بھی بیان کیا جو اِن فوجوں کے لوگوں کو جاگیریں اور مراعات دینے سے حاصل ہو سکتا تھا۔

مگر اُس نے جو ایک وظیفہ دار صوبیدار تھا اپنی آنکھوں کی زرد پتلیاں پھیر کر کہا۔ "حقیقت یہ ہے کہ برقہ تم کو تمہارے اِس سیر و سفر نے تمکو یونانی یا لاطینی یا کچھ اور بنا دیا ہے۔ تم ایسے لوگوں کے حق میں انعام کی سفارش کیوں کرتے ہو۔ ہمارے ایک کے مقابلہ میں اگر یہ دس ہزار بھی مر جائیں تو ہم کو پروا نہ ہونی چاہیئے۔"

قدماء نے سر ہلائے کہ بات اچھی کہی۔ اور کچھ منہ ہی منہ میں بڑبڑائے بھی۔ اور کہنے لگے "بالکل درست ہے۔ مستاجروں کی مدح سرائی کیوں کی جائے۔ وہ تو ہر وقت آسانی سے دستیاب ہو سکتے ہیں۔"

ہملکار بولا "اور آسانی ہی سے برطرف کئے جا سکتے ہیں۔ کیوں کیا یہ بات صحیح نہیں ہے۔ ان مستاجروں کو اُن کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے کہ جو چاہے وہ کریں۔ جیسے کہ جزیرہ سروانیہ میں تم کر چکے ہو۔ دشمن کو راستہ بتا دیا جائے تاکہ وہ اُسے اختیار کرے جیسے کہ گالیہ والوں کے ساتھ پیش آیا۔ یا پھر ان کو کسی سمندر میں کسی چٹان یا ٹاپو میں اتار دیا جائے۔ چنانچہ میں نے راستے میں آتے ہوئے ایسے ٹاپو اور چٹان دیکھے ہیں جو ہڈیوں سے سپید ہو رہے تھے۔"

کیو راس نے طنزاً کہا "واقعی کسیقدر تکلیف دہ امر ہو گا۔"

اس پر اور لوگ بول اُٹھے کہ "کیا سو مرتبہ ایسا نہیں ہوا کہ یہ مستاجر دشمن سے جا ملے ہوں۔"

ہملکار کہنے لگا کہ "پھر تم کیوں ان کو قرطاجنہ میں لے آئے۔ وہ مفلس و قلاش تعداد میں بے شمار تھے۔ جب ایک مرتبہ وہ تمہارے شہر میں گھس آئے اور تمہاری دولت

اور ثروت انہوں نے دیکھی تو پھر کیا کچھ ترغیب اُن کو نہ ہوئی ہوگی۔ تم کو کبھی یہ سوجھا بھی نہ ہوگا کہ اُن میں پھوٹ ڈلوا کر اُن کے زور کو گھٹا دو۔ اسکے بعد تم اُن کو مع اُن کی بیوی بچوں کے شہر سے نکال دیتے ہو۔ اتنا خیال بھی تم کو نہ ہوا کہ اُن میں سے کسی کو بطور ضمانت کے اپنے پاس رکھو۔ کیا تم اس جانچ پڑتال میں ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کا گلا کاٹ کر ختم ہو جائیں گے۔ تاکہ تمکو وہ تمہارے قول اقرار کو پورا کرنے کی تکلیف سے بری کر دیں۔ تمکو اُن سے اسوجہ سے نفرت و عداوت ہے کہ وہ تم سے طاقت میں زیادہ ہیں۔ اور مجھ سے جو اُن کا سردار اور سپہ سالار ہے تم کو اور بھی نفرت ہے۔ ابھی ابھی کا ذکر ہے کہ جب تم میرے ہاتھ چومتے تھے تو ہر ایک اپنی طبیعت کو روکتا تھا کہ میرا ہاتھ کاٹ کیوں نہ کھائے"

اب ایوان میں اتنا شور ہوا کہ اگر صحن کے شیر دھاڑتے ہوئے اندر آتے تو اتنا غل نہ ہوتا۔ عشمون کا کاہن اعظم اٹھا۔ گھٹنے سے گھٹنا جوڑے اور پہلوؤں سے کہنیاں ملائے آدھا ہاتھ کھولے تھا۔ وہ کہنے لگا "برقہ، قرطاجنہ کی خواہش ہے کہ وہ تمکو متاجروں کے مقابلہ کیلئے قرطاجنی فوجوں پر تمام اختیارات دیدے"

ہملکار نے کہا "میں ایسے اختیارات لینے سے قطعی انکار کرتا ہوں"

سی سیتیا کے سرداروں نے کہا کہ "ہم تم کو اختیارات کلی عطا کرتے ہیں"

ہملکار نے کہا "میں قبول نہیں کرتا"

سی سیتیا کے سرداروں نے پھر کہا "تم پر کوئی حاکم نہ ہوگا۔ ہر صیغے کے کچھ اختیارات تم کو حاصل رہیں گے جسقدر روپیہ طلب کروگے دیا جائیگا۔ جتنے آدمی قید کروگے جسقدر مال غنیمت حاصل کروگے وہ سب تمہارا ہوگا۔ اور دشمن کے ہر مقتول پیچھے تمکو ریاست کی طرف سے پچاس زرعہ زمین دی جائیگی"

ہملکار بولا "تمہارا کسی پر فتح پانا غیر ممکن ہے"

ایک آواز آئی "ہمکار مستاجروں سے ڈرتا ہے"

ہمکار بولا "اس لئے کہ تم بزدل ہو، بخیل ہو، احسان فراموش ہو، طبیعت کے کمینے ہو اور احمق بھی ہو"

آواز آئی "یہ تو مستاجروں کے فائدے کی سوچتا ہے"

پھر آواز آئی "ممکن ہے مستاجروں کا سپہ سالار بننا چاہتا ہو"

ایک شخص بولا "ہاں، انکا سپہ سالار بنکر ہمارے مقابلہ میں لڑیگا"

ایوان کے ایک سرے سے حانو نے چلا کر کہا "وہ تو بادشاہ بننا چاہتا ہے"

اتنا سنتے ہی بزرگان قوم کرسیوں سے کود کر کھڑے ہوئے۔ کرسیاں الٹ گئیں، مشعلیں فرش پر گریں اور سب کے سب خنجر چمکاتے قربانگاہ کی طرف بڑھے، جہاں ہمکار کھڑا تھا۔ ہمکار نے بھی اپنی آستینوں میں ہاتھ ڈالکر دو چوڑی چکلی باڑ کی تلواریں نکالیں۔ بایاں پاؤں آگے بڑھا تھا۔ آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ دانت پچی تھے۔ اور اس شکل میں وہ کل مجمع کے مقابلہ پر آمادہ تھا۔

قدمائے مورخ کے ہیکل میں احتیاطاً ہتھیار لانے کی جرأت کی تھی۔ یہ سخت جرم تھا۔ اب ان میں ایک نے دوسرے کی شکل پریشانی کے ساتھ دیکھنی شروع کی۔ لیکن چونکہ سب ایک ہی جرم کے مرتکب تھے اس لئے اطمینان ہوا اور اب ہمکار کی طرف سے سب پیٹھ موڑ کر دل میں سخت شرمندہ و خجل دروازے کی طرف چلے۔ بعض کچھ دیر تک کھڑے رہے۔ بعض ایسے بھی تھے جنکی انگلیاں زخمی ہو گئی تھیں کسی نے زخمی انگلیاں منہ میں رکھ لیں۔ کسی نے دامن میں انکو چھپالیا۔ جب یہ لوگ ایوان سے چلنے کو ہوئے تو ہمکار نے یہ الفاظ سنے:۔

"ہاں۔ یہ انکار اس نے اپنی بیٹی کی وجہ سے کیا ہے تاکہ اسکے خیال کو صدمہ نہ پہونچے"

پھر ایک زیادہ تیز آواز یہ کہتی سنائی دی۔

"اس میں ذرا شبہ نہیں کیونکہ وہ اپنے عاشق مستاجروں میں سے انتخاب کرتی ہے۔"

یہ فقرے سن کر پہلے تو ہملکار کو چکر سا آیا۔ پھر اس کی نگاہ شاہابریم پر پڑی۔ تانیت کے کاہنوں میں صرف یہی ایک کاہن تھا جو ابتک اپنی کرسی سے نہ اٹھا تھا۔ دور سے ہملکار سوائے اسکی اونچی ٹوپی کے اور کچھ نہ دیکھ سکتا تھا جسقدر ہملکار کو تکلیف ہوتی تھی قدما اسی قدر خوش ہوتے تھے۔ ہرشخص ہملکار کو دیکھکر طنز اہنستا تھا۔ اور اسی زہر خند کیساتھ جو لوگ پیچھے تھے وہ لگے کہنے۔

"وہ اس لڑکی کے کمرے سے نکلتا دیکھا گیا تھا"

"ہاں۔ تاموز کا مہینہ تھا۔ ایک دن صبح کا یہ واقعہ ہے"

"وہی آدمی تھا جس نے زاعمف چرایا ہے"

"آدمی اچھی شکل وصورت کا ہے"

"تم سے قد میں اونچا ہے"

ہملکار نے سر سے کلاہ جو اس کے منصب کا نشان تھی دونوں ہاتھوں سے اتار کر پوری طاقت سے پھینکی۔ کلاہ سے اس کے سونے کے حلقے جدا ہو کر فرش پر لڑھکنے لگے۔ اور موتی گر کر چورا ہو گئے۔ ہملکار کا سر برہنہ ہوتے ہی لوگوں نے اس کی سپید پیشانی پر ایک لمبا داغ دونوں بھنووں کے بیچ میں دیکھا کہ وہ سرخ سانپ کی طرح لہراتا ہے۔ ہملکار کے تمام جسم پر رعشہ تھا۔ بغل کے زینے سے قربان گاہ پر آیا۔ قصد تھا کہ خدائے مولخ پر قربان ہو کر جان دیدے۔ چراغدان کی روشنیاں اس کے پاؤں تک نہ پہونچتی تھیں۔ دامن کی حرکت سے روشنیاں جھلملاتی تھیں۔ باریک ریت جو قربان گاہ پر بچھا تھا وہ اس کے قدموں سے اڑ کر

کہ تک ایک غبار کا بادل معلوم ہوتا تھا۔ مولخ کے آہنی بُت کی دونوں ساقوں کے بیچ میں آکر اسی باریک ریت کی دو مٹھیاں اُٹھائیں۔ حاضرین ہلکار کی اس حرکت کو دیکھ کر خوف سے لرزنے لگے۔ ہلکار بلکار کر کہنے لگا۔

" قسم ہے تمہارے صد انوارِ بصیرت و فطنت اور ہشت اربابِ کبیری کی سوگند ہے آسمان کے چمکتے اور ٹوٹتے ستاروں کی۔ قسم ہے اُن پہاڑوں کی جن سے آگ اور شعلے نکلتے ہیں اور اُس کی جو جلتا ہے یا جلاتا ہے۔ قسم ہے ریگستان کی تشنگی اور سمندر کی نمکینی کی سوگند ہے غارِ ہدمیتم کی۔ قسم ہے عالمِ ارواح کی اور قسم ہے تباہی اور غارتگری کی۔ قسم ہے تمہارے فرزندوں کی موتی مٹی اور تمہارے برادرانِ سلف کی خاکستر کی جن کے ساتھ میں بھی اپنی خاک ملاتا ہوں کہ تم جو مجلسِ قرطاجنہ کے سوا ارکان ہو تم نے میری بیٹی کی نسبت جھوٹ بولا ہے اور جھوٹا الزام اُس کے سر دھرا ہے۔ بس میں ہلکار برقہ سمندر کا شگفتی۔ دولتمندوں کا سردار، رعایا کا ہادی و رہنما میں اس کا و سر خدائے مولخ کے روبرو قسم کھاتا ہوں۔" —— سب لوگ اس موقع پر دنگ اور خوفزدہ تھے کہ دیکھیے ہلکار کی زبان سے آگے کیا نکلتا ہے مگر یکایک غصہ دھیما کر کے تیز آواز میں کہا —" میں ان باتوں کا ذکر تک اپنی بیٹی سے نہ کروں گا۔"

اب ہیکل کے وہ خدام جن کے بالوں میں سونے کے کنگھے لگے تھے اندر آئے، کسی کے ہاتھ میں سُرخ رنگ کے اسفنج تھے کسی کے پاس کھجوروں کی شاخیں مع پتیوں کے تھیں۔ انہوں نے آتے ہی دروازے پر جو نرگسی رنگ کا پردہ پڑا تھا اُسے اُٹھایا۔ پردوں کے اُٹھتے ہی دروازے کے گوشوں سے لیکر عمارت کے آگے کے حصوں تک ایوان کی سُرخ چھت کے سلسلے میں گلابی رنگ کا آسمان نظر آیا اور یہ گلابی ٹکڑا آسمان کا اُفق کے کنارے زنگاری رنگ سمندر سے ملا معلوم ہوتا تھا۔

آفتاب موجوں کے نیچے سے طلوع ہو رہا تھا۔ دفعتاً اُس کی شعاع مولخ کے رفیع الشان بُت کے سینے پڑی جس کے سات حصے لوہے کی سلاخوں سے بند تھے۔ مولخ کا سُرخ دانتوں والا جبڑا جمائی لینے میں کھلا تھا۔ اور اسکے بڑے بڑے نتھنے پھولے تھے۔ دن کی روشنی میں اس بُت میں جان پڑتی معلوم ہو رہی تھی بُت کے ہیبتناک چہرے پر بے صبری کے خوفناک آثار ظاہر تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ ابھی دوڑ کر اس کائنات کی فضائے لاانتہا ہی کو طے کر کے قرصِ آفتاب سے جا ملیگا۔

اس اثنا میں جو مشعلیں اب تک فرش پر پڑی جل رہی تھیں اُنہوں نے جابجا سیدھ کی پچکاری پر خون کے چلتوں کی مثل داغ ڈال دیئے تھے۔ قدمار اسوقت تھک کر چُور ہو گئے تھے۔ تازی ہوا میں پہونچے تو خوب کھینچ کھینچکر سانس لئے۔ ان کے تمتائے چہروں سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ گو وہ چیختے تھے مگر آواز آتی نہ نکلتی تھی کہ دوسرا اُسکو سُن سکے۔ لیکن تنفیتی ہملکار پر اُن کا غصّہ کم نہ ہوا تھا اور رخصتی سلام کی جگہ اُسکو بُری قسم کی دھمکیاں دیتے چلتے تھے۔ ہملکار بھی کدّ بکلّہ جواب دیتا چلتا۔

کہتے تھے "برقہ، کل شب کو شمون کے ہیکل میں دیکھیں گے"

ہملکار جواب دیتا "ضرور میں وہاں موجود ہونگا"

"ہم تجکو دولتمندوں کی معرفت مجرم قرار دیں گے"

ہملکار جوابدیتا "اور میں تم کو رعایا سے گنہگار ٹھہراؤنگا"

آواز آتی "ہملکار ہوشیار رہنا۔ کہیں دار و صلیب تمہارا انجام نہو"

ہملکار کہتا "تم بھی ہوشیار رہنا۔ کہیں بازار میں تمہارے ٹکڑے نہ اڑائے جائیں"

ہیکل کے صحن کی دہلیز سے باہر آکر سب خاموش ہو گئے۔

جو لوگ باہر آئے تھے اُن کے سائیس اور گاڑی بان اُن کے انتظار میں کھڑے تھے۔ بہت لوگ اپنے سپید خچروں پر بیٹھ کر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ ہملکار کود کر اپنے رتھ پر سوار ہوا۔ گھوڑوں کی راسیں ہاتھ میں لیں۔ گھوڑے پہلے بدکے پھر گردنوں کو خم بنا کر مپانس کا راستہ جس میں چڑھائی تھی اُنہوں نے سرپٹ دوڑ کر طے کیا۔ دوڑتے میں سُموں سے کنکر اُڑتے جاتے تھے اور چاندی کا گدھ جو چوب کے سرے پر لگا تھا وہ پرواز کرتا معلوم ہوتا تھا۔

سڑک ایک میدان میں سے گذری تھی جس میں بہت سے اونچے اونچے پتھر جن پر اہرام سے بنے تھے گڑے تھے (مراد قبروں کے تعویذوں سے ہے۔) ہر قبر کے تعویذ کے بیچ میں ایک پتھر کا کھلا ہوا ہاتھ اوپر کے رخ اٹھا تھا۔ گویا قبر سے مُردے نے خدا سے فریاد کرنے کو ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھایا تھا۔ اسکے بعد مٹی، پتوں، ٹہنیوں اور پھوس کی جھوپڑیاں آئیں۔ یہ جھوپڑیاں مخروطی وضع کی تھیں۔ اُن کی دیواریں نیچی نیچی کنکروں کی بنی ہوئی تھیں۔ جھونپڑیوں میں کسی قاعدے یا قرینے سے فصل نہ رکھا تھا۔ کہیں کہیں بہتے پانی کی نالیاں۔ گھاس کے بڑے بڑے انبار اور پیپل کی سر درختیاں بھی تھیں۔ راستے میں جوں جوں چڑھائی زیادہ ہوتی گئی ہملکار کے باغوں تک پہونچنے میں مکان زیادہ گنجان ہوتے گئے۔ لیکن ہملکار کی نظر ایک برج پر جمی تھی۔ اس برج کی تین منزلیں تھیں جو اوپر نیچے تین اُستوانوں کی شکل رکھتی تھیں۔ پہلی منزل پتھر کی تھی۔ دوسری اینٹوں کی اور تیسری اوپر سے نیچے تک صنوبر کی لکڑی کی تھی۔ سب سے اوپر کی منزل پر چوب [illegible] کے چوبیں ستون نصب تھے اور ان ستونوں پر ایک گنبد قائم تھا۔ ان ستونوں میں پیتل کی پتلی پتلی زنجیریں کنٹھوں کی طرح الجھی ہوئی لٹکی تھیں۔ اس برج کے دائیں طرف جو مکانات تھے وہ مختلف چیزوں کو ذخیرہ کرنے کیلئے تھے۔ کاروباری دفتروں کی عمارتیں تھیں۔ یہ کل مکانات اس برج پر سے نظر آتے تھے۔ اور سرو و شمشاد

کی دوہری قطاروں سے آگے جو برتنز کی دو دیواریں معلوم ہوتی تھیں مستورات کے رہنے کا محل تھا۔

تنگ دروازے سے رتھ آواز کرتا ایک بڑے شامیانے کے نیچے آیا۔ شامیانے کے قریب بہت سے گھوڑے رسیوں میں بندھے کٹی ہوئی گھاس کھا رہے تھے۔

تمام نوکر جلد حاضر ہوئے۔ یہ تعداد میں بہت تھے۔ جو ملازم دیہات کی جائدادوں پر کام کرتے تھے وہ بھی مستاجروں کے خوف سے قرطاجنہ میں چلے آئے تھے۔ مزدور جو کھیتوں پر کام کرتے تھے چمڑے کی پوشاک پہنے تھے۔ اُن کے پیروں میں بیڑیاں اور زنجیریں پڑی تھیں۔ زنجیروں کو گھسیٹتے ہوئے وہ راستہ چلتے تھے۔ نمک سازی کے کارخانوں میں جو لوگ کام کرتے تھے اُن کے ہاتھ جلاد کے ہاتھوں کی طرح سرخ تھے۔ کشتیوں کے چلانے والوں کے سروں پر سپید ٹوپیاں تھیں۔ مچھیرے مونگوں کے ہار گلے میں ڈالے تھے۔ شکاریوں کے کندھوں پر جال رکھے تھے۔ میگارا خاص کے لوگ کھال کے پاجاموں پر سیاہ یا سپید جبے پہنے تھے۔ سروں پر تنکوں یا نمدے یا ٹاٹ کی ٹوپیاں اپنی اپنی خدمت یا کارخانوں میں جو جو کام اُن کے سپرد تھے اسکے مطابق تھیں۔

ان کے پیچھے ٹکڑ گداؤں کی ایک بھیڑ تھی۔ یہ لوگ وہ تھے جو کوئی پیشہ نہ کرتے تھے۔ پیشہ وروں کے مکانوں سے دور رات کو باغوں میں ننگی زمین پر پڑ کر سو رہتے تھے۔ باورچی خانوں سے جو بچا کھچا کھانا اُن کو ملتا تھا وہی کھا لیتے تھے۔ گویا یہ وہ انسانی ڈھچر تھے جو ہملکار کے محل کے سائے میں گھاس پھونس کی طرح اُگ آئے تھے۔ ہملکار اُن پر معترض نہ ہوتا تھا۔ یہ بات زیادہ تر دور اندیشی کی وجہ سے تھی اس وجہ سے نہیں کہ اسکو اس مخلوق سے نفرت و حقارت نہ ہو۔ یہ ٹکڑ گدا ہر وقت ایک پھول اپنے کان میں لگائے تھے۔ یہ علامت آقا کے آستانے پر

خوشی کی تھی۔ گو اُن میں بہت سے ایسے تھے جنہوں نے کبھی پہلے ہمکار کو دیکھا بھی نہ تھا۔

لیکن وہ مُلازم جن کے سر کا لباس مصر کے ابوالہول کا سا تھا اُن کے ہاتھوں میں مضبوط جریب تھے وہ اِدھر اُدھر دوڑتے تھے کہ لوگوں کو ہٹانے میں اپنی جریب سے کام لیں تاکہ کہیں ہمکار کو اِس بھیڑ میں کسی کا دھکا نہ لگے۔ یا وہ اُن کی بدبو سے پریشان نہ ہو۔

ہمکار کو دیکھتے ہی یہ کُل مجمع زمین بوس ہوا۔ اور پکار پکار کر کہنے لگا۔ "اے چشم بعل تیرا گھر آباد رہے" یہ لوگ دُعائیں دیتے سرو و شمشاد والی روش پر پڑے تھے کہ ابدل نیم گھر کا داروغہ ہمکار کی طرف بڑھا۔ اس کے سر پر ایک اُونچی سفید ٹوپی تھی۔ اور ہاتھ میں دھونی جلانے کا ایک برتن تھا۔

اب سلامبو آبنوس کے زینے سے جس کے گوشوں پر بحری فتوحات کی یادگاریں نصب تھیں نیچے اُتری۔ پیچھے پیچھے خواصیں تھیں۔ سلامبو جب ایک سیڑھی اُترتی تھی تو خواصیں بھی ایک سیڑھی اُترتیں۔ رومانی خواصوں کے سر بند اور رمباف سونے کی بیتر یوں کے تھے۔ اِن چمکتے سروں کی قطاریں کہیں کہیں سیاہ نقطے یعنی حبشیوں کے کالے کالے سر بھی نظر آتے تھے۔ باقی خواصیں بالوں میں چاندی کے تیر یا فیروزوں کی تیتریاں لگائے تھیں بعض جوڑوں میں لمبی لمبی سوئیاں سورج کے کرن کی طرح کھونسے تھیں۔ پچھلے چوڑیاں الماس کے تکمے۔ ہار کنٹھیاں، زری کے چوڑے چوڑے حاشیے طرح طرح کی رنگین پوشاکوں میں اپنی چمک دمک دکھاتے تھے۔ لباسوں کا رنگ اکثر نیلا زرد اور سپید تھا۔ چلنے میں باریک اور نازک کپڑوں کی آواز بڑھتی تھی۔ پاپوشوں اور کف پائیوں کی آواز کے ساتھ لکڑی کی سیڑھیوں پر ننگے پاؤں کے دھمکے بھی سُنائی دیتے تھے۔ خواصوں کی صفوں میں کہیں کہیں کوئی لمبا تڑنگا خواجہ سرا

جس کا سر اور کندھے عورتوں کے سروں سے اونچے نظر آتے۔ منہ اٹھائے ہنستا نظر آتا۔ جب مردوں کی مبارکباد کی آوازیں کچھ دھیمی پڑیں تو سب نے مل کر ایک دردناک آواز جیسے جنگل میں بھیڑیے کی مادہ چیخنے لگائی۔ اس آواز میں کچھ ایسی وحشت تھی اور وہ اتنی لمبی کھینچی گئی تھی کہ لکڑی کا زینہ جس پر عورتوں کا ہجوم تھا ستار کے تاروں کی طرح لرزتا معلوم ہوتا تھا۔

ہوا کے جھونکے نے ان سب کی نقابیں اٹھا دیں۔ اور شجر بابیر کے پتے نسیم کے چلنے سے ہلنے لگے۔ یہ مہینہ شہباز کا تھا۔ اور جاڑے کا زور تھا۔ انار کے درختوں میں پھول کھلے تھے۔ اور پھولوں کی سرخی اور ان کے لال لال گچھے نیلے آسمان کے مقابلے میں بڑے خوشرنگ معلوم ہوتے تھے۔ درختوں کی شاخوں میں سے سمندر نظر آتا تھا۔ اور سمندر میں کسی قدر فاصلے سے ایک ٹاپو تھا جو اس وقت کہر میں چھپا ہوا تھا۔

سلامبو کو آتے دیکھ کر ہملکار چلتے چلتے رکا۔ سلامبو اسکے گھر میں کئی لڑکوں کے بعد پیدا ہوئی تھی۔ لڑکی کا پیدا ہونا ادیان کواکب پرستی میں بڑی بدنصیبی سمجھا جاتا ہے۔ اسکے کچھ مدت بعد خدا نے ہملکار کو ایک فرزند بھی عطا کیا۔ بیٹے کی آرزو جو اس وقت تھی اب حافظہ سے محو ہو چلی تھی اور جو بددعا سلامبو کو اسوقت دی تھی اسکا افسوس اب تک تھا۔

سلامبو برابر باپ کی طرف بڑھتی رہی۔

مختلف رنگوں کے موتیوں کی لڑیاں کانوں سے شانوں تک بلکہ کہنیوں تک لٹکی تھیں۔ بال ایسے بنائے تھے کہ بادل کی طرح دھواں سا معلوم ہوتے تھے۔ گلے میں سونے اور جڑاؤ تختیوں کا ہار پڑا تھا ہر تختی پر دو دو شیر پچھلے پنجوں پر کھڑے اور بیچ میں انکے عورت کی تصویر کندہ تھی۔

سلامبو کا لباس پوری نقل ربۃ تانیت کے لباس کی تھی۔ اس پوشاک کی

آستینیں بہت چوڑی نرگسی رنگ کی تھیں۔ کمر پر چُست اور نیچے گھیردار ہوتی گئی تھی۔ لبوں پر سُرخی کے ملنے سے دانتوں کی سپیدی زیادہ نُمایاں ہو گئی تھی۔ اور اسی طرح سُرمہ لگانے سے آنکھیں بڑی معلوم ہوتی تھیں۔ سلامبو کی پاپوش ایک نہایت خوشرنگ طائر کے پَروں کی تھی۔ جوتی کی ایڑیاں بہت اُونچی تھیں۔ چہرے کا رنگ غالباً سردی کی وجہ سے غیر معمولی طور پر زرد تھا۔

آخر کار سلامبو باپ کے پہلو کے قریب پہونچ گئی اور بغیر اُس کی طرف دیکھے یا سر اُٹھائے بولی "چشم بعل۔ اے جلال ابدی۔ فتح و ظفر، راحت و آرام، دولت و ثروت ہمیشہ میسّر رہے۔ اور آپ کی تشریف آوری سب کو مُبارک ہو۔ مدّتوں میرا دل غمگین رہا اور سارا گھر آپ کے انتظار میں رہا۔ لیکن آقا کی واپسی تاموز کی بحالی ہے۔ اے پدر بزرگوار آپ کی شفقت بھری نگاہوں سے میری زندگی میں ہر طرف تازے پھول کھلیں گے"

اتنا کہکر اپنی دایہ تعناخ سے ایک بیضوی شکل کا پیالہ لیا۔ اس میں آٹا، مکھن، لونگیر اور شراب تھی۔ پیالہ پیش کرکے باپ سے کہا کہ "اس پیالے کو جو آپ کی خادمہ نے تیار کیا ہے بے تکلّف نوش فرمائیں"

ہملکار نے بیٹی سے کہا "میری دُعائیں بھی تیرے شامل حال رہیں" اور اتنا کہکر سلامبو کے ہاتھ سے پیالہ اس طرح لیا جیسے عادت سے مجبور کیا ہو۔ اس اثنا میں باپ بیٹی کو ایسی محبت نگاہوں سے دیکھتا رہا کہ سلامبو پریشان ہو گئی۔

اب سلامبو نے باپ سے بہت آہستہ آواز میں کہا "اے آقا انہوں نے آپ سے کہا ہوگا......"

ہملکار نے جواب دیا "ہاں مجھے سب معلوم ہے"

کیا یہ اپنے کسی کئے کا اقبال تھا؟ یا محض مستاجروں کی حرکتوں کی طرف

اشارہ تھا۔ اسکے بعد ہملکار نے غیر واضح طریقے سے چند جملے سیاسی مشکلات کے بارے میں کہے اور کہا کہ "مجھے امید ہے کہ میں خود بلا مدد غیرے انکو رفع کر دونگا۔"

اس پر سلامبو کہنے لگی "اے والد بزرگوار جو لا علاج نقصان ہو چکا ہے اسکی تلافی آپ سے بھی غیر ممکن ہے۔"

اتنا سنتے ہی ہملکار پیچھے ہٹا۔ سلامبو باپ کی اس حرکت سے سخت حیرت زدہ ہوئی۔ سلامبو اس وقت قرطاجنہ کی سیاسی مشکلات کی نسبت کچھ نہیں سوچ رہی تھی۔ بلکہ اس کے ذہن میں زاعمف کے چوری جانے کا واقعہ تھا جس میں قدرے اس کی بھی شرکت تھی۔ سلامبو باپ کی اس بے اعتنائی کو سمجھی نہیں۔ باپ بھی وہ جس کے سامنے بڑے بڑے لشکر کانپتے تھے۔ ہملکار اس وقت سلامبو کو ایک قہرناک دیوتا معلوم ہو رہا تھا۔ ہملکار نے بیٹی کی نسبت برا قیاس کیا اور سمجھا کہ اسکو اب اصلی حال معلوم ہو گیا۔ اور اب کوئی نہایت سخت جملہ اسکے منہ سے نکلنے کو ہوا۔ سلامبو نے کہا "میری تقصیر معاف ہو۔"

ہملکار نے آہستہ آہستہ اپنا سر نیچا کیا۔

سلامبو چاہتی تھی کہ اپنا قصور بیان کر دے مگر باوجود اسکے اس کے لب نہ کھلے۔ دل بے چین تھا اور اپنی تکلیف باپ کے سامنے بیان کرنا چاہتی تھی تاکہ وہ اس کی تشفی کرے۔ ہملکار اس کشمکش میں تھا کہ جو قسم قدمار کے سامنے اس امر کی کھا چکا ہے کہ وہ کبھی سلامبو پر وہ الزام ظاہر نہ کریگا جو بزرگانِ قوم نے اس پر عائد کیے ہیں، اس قسم کو توڑ کر کل حال بیٹی سے کہدے لیکن خودداری یا تمکنت یا اس خوف سے کہ جو بات ابتک چھپی ہے وہ آشکارا ہو جائیگی، اس نے اپنی قسم نہ توڑی اور اپنے کل قوائے ذہنی کو اس طرف رجوع کیا کہ بیٹی کا چہرہ دیکھ کر جو کچھ اسکے دل میں مخفی ہے اسے دریافت کر لے۔

سلامبو کو باپ کی تیز نگاہوں کی تاب نہ رہی۔ زور زور سے سانس لینے لگی۔ اور پھر رفتہ رفتہ اپنا سر جھکا لیا۔ ہملکار کو یقین ہو گیا کہ سلامبو کسی وحشی مستاجر سے ہمکنار ہوئی ہے۔ اس خیال سے ڈر گیا اور مٹھی باندھکر سلامبو پر ہاتھ اُٹھانے کو تھا کہ سلامبو چیخ مار کر اپنی خواصوں میں جا گری۔ خواصیں گرد جمع ہو گئیں۔ ہملکار رُخ پھیر کر چلا۔ اس کا داروغہ ابدل نیم اُسکے پیچھے پیچھے تھا۔

مال خانوں کے دروازے کھول دئے گئے۔ ہملکار ایک بہت بڑے گول کمرے میں داخل ہوا۔ اس گول کمرے سے برآمدے دوسرے کمروں تک اس طرح گئے تھے جیسے پہیئے کے محور سے آرے اُسکے محیط تک جاتے ہیں۔ گول کمرے کے بیچ میں پتھر کی ایک مُدوّر نشست تھی۔ اس نشست کے گرد کٹہرا تھا کہ نشست پر جو قالین بچھے تھے اور اُنپر کثرت سے تکئے پڑے تھے وہ نیچے نہ گرنے پائیں۔

شروع میں ہملکار تیزی سے چلتا رہا۔ سانس بھی زور سے لیتا تھا۔ رفتار میں ایڑیاں زور سے زمین پر مارتا تھا۔ اکثر اپنا ہاتھ پیشانی کی طرف اس طرح اُٹھاتا تھا جیسے کوئی مکھیوں سے پریشان ہو کر اُن کے دُور کرنے کو بار بار ہاتھ اُٹھائے۔ لیکن اب اُس نے سر ہلایا۔ دولت کثرت سے جمع دیکھ کر طبیعت کچھ ٹھنڈی ہوئی۔ دُور تک برآمدوں کو دیکھکر اُسے اور کمروں کا خیال آیا جو نایاب اور بیش بہا چیزوں سے بھرے پڑے تھے۔ برنز کی چادریں۔ چاندی کی اینٹیں۔ فولادی سلاخیں اور اُنکے بیچ میں ٹین کے انبار جو بحرِ ظلمت کی راہ جزائر کسی ٹرائیڈیز سے لایا گیا تھا۔ کھجور کے ریشوں سے بنے ہوئے کپڑوں کے تھیلوں میں طرح طرح کے گوند بلادِ اسود سے لائے ہوئے مُنہ تک بھرے تھے مشکیزوں میں سونے کے ذرّے بھرے تھے۔ اُنکی پُرانی سیون میں سے یہ ذرّے نکل کر ضائع ہو رہے تھے۔

سمندر کے درختوں کے نازک ریشے مصر، یونان، تاپروبانی، اور یہودیہ سے

تانبے ہوئے ٹین کے شیشے دیواروں پر لٹکے تھے۔ دیواروں کے نیچے مرجان سرخ کی شاخیں جیسے لال پتوں کی جھاڑیاں ہوں کھلی پڑی تھیں۔ یہاں کی ہوائیں بو کچھ ایسی تھی جسکو بیان کرنا مشکل ہے۔ یہ طرح طرح کی خوشبودار چیزوں اور مسالحوں کی مہک میں چمڑے کی بدبو سے ملی تھی۔ اور شتر مرغ کے پروں کے مٹھے جو چھت میں لٹک رہے تھے انکی بدبو کو بھی اس میں شامل سمجھنا چاہیے۔ ہر کمرے کے دروازے پر دندان فیل اس طرح آراستہ تھے کہ وہ دروازے کی محرابیں بن گئے تھے۔

آخر کار ہمکار نے گول کمرے کی اس سنگین مدور نشست پر قدم رکھا۔ تمام داروغہ اور سربراہ کار ہاتھ باندھے سر نیچے کئے حاضر تھے اور ابدل نیم مخروطی ٹوپی سر سے اونچی کئے ادب سے کھڑا تھا۔ اسکے دل میں اسوقت غرور تھا۔

ہمکار نے جہازوں کے مہتمم کو طلب کیا۔ یہ ایک مسن آدمی تھا۔ اسکی آنکھوں کے پپوٹے سمندری ہواؤں سے جھریا گئے تھے سر کے سپید بال کمر تک پہونچتے تھے۔ اور براق سی ڈاڑھی میں سمندر کا کف اٹک لگا تھا۔ مہتمم جب حاضر ہوا تو ہمکار نے اُس سے چند سوال کئے۔

اُس نے جواب دیا کہ میں نے ایک بیڑہ جہازوں کا فونس اور فی صبانا کی راہ سے راس جنوب اور کوہ ماہتاب سے گذرتا ہوا دوسرے جہازوں کو روانہ کیا ہے"

باقی جہازوں نے مغرب کا رخ کیا اور ان کو چار ماہ کے سفر میں کہیں زمین نظر نہ آئی۔ جہازوں کے آگے کے حصوں پر درخت اور جھاڑیاں بہت اُٹھی ہو گئیں۔ جہاز والے ہمیشہ ایشاروں کی آواز سنتے تھے۔ سرخ کہر نے سورج کی روشنی ماند کردی۔ ہوائیں ایسی تیز خوشبو تھیں کہ ملاحوں پر غافل کرنے والی غنودگی طاری ہوتی۔ ان کا حافظہ ایسا معطل ہوا کہ نہ ان کو کچھ یاد رہا اور نہ وہ کوئی بات کہہ سکے۔ ملک حبشہ میں وہاں کے دریاؤں کے چڑھاؤ پر جہاز ان کے سرچشموں تک گئے۔ اور وہیں سے کو نکس لے

عزیمتیں روانہ کی گئیں۔ وہاں سے پھر جوگر یانوں اور ایستیانوں کے ملک ہیں گئے۔
مجمع الجزائر سے پندرہ سولڑکیاں گرفتار ہو کر آئیں۔ راس استرمیون کے بعد جسقدر
جہاز غیر ملک والوں کے ملے اُن کو غرق کر دیا گیا۔ اس خیال سے کہ یہ بحری راستے
دوسروں کو نہ معلوم ہو جائیں۔ بادشاہ بطلیموس نے شسبار سے خوشبودار مصالحے
نکلنے بند کر دیئے۔ ایلاتیا اور کورسیکا سے جڑی بوٹی باہر جانے کی ممانعت کر دی تھی! ور
جزیروں سے بھی یہ چیزیں مہیا نہ ہو سکیں۔ اور اب اس معمر مہتمم نے آواز ہلکی کر کے
ہملکار کو مطلع کیا کہ رسی کا ڈا پر ایک منہ زلہ جہاز نومیدیا والوں نے پکڑ لیا اور
آقا جسقدر لوگ اُس میں تھے وہ سب انہی نومیدیا والوں کے قبضے میں ہیں۔

اس پر ہملکار ناخوش ہوا۔ اس کے بعد اُس نے مہتمم کاروان سے کہا کہ وہ قافلوں
اور کاروانوں کا حال بیان کرے۔ یہ مہتمم بغیر پیٹی کے بھورے رنگ کا لباس پہنے
تھا اور اُس کے سر پر ایک سپید لمبا سا کپڑا اس طرح لپٹا تھا کہ اس کی ٹھوڑی کے
نیچے سے گذر کر اُسکے دونوں سرے شانوں پر پڑے تھے۔ اس مہتمم کاروان
نے بیان کیا۔

" موسم سرما کے اعتدال لیل و نہار پر کاروان باقاعدہ طور پر روانہ ہوتے رہے۔
ایک کاروان جس میں پندرہ سو آدمی نہایت تیز رفتار اونٹوں پر سوار پانی کی چھاگلیں
ساتھ رکھے رنگین کپڑوں کا ذخیرہ لئے حبشہ کے مشرقی اطراف کو روانہ کیا گیا۔ مگر
ان پندرہ سو آدمیوں میں سے صرف ایک آدمی قرطاجنہ کو واپس آیا۔ باقی جسقدر تھے
یا تو تھکن سے مر گئے یا صحرا کے خطروں کو دیکھ کر دیوانے ہو گئے۔ جو شخص بچ کر آیا
تھا اس نے بیان کیا کہ حروش اسود سے بلکہ اتر انتیں سے بھی آگے اور برڑے
بوزنوں کے بلاد سے بھی بہت آگے جا کر وہ بڑے بڑے ملک آئے جن کی حد
غائت ہی نہ تھی اور جہاں چھوٹے سے چھوٹا برتن بھی سونے کا ہوتا ہے۔ اور یہاں

ایک دریا جس کا پانی دُودھ کے رنگ کا ہے اور دریا اتنا عریض جیسے سمندر۔ جنگلوں پر درخت نیلے رنگ کے اُگے ہیں۔ نیچی نیچی پہاڑیوں پر خوشبودار جڑی بوٹیاں بکثرت اُگی ہیں۔ چٹانوں پر عجیب المخلوق جانور دُھوپ کھاتے ہیں۔ اُن کے چہرے انسان کے سے ہوتے ہیں اور جب وہ دوسرے کو دیکھتے ہیں تو اُن کی آنکھیں اس طرح کھلتی ہیں جیسے درخت میں پھول کھلیں۔ اور اُن جھیلوں سے آگئے جن میں ہزاروں قسم کے اژدہے پڑے ہیں۔ بلور کے وہ پہاڑ ہیں جو اپنی چمک سورج کو مستعار دیتے ہیں۔ بہت سے کاروان ہند سے واپس آئے ہیں۔ یہ مور کے پر، سیاہ مرچ اور عجب عجب بناوٹ کے کپڑے اپنے ساتھ لائے ہیں اور وہ لوگ جو عقیق ابیض کو خریدنے کے شوق میں خلیج سرتس کو گئے تھے۔ اور راستے میں ہیکلِ عمون کی زیارت کو اُترے تھے وہ ایک بیاباں کی نذر ہو گئے۔ گی تولیہ اور فازانہ کو جو کاروان گئے وہ حسب دستور سابق وہاں کی پیداوار لائے لیکن اب میں خود کوئی کاروان تیار کر کے بھیجنے سے قاصر ہوں۔"

ہملکار مہتمم کا مطلب سمجھ گیا۔ یعنی یہ کہ اس وقت ملک مستاجروں کے قبضے میں ہے۔ ایک آہ بھری اور دوسری کہنی پر سہارا لیکے کھڑا ہوا۔ اب مہتمم مزارع حاضر ہوا۔ یہ بڑے چوڑے چکلے کندھوں کا آدمی تھا۔ آنکھیں بڑی اور سُرخ تھیں۔ مگر ہملکار کے سامنے بات کرتے ہوئے ڈرتا تھا۔ اور اس وقت اس کے تمام بدن پر رعشہ تھا۔ ہیئت کذائی یہ تھی کہ بلڈاگ کی طرح چپٹی ناک آگے سے پچکی ہوئی پیشانی سے بال اس طرح اُٹھے تھے جیسے کسی سیاہ چھال کے ریشوں کا جال کھڑا ہو۔ کمر میں چیتے کی کھال کی پیٹی جس پہ بال موجود تھے اس میں دو تلواریں لگی تھیں۔

جونہی ہملکار اس کی طرف بڑھا وہ چیخکر تعل کی قسمیں کھا کر شکایت کرنے لگا۔

"میرا اس میں کیا کچھ قصور نہیں۔ میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ آپ نے زمین کی حالت دیکھ کر گرمی سردی اور ستاروں کا لحاظ کر کے جاڑے کی آمد میں جبکہ رات دن برابر تھے تخم کشی کی تھی۔ آپ نے چاند کے دنوں میں کھیتوں کی نرائی وغیرہ کرائی۔ غلاموں پر جو زراعت کا کام کرتے تھے سخت نگرانی رکھی اور انکے کپڑوں کے مصارف میں جہانتک ممکن تھا کفایت کو مدنظر رکھا۔"

ہملکار کو اسکی بکواس پر غصہ آیا اور اس نے زبان بند کرنے کو کہا مگر یہ دو تلواروں والا مہتمم بڑی تیزی سے کہتا رہا۔

"آقا۔ انہوں نے لوٹا مارا اور ہر چیز کو غارت کیا۔ مثالہ میں تین ہزار درخت کاٹ ڈالے۔ عبدہ میں غلہ خانوں کو توڑ کر ان میں گھس گئے حوضوں کو مٹی سے بھر دیا۔ تیدیسر میں پندرہ سو گومر آٹا اٹھا لے گئے۔ مزراتہ میں گلہ بانوں کو کاٹ کر کھا گئے اور آپکے ان خوبصورت مکانوں کو جس میں صنوبر کے شہتیر لگے تھے اور گرمیوں میں جا کر آپ اس میں رہتے تھے اسکو جلا ڈالا۔ توبربو میں غلام جو کاٹ رہے تھے مستاجروں کو دیکھتے ہی یہ سب غلام پہاڑوں میں بھاگ گئے۔ گدھے اور خچر، نادر سینا سے جس قدر مویشی آئے تھے اور نسل اور کیتی کے گھوڑوں میں اب ایک باقی نہیں ہے۔ سب کو ہانک لے گئے۔ ہم پر یہ خدا کا غضب ٹوٹا تھا۔ میں تو اب ان آفات کے بعد نہ جیوں گا۔ اے کاش حضور دیکھتے کہ پہلے اصطبل کیسے بھرے اور بیلوں کی نوکیں کیسی چمکتی تھیں۔ ہمارے مینڈھے اور ہمارے سانڈ کیسے زبردست اور حسین تھے۔"

ہملکار کا حلق غصے سے خشک ہونے لگا۔ اور یکایک چیخکر کہا "خاموش" کیا مجھکو انہوں نے بالکل ہی محتاج اور مفلس کر دیا۔ دیکھو جھوٹ نہ بولنا۔ جو کچھ کہنا سچ کہنا۔ جو کچھ میرا نقصان ہوا ہے اُسے ودم میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ ابدلیم فوراً جہازوں، کاروانوں اور گھر کا حساب پیش کرو۔ اور اگر کسی نے ذرا سا تغلب یا

بے ایمانی کی تو پھر بری طرح خبر لونگا۔"

جس قدر داروغہ اور ملازم حاضر تھے آقا کے سامنے سے پچھلے قدموں ہٹے اور اسقدر جھک کر سلام کیا کہ ہاتھ زمین کو چھو گئے۔

ابدل نیم جلد ایک دیوار کے قریب گیا جس میں بہت سے موکھے سے تھے۔ کسی موکھے میں گٹھری ہوئی رسیاں، کسی میں کپڑوں کے ٹکڑے کسی میں شجر بیر کے پتے بھرے تھے۔ کسی میں بھیڑ کے شانے کی ہڈیاں رکھی تھیں اور ہڈی پر باریک خط میں کچھ لکھا تھا۔ ابدل نیم یہ سب چیزیں سمیٹ کر اٹھا لایا اور ہلکار کے قدموں میں ان کو رکھدیا۔ اور پھر ایک چوکھٹا آقا کو دیا جس میں تین ڈوریاں تھیں اور ڈوریوں میں سونے چاندی اور سینگ کی گولیاں پڑی تھیں یہ چوکھٹا ہلکار کو دیکر ابدل نیم نے حساب پڑھنا شروع کیا۔

"ایک سو بیانوے مکانات ماپیڈیا میں قرطاجنہ جدید کے رہنے والوں کو فی ماہ ایک ہیکا کرایہ پر دئے گئے۔"

ہلکار نے کہا، "یہ کرایہ زیادہ ہے۔ غریبوں کے ساتھ رعایت ہونی چاہیے۔ تمہارا فرض ہے کہ ان لوگوں کے نام یادداشتوں پر چڑھا لو جو زیادہ روپے والے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی دریافت کرلو کہ وہ ریاست کے ہوا خواہ ہیں یا نہیں۔"

اس فیاضی پر ابدل نیم کو تعجب سا ہوا۔

ہلکار نے کپڑے کے ٹکڑے اسکے ہاتھ سے لیکر کہا۔

"اچھا یہ کیا ہے۔ محل خاموں کے قریب تین حویلیاں بارہ کستیا کرایہ پر دی گئیں۔ یہ درست نہیں۔ اس بارہ کی جگہ بیس ہونے چاہیے تھے میں نہیں چاہتا کہ دولتمند مجھے لوٹ کر یں!"

ابدل تھیم نے جھک کر سلام کیا اور حساب آگے اس طرح پڑھا۔

"تنگلا" کو دو کیکار ٹیلنٹیں اور ایک ثلث فی صدی بحری شرح سود پر موسم کے آخیر تک ایک وعدے پر دیا گیا۔ اور اسی طرح ہر ملقرتہ کو پندرہ سو شیقول دیئے گئے اور ضمانت میں چند غلام لیے گئے لیکن ان میں غلاموں میں سے بارہ غلام نمک کی مرطوب زمین میں مر چکے ہیں"

ہملکار نے کہا "غالباً وہ مضبوط آدمی نہ تھے کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر ہر ملقرت اور روپیہ چاہے تو اسکو دو قرض پر روپیہ ہمیشہ لگانا چاہیئے اور شرح سود قرضدار کی حیثیت کے مطابق رکھنا چاہیئے"

اس کے بعد داروغہ نے آمدنی کی کل مدات جلدی جلدی پڑھیں۔ یہ وا صلات وہ تھیں جو الفرباکی کانہائے آہن، مونگوں کے مچھلی گھروں اور رنگ سازی کے کارخانوں سے ہوئی تھیں۔ پھر محصولوں کی وصولی کا حساب جو یونانی نوآبادوں سے لئے تھے اور جسقدر چاندی عربستان بھیجی گئی اس کا حساب پیش کیا۔ عربستان میں چاندی کی قیمت سونے سے دس گنی تھی۔ پھر جسقدر جہاز سمندر پر گرفتار کیے تھے اُن کا حساب پڑھا۔ اس میں سے ایک عشر ربۃ تانیت کے ہیکل کے مصارف کے لئے منہا کیا گیا۔

داروغہ نے عرض کیا کہ "آقا میں نے ہر مرتبہ اس عشر میں سے چوتھائی وضع کرکے ہیکل کو دیے ہیں" ہملکار حساب کی جانچ لکڑی کے چوکھٹے پر گولیوں سے کرتا تھا اور گولیوں کی کھٹ کھٹ برابر سننے میں آتی۔

ہملکار "جو رقم ہیکل کو دی وہ کافی تھی۔ اب خرچ پڑھو"

داروغہ "کو رنتھ کے استر انو کلیس اور اسکندریہ کے تین تاجروں کو انکی تحریری دستاویزات پر جو پیش ہو چکی ہیں، دس ہزار درہم یونانی اور بارہ شامی ٹیلنٹ طلائی ادا کیے۔ ہر جنگی جہاز کے ملاحوں پر فی ماہ بیس تیس خرچ

آیا ...."

ہملکار: "ہاں مجھے معلوم ہے۔ کتنے جہاز غارت ہوئے؟"

داروغہ: "ان سیسے کے ٹکڑوں پر کل حساب درج ہے۔ وہ جہاز جو مشترکہ طور پر روانہ ہوئے تھے اُن کا مال اکثر سمندر میں پھینک دینا پڑا۔ گو نقصان غیر مساوی تھا مگر وہ مساوی طور پر حصہ داروں پر بٹ گیا۔ رسیاں جو دار الصنعت سے مستعار لی گئی تھیں اُن کی واپسی غیر ممکن تھی۔ اور سی سیتیا نے تحقیقہ پر تہم جانے سے پیشتر اٹھ ہو کیسیتیا اس کی بابت لگائے۔"

ہملکار نے سر نیچا کرکے کہا "پھر اٹلی کا ذکر آیا" کچھ دیر تک ہملکار اس عداوت اور نفرت کے صدمے سے جو لوگ اس کے ساتھ رکھتے تھے دل شکستہ رہا۔ پھر کہنے لگا۔ "مگر میگارا کے مکان کے متعلق جو اخراجات ہوئے ہیں وہ میری سمجھ میں نہیں آتے۔"

عبدالنیم کا چہرہ اتنا سن کر زرد پڑ گیا۔ اور فوراً اس جگہ جاکر جہاں جمیزی تختیوں پر حساب لکھا رکھا تھا اٹھا لایا جو چمڑے کے تسموں میں بندھی تھیں۔ عبدالنیم اخراجات کی مدیں پڑھنے لگا اور ہملکار غور سے سنتا رہا۔ اسے اخراجات کی تفصیل سننے کا بہت شوق تھا۔ عبدالنیم رقمیں پڑھتا رہا اور ہملکار سنتا رہا۔ رقموں کے پڑھنے میں آواز کی یکسانی سے ہملکار کو کچھ سکون سا ہو گیا مگر جب وہ آخر میں آہستہ آہستہ پڑھنے لگا تو جن تختیوں کو وہ پڑھتا تھا وہ اس کے ہاتھ سے یکایک گر گئیں اور عبدالنیم ہملکار کے قدموں پر گرا۔ اس طرح کہ ہاتھ پھیلے تھے گویا سزائے موت کا حکم پا چکا ہے۔ ہملکار پر کسی قسم کا اثر نہ ہوا اور اُس نے تختیاں زمین سے اٹھا لیں۔ اُن پر نظر ڈالتے ہی جب گھر کے اخراجات گوشت، مچھلی، پرندے، خوشبوؤں کی رقمیں کثیر دیکھیں اور یہ سب ایک ہی دن کے خرچ میں تو لب سے لب پیدا ہوا اور آنکھیں

پہنچیں۔

ابدل نیم جہاں پڑا تھا وہیں سے مستاجر وحشیوں کی ضیافت کا ذکر کرنے لگا۔ اور کہا کہ قدمار کے احکام کی تعمیل کرنے پر میں مجبور تھا، علاوہ اسکے سلامبو بھی چاہتی تھی کہ سپاہیوں کی ضیافت میں فراخدلی سے روپیہ صرف کیا جائے۔

بیٹی کا نام سنتے ہی ہمکار اچھل پڑا، پھر لب بند کرکے وہ تکیوں پر بیٹھ گیا۔ اور ران پر جو گوٹ لگی تھی وہ ناخنوں سے نوچنے لگا، سانس قابو میں نہ تھا، دیر تک سامنے نگاہیں جمائے دیکھتا رہا۔

جہاں بیٹھا تھا وہاں سے اٹھا اور ابدل نیم سے کہا "کھڑا ہو"۔

اب ابدل نیم ہمکار کے پیچھے پیچھے چلا، مگر اس کے گھٹنے کانپتے تھے، برآمدے میں آکر ابدل نیم نے ایک کدال اٹھائی اور فرش پر جہاں پتھروں کا جوڑ تھا کدال سے پتھر علیحدہ کئے۔ نیچے سے لکڑی کا ایک گول ڈھکنا سا اوپر کو اٹھا۔ اب ہمکار نے دیکھا کہ تمام راستے میں پتھروں کے نیچے بہت سے ڈھکنے ہیں جو اناج کے ذخیروں پر ڈھکے ہیں۔

ابدل نیم جو ابتک کانپ رہا تھا ہمکار سے کہنے لگا "چشم بعل حضور ملاحظہ فرمائیں کہ حبشی مستاجروں نے سب چیزیں نہیں لوٹیں۔ یہ ذخیرے جو حضور دیکھتے ہیں پچاس ہاتھ گہرے ہیں اور منہ تک بھرے ہیں۔ جب حضور تشریف لے گئے تھے تو اس ناچیز نے دارالصنعت کے فرش میں، باغوں کی زمین میں جابجا گہرے گڑھے کھدوائے تھے، اس وقت حضور کے محل میں اتنا اناج اور غلہ موجود ہے جتنی کہ عقل و دانش حضور کے دل و دماغ میں ہے"۔

ہمکار یہ سنکر مسکرایا اور کہنے لگا "ابدل نیم، یہ کام بہت درست ہوا، اور پھر وارودغہ کے کان میں جھک کر کہا، "جہاں تک امکان میں ہو گیہوں اترو یا تم

اور جہاں کہیں سے تم چاہو بلا لحاظ قیمت کے جمع کرو اور اس ذخیرے کو حفاظت سے رکھو۔ قرطاجنہ میں جس قدر گیہوں صرف ہوتا ہے وہ سب میں اپنے قبضے میں رکھنا چاہتا ہوں۔"

جب یہ دونوں برآمدے کے اختتام پر پہونچے تو ابدل نیم نے کنجیوں کے گچھے سے جو اسکی کمر میں لٹکا تھا ایک کنجی نکالی اور ایک بڑا کمرہ جو مستطیل شکل کا تھا کھولا۔ صنوبر کے ستونوں سے اُس کمرے کے کئی حصے ہو گئے تھے۔ یہاں سونے چاندی پیتل کے سکے الماریوں اور طاقوں میں چُنے تھے۔ یہ طاق اور الماریاں چاروں طرف کی دیواروں میں چھت کی کڑیوں تک پہونچے تھے۔ کمرے کے گوشوں میں چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں بھی یہی دولت بھری تھی اور تھیلیاں گینڈے کی کھالوں کے بڑے بڑے گٹھروں پر رکھی تھیں۔ تانبے کے سکوں کے بڑے بڑے ڈھیر فرش پر لگے تھے۔ جو ڈھیر بہت اُونچے ہو گئے تھے اُنکے بعض حصے اس طرح بکھرے پڑے تھے جیسے ٹوٹی عمارت کے پتھر بکھرے پڑے ہوں۔ قرطاجنہ کے بڑے سکے جن پر ربۃ تانیت ایک کھجور کے درخت کے نیچے مع ایک گھوڑے کے کھڑی دکھائی گئی تھی، موجود تھے۔ پھر ریاست قرطاجنہ کی نو آبادیوں کے سکے بھی انہی میں ملے جلے تھے۔ ان سکوں میں کسی پر بیل کی، کسی پر ستارے، کُرّے یا ہلال کی تصویر نقش تھی۔ علاوہ ان کے ہر قیمت اور قدر زمانے کے سکے تھے جو اسی لحاظ سے ترتیب میں رکھے تھے۔ پُرانے آشوری سکوں سے لیکر جو ناخن کے برابر پتلے تھے ایسے سکوں تک جو ضخامت میں آدمی کے ہاتھ کے برابر تھے۔ اگینہ کے پنجام اور ٹکیوں کی شکل کے سکے بکتریانہ اور لکدیمون کے سکے جن کی شکل سیخوں کی سی تھی سب یہاں اپنی اپنی جگہ آراستہ تھے۔ ان میں کوئی زنگ خوردہ تھا کوئی مٹی میں ٹھسا تھا کوئی پانی کے اثر سے سبز ہو گیا تھا۔ اور کوئی آگ میں پڑنے سے سیاہ تھا کیونکہ یہ سکے یا تو پانی سے جال ڈالکر نکالے گئے تھے یا محاصروں کے بعد

شہر کے ویرانوں سے برآمد ہوئے تھے۔ ہملکار نے ایک نظر میں اس امر کا اندازہ کر لیا کہ جو دولت اس وقت آنکھوں کے سامنے ہے وہ اس نفع یا نقصان کا لحاظ کر کے جن کی رقوم ابھی پڑھی گئی تھیں درست ہے یا نہیں۔ کمرے سے نکلتے ہی کو تھا کہ نظر دو تیل کے مٹکوں پر پڑی جو بالکل خالی تھے۔ ابدل نیم نے خوف اور حیرت سے اس طرف سے منہ موڑ لیا۔ ہملکار نے بھی ضبط کیا اور منہ سے کچھ نہ کہا۔

اب یہ دونوں پیچیدہ راستوں اور ایوانوں میں سے گذرے حتیٰ کہ ایک دروازے کے سامنے آئے۔ یہاں حفاظت کے خیال سے ایک آدمی ایک لمبی سی زنجیر میں بندھا کھڑا تھا۔ ایک سرا زنجیر کا اس کی کمر میں بندھا تھا اور دوسرا سرا دیوار میں چنا تھا۔ دولت کی حفاظت کا یہ طریقہ قرطاجنیوں نے حال میں رومانیوں سے اختیار کیا تھا۔ اس آدمی کے ناخن اور داڑھی بہت بڑھ گئی تھی۔ اور وہ کبھی دائیں اور کبھی بائیں ایک گرفتار درندے کی طرح چکر کاٹتا رہتا تھا۔ ہملکار کو دیکھتے ہی رو کر کہنے لگا۔

"اے چشم بعل مجھ پر رحم کر۔ مجھے قتل کر دے کیونکہ دس برس سے دن کی دھوپ کو ترستا ہوں۔ تجھے اپنے باپ کی قسم مجھ پر رحم کر۔"

ہملکار نے کچھ جواب نہ دیا۔ صرف تالی بجائی۔ تالی کی آواز سنتے ہی تین آدمی آئے۔ اور چاروں نے مل کر بازو سخت کر کے بند کواڑوں کی اس سلاخ کو کھینچا جو حلقوں میں پڑی تھی۔ کواڑ کھلے اور ہملکار ایک مشعل لیکر اندر گیا اور اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

اس کمرے کی نسبت بالعموم خیال کیا جاتا تھا کہ اس میں ہملکار کے خاندان والوں کی قبریں ہیں۔ مگر یہاں سوائے ایک بڑے منہ کے کنویں کے اور کچھ نہ تھا۔ اس کنویں کے کھودنے کی غرض محض یہ تھی کہ اگر قزاق یہاں گھسیں تو اندھیرے میں وہ کنویں

میں گر پڑیں۔ کنواں بالکل خالی تھا۔ ہملکار اُس کے قریب سے گذرا اور جھک کر ایک بڑے وزنی پتھر پر جو چکی کا پاٹ معلوم ہوتا تھا زور لگایا۔ پتھر نیچے بیلنوں پر حرکت کر کے کسی قدر کھسکا۔ ہملکار اس جھری کے اندر اُترا اور وہ ایک کمرے میں آیا جسکی شکل مخروط کی سی تھی۔

کمرے کی دیوار پر پیتل کی چادریں چڑھی تھیں۔ بیچ میں سنگ خارا کی ایک چوکی پر ارباب کا بیری میں سے ایک کبیر کا بُت جس کو ایتیمیں کہتے تھے منصب تھا۔ ایتیمیں وہ تھا جس نے قلطیبریا میں بہت سی کانیں دریافت کی تھیں۔ بُت کی چوکی کے پاس فرش پر صلیب کی شکل میں چوڑی چوڑی سونے کی ڈھالیں اور بڑے بڑے چاندی کے خم جن میں مُنہ نہ تھا اور جن کی صورت بھی عجیب تھی اور جو کسی مصرف کے نہ تھے آراستہ تھے۔ اس زمانے کا دستور تھا کہ سونے چاندی وغیرہ کی بھاری بھاری چیزیں بنا کر رکھ لیتے تھے۔ تاکہ سونا یا چاندی نہ تو گھسے اور نہ کوئی اُسکو اُٹھا سکے۔

بُت کے سر کے پیچھے ایک چراغ رکھا تھا۔ ہملکار وہاں گیا اور اُسکو اُٹھا کر مشعل سے اُسکو جلایا۔ آناً فاناً میں سبز، زرد، اُودی، نیلی، شربتی اور خون کی مثل سُرخ روشنیاں تمام کمرے میں ہو گئیں۔ یہ کمرہ جواہرات سے بھرا تھا۔ کمرے میں چاروں طرف پیتل کے تار کھنچے تھے۔ ان میں سونے کی تونبیاں دیوار سے ملی اس طرح لگی تھیں کہ وہ دیوار گیریاں معلوم ہوتی تھی۔ ان تونبیوں میں بھی جواہرات بھرے تھے۔ دیوار کے نیچے ایسے پتھر رکھے تھے جن سے جواہرات نکلتے ہیں۔ یہاں زبرجد تھے جنکو جھولوں میں بیٹھکر آدمیوں نے پہاڑ ان سے کھودا تھا۔ یاقوت جمری تھے جو عناق کے بول سے بنائے گئے تھے۔ نشان الجھر تھے جو کترہ قمر سے زمین پر گرے تھے۔ تیانوس اور قسم قسم کے ہیرے، صندلی رنگ کے جواہر، ہیرل کے نگینے مع تینوں اقسام کے۔ یاقوت

ازرق اور بارہ قسم کے فیروزوں کے موجود تھے۔ یہ جواہر دودھ یا برف کے ٹکڑوں کی طرح جن میں نیلے رنگ کی جھلک ہو اپنی چمک دمک دکھا رہے تھے۔ یا اس طرح جیسے چاندی کے ذرّے یا آسمان کے تارے درخشاں ہوں۔ اُن کی چمک یا تو پھیلی ہوئی یا شعاعوں کی مثل نظر آتی تھی۔ علاوہ عقیق اور حجر الیمانی کے جو تریاق بھی تھے وہ جواہرات بھی چمک رہے تھے جن کو بادل کی گرج نے پیدا کیا تھا۔ کوہ زبرقہ سے لایا ہوا یاقوتِ اصفر جس سے دل کا خوف دُور ہوتا ہے۔ بکتریانہ سے مختلف قسم کے آبگینے اور رامون کے سینگ جنہیں سوتے وقت تکئے کے نیچے رکھ لیا جاتا تھا تاکہ خواب نظر آئیں، سب موجود تھے۔

جواہرات کی چمک اور چراغ کی روشنی سونے کی ڈھالوں پر پڑتی تھی، ہملکا کے چہرے پر تبسم تھا۔ اور وہ دونوں ہاتھ سینے پر رکھے کھڑا تھا۔ اِس منظرِ عجیب میں وہ اتنا ہی خوش تھا جتنا کہ اتنی دولت رکھنے پر وہ مسرور ہو سکتا تھا۔ یہ دولت وہ تھی جس تک کسی کی رسائی نہ تھی۔ اور جو کبھی ختم نہ ہونے والی تھی۔ بے حد و بیکراں تھی۔ اسکے اسلاف اُس کے قدموں کے نیچے موت کی نیند سو رہے تھے۔ اور وہ خود اُن ارواح و جنّات کے قریب تھا جو زمین کی تہوں میں آباد تھے۔ اور یہ احساس وہ تھا جو اربابِ کبیری کی مسرّتوں سے ملتا جلتا تھا۔ چہرے پر جو تیز اور روشن شعاعیں پڑتی تھیں اُن کو وہ اُس دامِ ناپدید کے پھندے سمجھ رہا تھا جو عالمِ فنا کے مہیب غاروں پر پھیل کر اسے مرکزِ زمین سے وابستہ کرتے تھے۔

فوراً ایک خیال ذہن میں آیا جس نے اُسے چونکا دیا۔ بڑھا اور ریت کے پیچھے جو دیوار تھی وہاں تک گیا۔ اور اپنے بازو پر جو نشان گدے تھے اُن کو دیکھنے لگا۔ یہ نشان ایک سیدھے خط پر دو عمودار خطوط اور تھے۔ کنعانی اعداد میں یہ علامت تیرہ کے عدد کی تھی۔ آستین نیچی کی اور اب اُس نے دیوار پر پیتل کی تختیاں شمار کرنی

شروع کیں۔ جب وہ تیرھویں تختی پر پہونچا تو پھر آستین چڑھائی اور داہنے بازو پر ایک جگہ چند پیچیدہ علامتیں دیکھیں اور اس اثنا میں وہ ہلکے ہلکے اپنی انگلیاں اس طرح چلاتا رہا جیسے عُود بجانے میں اُسکے تاروں پر کوئی انگلیوں کو حرکت دے۔ آخر کار دیوار پر اپنے انگوٹھے سے اُس نے تین بار ضرب لگائی۔ دیوار کا ایک سالم ٹکڑا اس طرح ہٹا جیسے چول پر کواڑ پھرے۔

دیوار کے ہٹ جانے سے ایک تہ خانہ منظر آیا۔ اس میں بہت سی پُر اسرار چیزیں جن کا نام نہ تھا اور جن کی قیمت کا اندازہ بھی ممکن نہ تھا رکھی تھیں۔ ہملکار تین سیڑھیاں نیچے اُترا اور چاندی کے ایک حوض سے لاما بھیڑ کی ایک کھال جو کسی سیاہ رقیق مادہ میں تیرتی تھی اُٹھالایا۔ اور سیڑھیاں چڑھکر اوپر آیا۔ ابدل نیم حسب سابق اب بھی آقا کے سامنے چلتا تھا۔ ایک لمبی چھڑی جس کی موٹھ پر گھنٹی لگی تھی اُس کے ہاتھ میں تھی۔ اِس چھڑی کو فرش پر مارتا اور ہر کمرے کے سامنے ہملکار کا نام لیتا اور اُسکی تعریفیں کرتا اور اُسکو دُعائیں دیتا چلتا تھا۔

گول کمرے کے برآمدے میں جہاں سے ہر طرف برآمدے شروع ہوتے تھے دیواروں سے لگے چوب الگم کے تختے تیر المنیا کے کچھ ٹکڑے اور کچھووں کی ڈھالوں میں موتی بھرے رکھے تھے۔ ہملکار کی عبا کے دامن ان چیزوں سے مس کرتے چلتے تھے لیکن ہملکار نے عنبر کے ان موزوں کی طرف دیکھا تک نہیں جو آفتاب کی شعاعوں سے تیار ہوتا ہے اور اُسکو ایک متبرک چیز سمجھا جاتا ہے اور خوشبوؤں کی ایک بھاپ کا بادل چھا گیا۔

آواز آئی۔ "دروازہ کھولو"!

دروازہ کھلا اور وہ کمرے کے اندر آئے۔

یہاں دیکھا کہ بہت سے مرد بالکل برہنہ طرح طرح کے کاموں میں مصروف

ہیں۔ کوئی آٹا گوندھ کر روٹیاں بنا رہا ہے۔ کوئی خشک جڑی بوٹی کوٹ رہا ہے۔ کوئی جلتی لکڑیوں کو الٹتا پلٹتا ہے۔ کوئی مٹکوں میں تیل بھرتا ہے۔ چاروں طرف دیواروں میں صدہا بیضوی شکل کے موکھے بنے ہیں اور ان کے پیچھے دیوار کھوکلی ہے۔ دیواروں میں ان موکھوں کی وہ کثرت ہے جیسے اندر سے مکھیوں کا چھتہ ہو۔ کسی موکھے میں چمڑا رنگنے کے تلخ و تیز مزے کے پھل، کسی میں ڈیلیوم، کسی میں زعفران، کسی میں بنفشہ کے پھول منہ تک بھرے ہیں۔ طرح طرح کے گوند، سفوف، شیشے کے قرابے۔ پھولوں بھری شاخیں، گلاب کی پتیاں فرش پر بکھری پڑی ہیں۔ ان ہی کی خوشبو کیا کم تھی کہ ایک انگیٹھی پر کوئی چیز چٹخ چٹخ کر جل رہی تھی۔ اور اس سے دھوئیں کا ایک بادل اٹھ رہا تھا۔ غرض اس کمرے میں خوشبو ایسی تیز تھی کہ سانس لینا مشکل تھا۔

مہتمم عطریات زرد صورت، دراز قامت، جیسے مومی شمع، ہملکار کے سامنے حاضر ہوا۔ اور قریب آکر چاہا کہ میتوپیوم کے پھولوں کا عرق ہملکار کی ہتھیلی پر نچوڑے۔ دو آدمیوں نے ہملکار کے تلووں پر ماکار کی پتیاں ملنی چاہیں لیکن ہملکار نے انکار کیا۔ کیونکہ یہ وحشی لوگ کابیرنی کے رہنے والے مذموم خصائل و عادات رکھتے تھے مگر عطریات کے متعلق ان میں علم سینہ بسینہ چلا آتا تھا۔ اور یہی وجہ ان کی قدر کی تھی۔ مہتمم نے یہ بات ظاہر کرنے کیلئے کہ وہ کام میں کیسا ہوشیار ہے اور ہر چیز کی کسقدر نگہداشت رکھتا ہے ہملکار کو ایلکٹرم کے چمچے پر رکھ کر مولوبیترم کا ذائقہ چکھانا اور پھر تین ہندی پاؤ زہر کو لیکر ان کو سوئے سے گودنا چاہا۔ ہملکار خوشبودار جڑی بوٹیوں کی تجارت میں جو جو چالیں چلی جاتی ہیں اور دھوکے دئے جاتے ہیں ان سے خوب واقف تھا۔ چنانچہ اس نے ایک سینگ جس میں بلسان بھرا تھا اٹھایا اور اسکو جلتی لکڑیوں کے پاس لاکر آگ دکھائی پھر اسکو اپنے جبّے پر گرایا۔ کپڑے پر ایک بھورا داغ پڑا۔ ہملکار سمجھ گیا کہ بلسان اصلی نہیں ہے۔ اور اس نے وہی سینگ مہتمم کے منہ پر کھینچ مارا۔

مگر باوجودیکہ ہملکار کو اس بات پر غصہ آرہا تھا کہ اصلی میں نقلی چیزوں کی ملونی سے مالک کو نقصان پہونچایا جاتا ہے، جب اُس نے چند گٹھے تار کے دیکھے کہ بوروں میں بھر کر سمندر کی راہ سے باہر بھیجنے کے لیے تیار ہیں۔ تو حکم دیا کہ کچھ سُرمہ تار دیں ملا دیا جائے تاکہ وزن بڑھ جائے۔

اب ہملکار نے دریافت کیا کہ تین صندوق سلد اس کے بھرے، جو اُسکے ذاتی استعمال کے تھے، وہ کہاں ہیں۔ مہتمم نے اُنکے بارے میں اپنی لاعلمی کا اقبال کیا۔ اور کہنے لگا۔ "مستاجر سپاہی برہنہ خنجر اور چھرے لیکر غل مچاتے ہوئے گھس آئے تھے۔ جب اُنہوں نے کہا کہ صندوق کھولے جائیں تو میں نے کھول دئے"۔

ہملکار بولا: "تجکو سپاہیوں کا خوف میرے خوف سے زیادہ تھا"۔ چاروں طرف کے دھوئیں میں ہملکار کی آنکھیں غصہ سے انگاروں کی طرح چمکنے لگیں۔ اب اس زرد صورت دراز قامت آدمی کو حقیقت کھلی۔ ہملکار نے ایدل نیم سے کہا کہ سورج ڈوبنے سے پہلے اس مہتمم کو ڈنڈوں سے اتنا پیٹا جائے کہ اسکی کھال اُدھڑ جائے۔

یہ نقصان گو اور نقصانوں سے کم تھا۔ مگر ہملکار غصے سے بیتاب ہو رہا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ مستاجروں کا خیال دل سے دُور کرنا چاہتا تھا۔ مگر قدم قدم پر کوئی نہ کوئی حرکت اُنکی یاد تازہ کر دیتی تھی۔ ان کا سب شور و شر، فتنہ و فساد، ہملکار کو اپنی بیٹی کی بیحرمتی سے متعلق نظر آنے لگا۔

اب وہ گھر کے تمام نوکروں پر اس وجہ سے غضبناک تھا کہ اُن کو سب حال معلوم ہے مگر وہ اُس سے کہتے نہیں۔ کوئی بات ہملکار کو مجبور کرتی تھی کہ وہ اپنی بدنصیبی کی تہ تک معلوم کر لے۔ اب ظلم اور جفاکاری کا جنون اسکے سر سوار ہوا۔ اور وہ گوداموں کے معائنے کو بڑھا جہاں قیر، پٹ سن، جہازوں کے لنگر، رسے، شہد، موم کے ذخیرے رکھے تھے۔ یہ گودام سب کارخانوں کی پشت پر تھے۔ اسکے ساتھ

ہی پارچہ بافی کے کارخانے، سامانِ خورونوش اور سنگ مرمر اور سلفیوم جن مکانوں میں رکھا تھا اُن کا مُلاحظہ بھی کرنا چاہا۔

باغوں میں سے اُس کا گزر ہوا اور ان کاریگروں کو بھی جو اپنے ہی قیام گاہوں میں ہملکار کیلئے طرح طرح کے کام کرتے تھے دیکھا۔ یہ کاریگر جو چیزیں تیار کرتے تھے وہ فروخت کی جاتی تھیں۔ ان کاریگروں میں درزی اور زردوز تھے جو پوشاکوں پر سنہری کام یا تکیوں پر نقش و نگار بناتے تھے۔ یا جوتیوں کی اوگیاں کاٹتے تھے مصر کے کاریگر بڑے مہروں سے کاغذ کے تاؤ گھونٹتے تھے۔ پارچہ بافوں کی دھڑکی۔ اسلحہ سازوں کی سندان پر لوہا کوٹنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

اسلحہ سازوں سے ہملکار نے پکار کر کہا: "تلواریں بنائے جاؤ۔ ہاتھ نہ رکے، مجھے عنقریب اُن کی ضرورت ہوگی۔" اتنا کہکر ہملکار نے اپنے پاس سے ایک ہرن کی کھال نکالی جو زہر میں تر کر کے خشک کی گئی تھی۔ اور اسلحہ سازوں کو دی کہ اس سے سینہ بند تیار کریں۔ جو پیتل یا فولاد کے چار آئینے سے بھی زیادہ تلوار اور آگ سے بچانے والا ہو۔

جب ہملکار کاریگروں کے قریب پہونچا تو ابدل نیم نے چاہا کہ ہملکار کا غصہ ان کاریگروں پر اُتر دلائے۔ چنانچہ اُس نے انہی شکایت کی کسی کام کو دیکھکر کہا: "کیا بُرا کام بنایا ہے، کم کو شرم نہیں آتی حقیقت یہ ہے کہ ہمارا آقا بڑا ہی نیک دل ہے۔" ہملکار بغیر کچھ کہے آگے بڑھا۔

اب ہملکار کو آہستہ چلنا پڑا کیونکہ رستے میں بڑے بڑے درخت جڑ سے لیکر چوٹی تک ملے پڑے تھے کیفیت یہ تھی جیسے جنگل میں کسی مقام پر ڈیرے ڈال کر چھوڑ دیے کچھ دنوں ٹھیرے ہوں۔ احاطوں کی باڑیں بھی جا بجا ٹوٹی پڑی تھیں۔ اور نالیوں کے ٹوٹ جانے سے پانی ضائع ہو رہا تھا۔ تیشیوں کے گملے بے ہنر دولی

ہڈیاں کیچڑ کے تھاویوں میں پڑی سڑتی تھیں۔ جھاڑیوں میں کہیں کہیں کوئی ٹکڑا کپڑے کا اٹکا دکھائی دیتا تھا۔ سیب کے درختوں کے نیچے مرجھائے اور سڑے پھولوں کی ڈھیریاں گھاد بن رہی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہملکار کے نوکر اپنے کام کاج سے غافل ہوئے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اب آقا گھر واپس نہ آئیگا۔

ہر قدم پر غارتگری کے آثار نظر آرہے تھے اور یہ اور زیادہ ثبوت اس بات کا تھا جس کے سننے سے اُس نے انکار کیا تھا۔ یہاں اپنے سُرخ موزوں کو پہنے وہ کیچڑ پر چل رہا تھا اور خراب کر رہا تھا۔ دل میں سوچتا تھا کہ کاش وہ غارتگر سپاہی اس وقت منجنیق کے سامنے ہوتے کہ پتھر اس سے نکلتے ہی اُن کے پرزے پرزے کر دیتے۔ اب ہملکار پشیمان تھا کہ کیوں مجلس کے سامنے اُس نے اُن کی حمایت کی تھی۔ افسوس اُسکو دھوکا دیا گیا۔ اُس کے ساتھ بیوفائی کی گئی۔ لیکن اس وقت نہ تو وہ مستاجروں سے انتقام لے سکتا تھا اور نہ مجلس قرطاجنہ کے قدماء سے اور نہ سلامبو سے۔ اور نہ کسی اور سے۔ آخر کار اُسکو اپنا غضب توڑنے کیلئے ایک شکار مل گیا۔ جسقدر غلام باغوں میں کام کرتے تھے اُن سب کیلئے ایک ہی حکم میں کانوں میں مشقت کرنا تجویز کر دیا۔

ابدل نیم جب ہملکار کو جانور خانوں کی طرف جاتے دیکھتا تو اس کی روح فنا ہوتی۔ لیکن ہملکار اس طرف نہیں گیا بلکہ آٹے کی چکیوں کا رُخ کرکے بڑھا۔ یہاں سے نہایت دردناک گانے کی آواز آرہی تھی۔ ان چکیوں کی کیفیت یہ تھی کہ دو نہایت وزنی سنگِ سماق کے مخروط ایک کے اُوپر ایک رکھے تھے۔ اُوپر والے مخروط پر ایک قیف لگا تھا جس میں پسنے کے لئے اناج ڈالا جاتا تھا۔ اُوپر کا مخروط نیچے کے مخروط پر گردش کرتا تھا۔ گردش کی صورت یہ تھی کہ اُوپر کے مخروط میں موٹی موٹی بلیاں لگی تھیں کچھ آدمی تو سینے اور ہاتھوں کے زور اور کچھ خچروں کی طرح جُتے ہوئے زور

لگا کر یہ چکی چلاتے تھے۔ یہ آدمی جو خچروں کی طرح جُتے ہوتے تھے، تسموں سے اُن کی بغلوں کی کیفیت وہی ہوتی تھی جو اکثر ان گدھوں کی پیٹھ کی دیکھنے میں آتی ہے یعنی زخم پڑے تھے سیاہ چیتھڑے جو اُن کی ستر پوشی کرتے تھے۔ اس مشقت میں اُن کی رانوں پر لگتے تھے۔ بیڑیوں اور زنجیروں کی آواز اُن کے پاؤں سے پیدا ہوتی تھی۔ ان سب کی آنکھیں لال ہو رہی تھیں۔ زنجیریں کھڑکتی تھیں۔ اُن کے مُنہ میں کانسی کی کڑیوں کی زنجیریں بطور دہانے کے لگی تھیں تاکہ وہ آٹا نہ کھا سکیں اور ہاتھوں پر بغیر انگلیوں کے دستانے چڑھے تھے کہ آٹا اُٹھا نہ سکیں۔

جب ہملکار اندر آیا تو چکی کی بلیاں زور زور سے بولنے لگیں۔ اور آٹا پسنے کی آواز بھی تیز ہو گئی۔ بعض چکی چلانے والے گھٹنوں کے بل زمین پر گرے اور پیچھے جو لوگ تھے انکو پیروں میں کچلتے ہوئے آگے بڑھے۔

ہملکار نے غلاموں کے منتظم جدی نیم کو طلب کیا۔ اس کا لباس قیمتی تھا۔ اور اپنی شان اور مرتبہ دکھانے کو وہ اترا تا چلتا تھا۔ عبا سُرخ رنگ کے بڑھیا کپڑے کی تھی۔ دونوں بغلوں کی طرف چاک تھے۔ کانوں کی لویں بھاری بالے پہننے کی وجہ سے چر گئی تھیں۔ دونوں ٹانگوں پر کپڑا جیسے درخت کے تنے پر بل دے کر لپیٹا ہو۔ ٹخنوں سے لیکر کمر تک لپٹا تھا۔ اور کمر میں ایک سونے کی پیٹی تھی۔ ہاتھوں میں انگوٹھی چھلے کثرت سے تھے۔ اور ہاتھ میں سیاہ پتھر کے دانوں کی ایک مالا تھی۔ غرض اس مالا کی یہ تھی کہ اگر غلاموں میں کسی کو جذام کا مرض ہو تو فوراً معلوم ہو جائے۔

ہملکار نے اشارہ کیا اور فوراً چکی چلانے والے غلاموں کے مُنہ کے دہانے کھول دئے گئے۔ دہانوں کے اترتے ہی یہ غلام آٹے پر گر پڑے۔ جیسے بھوکے جانور دانے پر گرتے ہوں۔ آٹے کے ڈھیر میں انہوں نے سر گھسیڑ دئے تاکہ جسقدر زیادہ ممکن ہو کھائیں۔

ہملکار نے جدی نیم سے کہا کہ "تم نے ان غلاموں کی حالت بہت خراب کر دی ہے"

جدی نیم نے عرض کیا "ان کو قابو میں رکھنے کی اس کے سوا دوسری ترکیب نہیں ہے"

ہملکار نے کہا "ہم نے تجھے تربیت کی غرض سے مرقوعہ میں غلاموں کے مدرسے میں بھیجا تھا مگر افسوس سب بیکار ثابت ہوا"

اب باورچی، خانساماں، سائیس، ہرکارے، کہار، حماموں کے ملازم، عورتیں مع بچوں کے سب ایک صف میں کھڑے کئے گئے۔ یہ صف کارخانوں سے لیکر ہرنوں کے احاطے تک چلی گئی تھی۔ یہ سب دم سادھے کھڑے رہے۔ تمام میگارا میں خاموشی کا عالم عجیب تھا۔ گورستان سے نیچے جھیل تک دھوپ کھلی تھی۔ مور ناچ رہے تھے۔ ہملکار ایک صف کے معائنہ میں ایک ایک قدم آگے بڑھتا تھا۔

نوکروں کی صف میں بڈھے آدمیوں کو دیکھکر کہنے لگا "میرے لئے یہ کسی مصرف کے نہیں۔ بہتر ہے کہ یہ سب فروخت کر دئے جائیں۔ ان میں گالیہ کے لوگ ضرورت سے زیادہ ہیں۔ یہ بڑے شرابی ہوتے ہیں۔ اقریطش کے آدمی بھی بکثرت ہیں۔ یہ جھوٹ بہت بولتے ہیں۔ ان سب کو علیحدہ کر کے ان کی جگہ کپادوسیہ یا ایشیا یا حبش کے غلام خریدے جائیں۔

بچوں کی کمی دیکھ کر تعجب کرنے لگا۔ اور کہا کہ "ہر سال بچے پیدا ہونے چاہئیں۔ جدی نیم تم کو اس کا خیال رکھنا چاہئے۔ رات کے وقت غلاموں کی جھونپڑیاں کھلی رکھو تاکہ جس طرح مرد عورت چاہیں آپس میں ملتے جلتے رہیں"

اب ذیل مجمع میں جو لوگ بچ رہے تھے مریض اور باقی تھے ان کو بتایا گیا۔ ہملکار

جدّی نیم پر ناراض ہوا۔ اور ان بدکاروں کے لئے سزائیں تجویز کیں۔ جدّی نیم نے اپنی پیشانی جس پر چتّی بھنویں تھیں، نیچی کی۔ اور ایک مضبوط حبشی کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔

"چشم لعل۔ اس آدمی کو ملاحظہ فرمائیں۔ یہ کل گردن میں رسّی ڈالے پکڑا گیا تھا"

ہلکار نے اس سے کہا "بدبخت کیا تو مرنا چاہتا ہے؟" غلام نے بالکل نڈر ہو کر کہا "ہاں میں مرنا چاہتا ہوں"

ہلکار اس مصیبت سے آزادی چاہنے والے غلام کی طرف سے ایسا ہی بے پروا رہا جیسا کہ وہ اپنے اور نقصانوں کی طرف سے ابتک بے پروا رہا تھا۔ نوکروں کو حکم دیا کہ "اس غلام کو یہاں سے لیجاؤ"

پھر بولا "ممکن ہے کہ یہ غلام کسی بُت پر سے اپنی جان قربان کرنا چاہتا ہو، لیکن اس کی خودکشی دوستوں کو جو اس سے بھی زیادہ سخت ہونگے کام سے بیزار کر دے گی"

جدّی نیم نے لنگڑے لُولے زخمی غلاموں کو نوکروں کے پیچھے کھڑا کر دیا تھا۔ لیکن ہلکار نے اُن کو دیکھ لیا۔

ایک سے پوچھا "تیرے ہاتھ کس نے کاٹے؟"

جواب دیا کہ "سپاہیوں نے"

پھر ایک سمنی سے جو زخمی لق لق کی طرح کھڑے سے گرنے کو ہو رہا تھا، پوچھا "تجھے کس نے زخمی کیا" معلوم ہوا کہ جدّی نیم نے لوہے کی سلاخ مار کر اُس کی ٹانگیں توڑ دی ہیں۔

اس وحشیانہ ظلم کو سُن کر ہلکار غصّہ سے اپنے آپے میں نہ رہا اور جدّی نیم کے ہاتھ میں جو سیاہ پتھر کے دانوں کی مالا تھی وہ اُسکے ہاتھ سے چھین لی اور کہا۔

"اُس کُتّے پر لعنت ہے جو گلّے کو نقصان پہونچائے۔ ارے کمبخت کیا تو میرے غلاموں کی ٹانگیں توڑنے یہاں ہے۔ اس طرح تو تُو اپنے آقا کو تباہ کر دیگا" حکم ہوا کہ "اسکو یہاں سے لیجاؤ اور گوبر اور لید کے ڈھیر میں اُس کا سر گھسیٹ کر اُس کا دم نکال دو۔ اور وہ غلام جن کا پتہ نہیں ہے وہ کہاں ہیں۔ کیا اُن کو تُو نے مار ڈالا۔ کیا مستاجروں سے مل کر اُن کو بھی تُو نے ہی ختم کیا؟"

ہملکار کے چہرے پر اس وقت وہ قہر و غضب تھا کہ عورتیں تو ڈر کے مارے دیکھتے ہی سب بھاگ گئیں۔ جدی نیم قدموں میں گرا ہملکار کے نعلین کو بار بار چومتا تھا اور ہملکار جدی نیم پر ہاتھ اُٹھائے کھڑا تھا۔ غلام پیچھے ہٹے اور ایک بڑا حلقہ بنا کر گرد کھڑے ہو گئے۔

ہملکار کے ہوش و حواس اس وقت ایسے ہی قائم تھے جیسے کہ لڑائی میں گھمسان کے وقت رہا کرتے تھے۔ ہزارہا قبیح و کریہہ باتیں یاد آئیں اور جس جس طریقے سے اُسکی ہتک اور توہین کی گئی تھی۔ مگر اُس نے چشم پوشی کی تھی خیال میں آنے لگیں اور اب قہر و عتاب اُس سے اس طرح ظاہر ہوا جیسے طوفانی بادل میں بجلیاں چمکتی ہوں۔ جسقدر نقصانات ہوئے تھے اور جو جو آفات آئی تھیں وہ سب یکبارگی آنکھوں کے سامنے چمک اُٹھے۔ معلوم ہوا کہ بیرونی علاقوں میں جسقدر کارندے اور منتظم اُس نے مقرر کئے تھے وہ سب مستاجروں کے خوف سے اپنے علاقے چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ممکن ہے کہ وہ مستاجروں سے مل گئے ہوں۔ ہملکار کو خیال ہوا کہ یہ شخص اسکو فریب اور دھوکا دے رہا۔ اسوقت تک اُس نے بڑے ضبط سے کام لیا تھا۔

ایک دفعہ ہی چیخا "سب کو یہاں حاضر کیا جائے۔ گرم لوہے لا کر سب کے ہاتھوں پر داغ لگائے جائیں تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ وہ بزدل ہیں"

اب زنجیریں، بیڑیاں، ہتکڑیاں، لوہے کے طوق اور چھریاں لائی گئیں اور باغ کے

وسط میں یہ چیزیں مختلف جگہ رکھی گئیں .....

تمام سزا پانے والوں کو سورج کی طرف منہ کر کے بٹھایا گیا یعنی خدائے مولیخ کی طرف اُن کا منہ کیا گیا۔ اور یہ وہ خدا تھا جو سب کو نگل جاتا تھا .....

اور اب سزائیں شروع ہوئیں۔ رونے پیٹنے کا غُل تکلیف اور درد کی چیخیں ہر طرف گونجنے لگیں۔ دیکھنے والے ڈر کر بھاگے۔ شیروں کو بھی اپنے پنجروں میں ضیافت کا دن یاد آگیا۔ اور وہ پنجروں کے دروازوں کے قریب آ کر جمائیاں لینے لگے۔

درد و تکلیف آہ و زاری کی آوازیں سُن کر سلامبو اپنے بالاخانے کے صحن میں آئی مضطر و پریشان اِدھر اُدھر گھبرائی گھبرائی پھرتی تھی۔ ہملکار نے بیٹی کو دیکھا اور اُسے ایسا معلوم ہوا کہ سلامبو اسکی طرف ہاتھ بڑھا کر کہتی ہے بس تقصیر معاف کرو۔ ہملکار قہر و غضب کی مجسم تصویر بنا ہاتھیوں کے احاطے کی طرف آیا۔

یہ ہاتھی وہ تھے جن پر قرطاجنہ کو فخر و ناز تھا۔ اس وقت جو ان کے مالک تھے اُن کے باپ دادا کو وہ اپنی پُشت پر بٹھا کر میدان جنگ میں لے گئے تھے۔ لڑائیوں میں اُن کو فتح نصیب ہوئی تھی۔ اور وہ سب ربّ الشمس کی عزیز ترین مخلوق میں سمجھے جاتے تھے۔

قرطاجنہ میں میگارا کے ہاتھی سب میں قوی ہیکل اور زبردست تھے۔ ہملکار جب لڑائی پر جانے لگا تھا تو ابدل نیم سے اُس نے قسم لی تھی کہ وہ ان ہاتھیوں کی بڑی حفاظت کریگا۔ لیکن متاجروں نے کئی ہاتھیوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے اور وہ سب زخموں کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ اب صرف تین ہاتھی زندہ بچے تھے جو اسوقت احاطے کے بیچ میں خاک پر پڑے لوٹ رہے تھے۔ ان کا احاطہ بھی کئی جگہ سے ٹوٹ گیا تھا۔ ہملکار کو دیکھتے ہی ان ہاتھیوں نے اپنے آقا کو پہچان لیا۔ اور اُسکے قریب آئے۔

ان میں سے ایک کے کان بری طرح سے دو پارہ کر دیئے گئے تھے۔ دوسرے کے گھٹنے

پر بہت بڑا زخم تھا۔ تیسرے کی سونڈ کٹی تھی۔ ان ہاتھیوں نے صاحبِ عقل مخلوق کی طرح اپنے آقا کو رنج اور افسوس کے ساتھ دیکھا۔ اور وہ جس کی سونڈ کٹی تھی اُس نے اپنا سر جُھکایا اور گھٹنے موڑ کر چاہا کہ کٹی ہوئی سونڈ کے ٹھنٹ کو آہستہ سے آقا کو مس کرے۔

ہاتھی کے اس ارادے کو دیکھکر ہملکار کی آنکھوں سے دو آنسو نکل کر رخسار پر آئے اور وہ ابدل نیم پر دوڑا۔ ابدل نیم پیچھے ہٹا اور زمین پر گرتے ہی بیہوش ہو گیا۔

رنگ سازی کے کارخانوں کی پشت سے جہاں سے نیلا نیلا دھواں اُٹھ رہا تھا ہملکار نے گیدڑ کی آواز سُنی۔ کسی قدر توقف کے بعد اُسکو اپنے فرزند کا خیال آیا۔ اس کا غصہ اس طرح دور ہو گیا جیسے کسی خُدا نے اُسکو چھو لیا ہو۔ بیٹے کے تصور میں اُس نے اپنی طاقت اور قوت کو آئندہ قائم اور جاری رہتے دیکھا۔ اور اپنی ذات کو سمجھا کہ اُس کی وجہ سے وہ آئندہ ایک زمانہ لامعلوم تک قائم رہیگی۔ غلام جو اردگرد کھڑے تھے اُن کی سمجھ میں نہ آیا کہ کس چیز نے مالک کے غصے کو اس طرح یکلخت ٹھنڈا کر دیا۔

رنگ سازی کے کارخانوں کی طرف جانے کے راستے میں وہ مقام آتا تھا جہاں غلام یا اسیرانِ جنگ رہتے تھے۔ یہ ایک لمبی عمارت تھی جو نشیب میں ایک مُربع قطع زمین پر بنی ہوئی تھی۔ اس کے چاروں طرف ایک تنگ راستہ تھا اور گوشوں پر چار چار سیڑھیاں تھیں۔

ابدی بعل کو رات ہونے تک ہملکار کا انتظار کرنا تھا اسلئے ملاقات کی کچھ جلدی ہملکار کو نہ ہوئی۔ اور وہ اس قیدخانے کو جس میں غلام اور اسیران جنگ رہتے تھے، دیکھنے نیچے گیا۔ کسی نے چلاکر کہا "ہٹ آؤ!" مگر جو زیادہ ہمت والے تھے وہ اسکے ساتھ ہو لئے۔

کھلا ہوا دروازہ ہوا سے ہل رہا تھا۔ تنگ روشندانوں سے شام کی ہلکی روشنی اندر آرہی تھی۔ دیواروں سے ٹوٹی ہوئی زنجیریں لٹکی دکھائی دیں۔ اسکے سوا اسیران جنگ کا وہاں کوئی نشان نہ تھا۔

ہملکار کے چہرے پر غیر معمولی زردی کھنڈی اور جو لوگ اس نشیب کو اوپر سے دیکھ رہے تھے اُن کا بیان ہے کہ اُنہوں نے ہملکار کو دیوار کا سہارا لیتے دیکھا کہ کہیں گر نہ پڑے۔

لیکن اب گیدڑ کی آواز مسلسل تین بار آئی۔ ہملکار نے سر اُونچا کیا لیکن چہرے پر کسی بات کی کوئی علامت نہ تھی۔ اور جب سُورج پورا ڈوب لیا تو وہ ایک جھونپڑی کے پیچھے جا کر غائب ہو گیا۔ اور اسی رات جب کہ وہ ہیکل عشمون میں دولتمندوں کی مجلس میں شریک ہوا تو اُس نے کہا۔

"اے بعل کی روشنیوں۔ مَیں قرطاجنی فوجوں کا مستاجروں کے مقابلے میں سپہ سالار ہونا قبول کرتا ہوں"

باب (۸)

دریائے ماکار پر لڑائی

دوسرے ہی دن ہملکار نے مجلس ہی بیتیا سے دولاکھ تینتیس ہزار کیکارِ طلائی وصول کئے۔ اور دولتمندوں میں سے ہر شخص پر چودہ شاقل محصول لگایا۔ عورتوں نے بھی چندہ دیا۔ بچوں کی طرف سے بھی روپیہ دیا گیا لیکن ہملکار کی جو حرکت سب سے قبیح تصور کی گئی وہ یہ تھی کہ کاہنوں کی جماعتوں کو بھی روپیہ مہیا کرنے پر مجبور کیا۔

شہر میں جتنے گھوڑے خچر یا ہتیار تھے وہ سب طلب کر لئے۔ جن لوگوں نے اپنا مال و متاع چھپانا چاہا اسکو فروخت کرا کے قیمت ضبطِ سرکار کی۔ اور دوسروں پر زر پرستی کم کرنے کے لئے خاص اپنی جیب سے ساٹھ جوڑے زرہ کے اور پندرہ سو گومرا تا دیا۔ یہ کل چیزیں قیمت میں اس رقم کے برابر تھیں جو تاجرانِ عاج نے چندے میں دی تھی۔

سپاہی بھرتی کرنے کے لئے اٹلی کے علاقہ لیگوریا میں آدمی روانہ کئے۔ انہوں نے وہاں جاکر تین ہزار پہاڑیوں کو بھرتی کیا۔ یہ لوگ ایسے دلیر تھے کہ جنگلوں میں ریچھوں سے کشتی کیا کرتے تھے۔ ہر پہاڑی کو جو بھرتی ہوا چھ مہینے کی تنخواہ فی یوم چار تنی کی شرح سے پیشگی ادا کی گئی۔

اِس پر بھی ایک باقاعدہ فوج کی ضرورت باقی رہی۔ اِس باقاعدہ فوج کے لئے ہملکار نے شہر کے سرکس وناکس کو بھرتی نہیں کیا جیسا کہ حانو نے کیا تھا بلکہ جو لوگ زیادہ موٹے اور بھدے یا بزدل تھے اُن کو خارج رکھا۔ یا جو لوگ بیٹھکر کام کرنے کے خوگر تھے اُن کو بھی بھرتی نہیں کیا۔ لیکن بدچلن آدمیوں کو جو میگارا کی بدترین آبادی میں شمار ہوتے تھے۔ یا وحشی قوموں کی اولاد یا آزاد شُدہ غلاموں کو بلا تکلف فوج میں داخل کیا۔ اور اِس کے معاوضہ میں اُن سے وعدہ کیا کہ قرطاجنہ جدید میں اُن کو تمام شہری حقوق عطا کئے جائیں گے۔

سب سے پہلی بات جو ہملکار سے عمل میں آئی وہ چلیئن شرف کے جوانوں کی اصلاح تھی۔ یہ لوگ اپنے تئیں جمہوری ریاست کا فوجی بادشاہ سمجھتے تھے۔ جو لوگ اُن میں افسر تھے اُن کا درجہ توڑ کر اُن کو معمولی سپاہی کر دیا۔ اس کے علاوہ اور بھی سختیاں اُن پر کیں۔ دوڑنے کودنے اور ہر ساکی چڑھائی پر بغیر دم لئے چڑھنے کی مشق کرائی۔ جاولن کا نشانے پر پھینکنا۔ کُشتی لڑنی بھی اِن کو سکھائی گئی۔ رات کو چوک میں پتھر کے فرش پر سونے کا اِن کو حکم ہوا۔ حالت یہاں تک پہونچی کہ جب اُن کے گھر والے آکر اِن کو دیکھتے تھے تو اُن پر رحم آتا تھا۔

ہملکار نے حکم دیا کہ لمبی تلواروں کی جگہ چھوٹی تلواریں باندھی جائیں اور جوتے زیادہ مضبوط پہنے جائیں۔ نوکروں کی تعداد جو ہر سپاہی کے ساتھ رہتی تھی، کم کی۔ اور ہر سپاہی کا سامان جو اُس کے ساتھ ہوتا تھا اسکو بھی گھٹایا۔ اور باوجود کاہن کبیر کی مخالفت اور اعتراضوں کے ہملکار نے تینتیس ۳۳ رومانی تلا جو مولخ کے ہیکل میں بطور امانت محفوظ تھے نکلوا لئے۔

عقیقہ کے معرکے سے جو ہاتھی زندہ بچے تھے اُن میں ایسے ہاتھیوں کو جو لوگوں کے بیچ گئے تھے شامل کر کے بہتر ہاتھیوں کا ایک کتیبہ تیار کیا۔ اور اُن کو ساز و سامان سے

آراستہ کر کے ایسا زبردست اور مضبوط بنالیا کہ کسی سے وہ مغلوب نہ ہو سکتے تھے۔ فیلبانوں کو ہوگریاں اور لوہے کی میخیں دی گئیں کہ اگر لڑائی میں ہاتھی بگڑیں یا بے قابو ہو جائیں تو میخیں اُنکے سر میں ٹھونک کر اُنکے مغز پھاڑ دیں۔

ہملکار نے مجلس عظمیٰ کو اس امر کی اجازت نہیں دی کہ وہ لشکر کا امیر یا سالار اپنی طرف سے مقرر کرے۔ ارکانِ مجلس یعنی قدما نے اعتراض کیا کہ اس طرح کا تقرر خلافِ قانون و دستور ہو گا۔ لیکن ہملکار نے اُن کا اعتراض نہ مانا۔ رفتہ رفتہ شکایتیں اور اعتراض بند ہوئے اور ہملکار کے زورِ عقل و فرزانگی کے سامنے کسی کی بات نہ چلی۔

ہملکار نے لڑائی ریاست کے نظم و نسق اور مالی انتظام کی تمام ذمہ داریاں اپنے سر لیں۔ اور اس خیال سے کہ بعد کو کوئی الزام اُس پر عائد نہ ہو اُسنے یہ بات منظور کر لی کہ لڑائی کے مصارف کی جانچ پڑتال حانو کے سپرد کی جائے۔

شہر پناہ کی مرمت کے لئے آدمی مقرر کئے۔ اور شہر کی اندر والی فصیل کو پتھروں کیلئے گروا دیا۔ شرفاء شہر نے اس فصیل کے انہدام پر افسوس کیا۔ وجہ یہ تھی کہ کنعانی عصبیت نے ابھی تک فاتحوں و مفتوحوں کی اولاد میں فرق قائم رکھا تھا۔ پس شرفا جو بنی کنعان سے تھے اُنھوں نے برا مانا اور عوام خوش ہوئے گو وہ یہ نہ جانتے تھے کہ کیوں خوش ہیں۔

فوجیں ہتیاروں سے درست صبح سے شام تک شہر کے تمام کوچہ و بازار میں گشت لگاتی تھیں۔ کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ نفیر و دہل کی آوازیں نہ آتی ہوں۔ جنگی رتھ جن میں خیمے ڈھالیں اور برچھے بھرے ہوتے تھے اِدھر سے اُدھر دوڑتے نظر آتے۔ صحنوں میں عورتیں بھری رہتیں اور سب بیٹھی روئی تونتیں۔ ریاست کے ہر شخص میں وہی جوش و خروش تھا جو ہملکار کے دل میں تھا۔

سپاہیوں کی ہر صف میں ہملکار نے یہ التزام رکھا تھا کہ ہر کمزور آدمی کو دو طاقتور

آدمیوں کے بیچ میں رکھا تھا تاکہ لڑائی کے موقع پر کمزور اور بزدل بھی اپنے طاقتور ہمسایوں کی وجہ سے تھمے رہیں۔ اور جی توڑ کر لڑیں۔ لیکن تعداد کے اعتبار سے حال یہ تھا کہ تین ہزار لی گوریوں اور قرطاجنہ کی بہترین فوجوں کو ملا کر بھی وزنی ہتیار رکھنے والی فوجوں کا شمار چار ہزار چھیانوے سے زیادہ نہ تھا۔ حفاظت کے سامان میں ان سپاہیوں کے پاس برنز کے خود اور چوب درار کے چودہ چودہ ہاتھ لمبے برچھے تھے۔

دو ہزار نوجوانوں میں ہر ایک کو ایک ایک گوپیا اور ایک ایک خنجر اور ایک ایک جوڑا چپل کا دیا گیا۔ ان کی کمک پر آٹھ سو آدمی اور تھے جن کے پاس گول ڈھالیں اور رومانی قماش کی تلواریں تھیں۔

وزنی ہتیار والے رسالوں میں جیش اشرف کے وہ سوار تھے جو حال کے معرکے سے زندہ بچکر آئے تھے۔ ان کی تعداد صرف انیس سو تھی۔ یہ سوار برنز سرخ کی پتلی زرہ پہنتے تھے۔ یہ زرہ اسی قسم کی ہوتی تھی جیسے کلی نابری سواروں کی جن کا تعلق ملک اشور سے تھا۔ چار سو مرکب سوار تیر انداز تھے جو کرتے پہنتے تھے۔ اور بدرجہ آخر بارہ سو حبشی تھے جو کاروان میں رہتے تھے۔ ان حبشیوں کو کلی باریوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ تاکہ وہ ان سواروں کے گھوڑوں کی ایال ایک ہاتھ سے پکڑے چلیں۔ غرض لڑائی کا پورا سامان ہو چکا تھا مگر ہملکار لڑائی پر روانہ نہ ہوتا تھا۔

ہملکار اکثر رات کے وقت قرطاجنہ سے نکلکر جھیل سے گذرتا ہوا دریائے ماکار کے دہانوں کی طرف جایا کرتا۔ لوگوں میں سوال پیدا ہوتا کہ کیا اس کا ارادہ مستاجروں سے مل جانے کا ہے تاکہ جو مقصد ان کا ہے وہی اپنا بھی کر لے ہملکار کے مکان کے گرد ماپیلیا میں لیگوری فوجیں ڈیرے ڈالے پڑی تھیں۔

قرطاجنہ کے دولتمندوں کو جس بات کا خوف تھا وہ درست نکلا۔ کیونکہ ایکدن دیکھا گیا کہ تین سو حبشی مستاجروں کا ایک غول قرطاجنہ کی شہر پناہ کی طرف آرہا ہے۔

ہملکار نے اُس کے لئے شہر کا دروازہ کھلوا دیا۔ یہ تین سو وحشیوں کا غول یا تو خوف کی وجہ سے یا ہملکار کے ساتھ وفاداری کے خیال سے اپنے ساتھیوں سے علیحدہ ہوا تھا اور وہ بعجلت تمام اپنے آقائے سابق یعنی ہملکار کے پاس چلے آئے۔

قرطاجنہ میں ہملکار کی واپسی پر مستاجروں کو ہرگز تعجب نہ تھا کیونکہ وہ اُس کی نسبت سمجھتے تھے کہ وہ کبھی مریگا نہیں۔ اور یہ کہ حکومت دینے کے متعلق جو وعدے اُسنے اُن سے کئے تھے اُن کے پورا کرنے کیلئے واپس آیا ہے۔ اُن کی یہ اُمید اس بنا پر بے وجہ نہ تھی کہ قوم اور اُس کی سپاہ میں نااتفاقی بہت تھی۔ علاوہ اسکے مستاجر اپنے تئیں بےقصور سمجھتے تھے۔ ضیافت والا دن اُنکے ذہن سے محو ہو چکا تھا۔

مستاجروں کو ان تین سو پر جاسوس ہونے کا دھوکا ہوا اور جب اُنہوں نے اُن کو اچانک آن پکڑا تو اُنہوں نے مستاجروں کا دھوکا دُور کر دیا اور صاف کہدیا کہ "ہم ہملکار کے پاس جا رہے ہیں" اس پر وہ لوگ بھی جو کسی بات پر رضامند نہ تھے اس کامیابی سے خوش ہوئے اور جو تھڑدلے تھے اُن میں بھی جوش پیدا ہوا۔ اس کے علاوہ مستاجر اس وقت دو شہروں (عتیقہ اور ہپوزرتہ) کے محاصروں میں تعویق سے تنگ آگئے تھے اور سمجھتے تھے کہ تم کہ لڑائی کا ایک مرتبہ ہو جانا بہتر ہوگا۔ بہت سے مستاجر فوج سے جدا ہو کر اِدھر اُدھر پڑے پھرتے تھے۔ جب اُنہوں نے لڑائی کی تیاری کی خبر سُنی تو اپنی اپنی فوج میں چلے آئے۔ ماتو بھی لڑائی کی تیاری کی خبر سُنکر خوشی سے اُچھل پڑا اور کہنے لگا "آخر کار لڑائی کا دن آ ہی گیا"!

اس وقت تک جو غصہ ماتو کو سلامبو پر تھا وہ اب ہملکار کی طرف منتقل ہو گیا۔ اب اُس کو اپنی نفرت اور عداوت کا نشانہ بنانے کے لئے ایک شخص واضح طور پر نظر آنے لگا۔ چونکہ انسان کے تصور میں انتقام آسانی سے آجاتا ہے ماتو کو یقین ہو گیا کہ اب ہملکار سے بدلہ نکالنا اُس کے بس کی بات ہے۔ اور اب وہ اس انتقام کی

صورتیں طرح طرح کی اپنے ذہن میں باندھنے لگا مگر اس کے ساتھ ہی وہ ایک اعلیٰ اور نرم خیال سے بھی متاثر تھا۔ حالانکہ سلامبو سے ملنے کی خواہش اُس کا کلیجہ کھائے جاتی تھی کبھی سوچتا تھا کہ ہملکار کا سر نیزے پر لئے مستاجروں کی سپاہ میں گشت لگاتا ہونگا۔ پھر خیال آتا تھا کہ سلامبو کے کمرے میں اُس کے پلنگ پر اس ماہوش کو اپنے کنارِ محبت میں لئے ہونگا۔ اور اُس کے بوسے لیتا ہونگا۔ اور اُس کے لمبے اور سیاہ بالوں پر ہاتھ پھیرتا ہونگا۔ مگر یہ تصوّر اُس کے لئے ایک عذابِ جانکاہ تھا۔ کیونکہ اس خیال کا عمل میں آنا غیر ممکن تھا۔ چونکہ اُس کے ساتھیوں نے اُسکو شاتی شیم یعنی سپہ سالار مقرر کر دیا تھا اسلئے لڑائی کو جاری رکھنے کا تہیہ اُس کو کرنا پڑا تھا۔ اور چونکہ اس لڑائی سے اپنے جانبر ہونے کا یقین نہ تھا اسلئے لڑائی کا انجام وہ اپنی موت سمجھ رہا تھا۔

ماتو، اسپندیوس کے خیمے میں آیا اور کہنے لگا "تم اپنی فوجیں لاؤ میں اپنی فوجیں لاتا ہوں اور اتاریتیوس کو مطلع کر دو کہ اگر ہملکار نے ہم پر پہلے حملہ کر دیا تو پھر ہمارا پتہ نہ چلیگا تم سُنتے بھی ہو یا نہیں۔ بس اُٹھو"!

اسپندیوس کو ماتو کے اس تحکمانہ اندازِ گفتگو پر سخت حیرت ہوئی۔ کیونکہ ابتک یہ دیکھا گیا تھا کہ ماتو دوسروں کی ہدایت پر چلا کرتا تھا علاوہ اس تحکمانہ اندازِ تقریر کے اُس کے چہرے سے غصہ و غضب بھی ٹپک رہا تھا۔ اور اُس کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اپنے ارادے میں پختہ ہے۔ اور یہ چمک ایسی تھی جیسے کسی سوختہ قربانی کا شعلہ ہو۔ اسپندیوس کے سامنے ماتو نے اپنی تقریر میں جو دلائل پیش کئے اُن کی مطلق پروا اسپندیوس نے نہ کی۔ اس وقت وہ ایک قرطاجی خیمے میں جس کے حاشیوں پر موتی ٹکے تھے بیٹھا چاندی کے پیالوں سے ایسے شربت پی رہا تھا جس سے دل کو ٹھنڈک ہو۔ اور ایک موسیقی کا آلہ جسکو کوناس کہتے تھے بجا رہا تھا۔ عنیقہ کے محاصرے میں بڑے اطمینان سے اس وقت وہ مصروف تھا۔ علاوہ اس کے مخبروں نے

خبر دی تھی کہ یہ امر یقینی ہے کہ چند روز میں اہلِ شہر اپنے شہر کے دروازے محاصرین پر کھول دیں گے۔

نرہیواس جو تینوں لشکروں میں کبھی یہاں کبھی وہاں پڑا پھرتا تھا اِس موقع پر اسپندیوس کے خیمے میں موجود تھا۔ ماتو اور اسپندیوس میں جب بحث ہونے لگی تو اُسنے اسپندیوس کی رائے کو صائب مانا اور ماتو پر اعتراض کیا کہ وہ اپنی جوانمردی اور شجاعت کے زعم میں محاصروں کی طرف سے بے پرواہ ہے۔

ماتو نے نرہیواس سے کہا کہ "اگر تم اتنا ڈرتے ہو تو پھر ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ اور یہاں سے رخصت ہو۔ تم نے قیر، گندھک، ہاتھی، پیدل فوجیں اور سوار دینے کا وعدہ کیا تھا۔ یہ چیزیں کہاں ہیں؟"

اس پر نرہیواس نے ماتو کو یاد دلایا کہ حانو کی آخری فوجوں کو اُس نے غارت کر ہی دیا تھا۔ رہے ہاتھی تو جنگلوں میں پکڑے جا رہے ہیں۔ اور پیدل فوجوں کو ہتیاروں سے مُہیا کیا جا رہا ہے۔ سوار اور گھوڑے راستے میں ہیں۔" اتنا کہکر اس نومیدی شہزادے نے عورتوں کی طرح آنکھیں دکھانی شروع کیں اور اس طرح مسکرایا کہ ایسے مسکرانے پر دوسروں کو غصہ آ جائے۔ نرہیواس جس وقت یہ گفتگو کر رہا تھا تو سیمرغ کے پر سے کھیلتا جاتا تھا جو اُسکی ٹوپی میں لگا تھا اور اس وقت اُسکے شانوں پر اُڑ رہا تھا۔ ماتو کے روبرو جو باتیں اُس نے کیں ماتو اُس کا جواب نہ دے سکا۔

اتنے میں ایک آدمی جس کو کوئی یہاں پہچانتا نہ تھا سر سے پاؤں تک پسینے میں تر، ڈر کے مارے بُرا حال۔ کمر کی پیٹی کھلی ہوئی۔ تلووں سے خون جاری خیمے میں آیا۔ سانس اس قدر کھینچکر لیتا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ اب پسلیاں ٹوٹ جائیں گی۔ زبان اُسکی کوئی سمجھتا نہ تھا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا تھا اور معلوم ایسا ہو رہا تھا کہ کسی لڑائی کا حال اپنی زبان میں کہہ رہا ہے۔

اُس کو دیکھ کر نرہیواس بادشاہ نومیدیا خیمے سے باہر نکل آیا اور اپنے سواروں کو اُس نے فوراً طلب کیا۔

نرہیواس کے سوار جس قدر تھے وہ میدان میں حاضر ہوئے۔ اور اپنے بادشاہ کے گرد ایک بڑا حلقہ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ نرہیواس اپنے گھوڑے پر حلقے کے بیچ میں سر جھکائے بیٹھا ہونٹ چباتا رہا۔ آخر کار اُس نے اپنے سواروں کے دو حصّے کئے۔ ایک حصّے کو حکم دیا کہ یہیں ہمارا انتظار کرتا رہے اور دوسرے حصّے کو ساتھ لئے گھوڑے کو سرپٹ ڈالے پہاڑوں کی طرف غائب ہو گیا۔

اسپنڈیوس نے ماتو سے کہا "آقا میں ان عجیب و غریب واقعات کو پسند نہیں کرتا۔ ہملکار کی واپسی اور نرہیواس کا اس طرح غائب ہو جانا۔ دونوں باتیں عجیب ہیں۔"

ماتو بولا "ان باتوں سے ہمارا کیا بگڑتا ہے؟"

"معلوم ہوتا ہے کہ نرہیواس آتارتیوں کے پاس گیا ہے اور یہ دوسرا ثبوت ہملکار کی پیش بندیوں کا ہے۔ لیکن اگر انہوں نے شہروں کا محاصرہ اُٹھا لیا تو پھر شہر کے لوگ باہر نکل کر محاصرین پر عقب سے حملہ کر دیں گے اس حال میں کہ قرطاجنی سامنے سے حملہ آور ہوں گے۔" غرض بہت کچھ گفتگو کے بعد فیصلہ یہ ہوا کہ:

اسپنڈیوس پندرہ ہزار فوج لیکر دریائے ماکار کے پل پر جو عتیقہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے جائے اور پل کے دونوں سروں پر چار برج بنا کر ان پر منجنیق نصب کرے۔ تمام راستوں، ندی نالوں کو جو پہاڑوں میں ہوں درختوں کے تنوں، چٹانوں کے ٹکڑوں، تنکوں اور کانٹوں کی ٹٹیوں اور پتھر کی دیواروں سے بند کر دے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر گھاس کے بڑے بڑے انبار جمع کئے جائیں اور چرواہے جو دور کی چیز دیکھتے ہیں بڑے مشّاق ہوں وہاں بٹھا دئے جائیں۔"

رہی سپاہی برچھیوں پر سہارا لیے کچھ سوچتے ہوئے خاموش کھڑے تھے۔ انکے علاوہ جو لوگ گھروں میں تھے وہ لمبی آہیں بھرتے تھے۔

آفتاب غروب ہونے پر فوجیں قرطاجنہ کے مغربی دروازے سے باہر نکلیں لیکن بجائے تونس کی سڑک پر یا عتیقہ کی سمت میں قریب کے پہاڑوں کی طرف جانے کے کُل فوج سمندر کے کنارے کنارے چلی اور جلد جھیل کے قریب پہونچ گئی۔ یہاں جھیل کے کناروں سے ملے، گول گول حلقے نمک سے سپید ہوئے نظر آئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی چاندی کی سینیاں جھیل کے کنارے بھول کر چھوڑ گیا ہے۔

اب ایسے گڑھے جن میں پانی بھرا تھا راہ میں زیادہ آنے شروع ہوئے۔ زمین رفتہ رفتہ نرم ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ سپاہیوں کے پاؤں دلدل میں دھنسنے لگے۔ ہملکار فوج کے آگے گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔ گھوڑے کے جسم پر زرد زرد داغ اتنے بڑے تھے کہ وہ قصے کہانیوں کا پردار اژدہا معلوم ہوتا تھا۔ ہملکار برابر دلدل میں سے گزرتا تھا۔ گھوڑا دلدل میں سے بڑی طاقت لگا کر گذرتا تھا اور اُس کے مُنہ سے سپید سپید جھاگ نکل کر اِدھر اُدھر اُڑتے تھے۔ رات زیادہ ہوگئی۔ شبِ ماہ نہ تھی۔ بعض سپاہی چیخے کہ ہم تو مرے جاتے ہیں۔ ہملکار اُن کے قریب آیا اور اُن سے ہتیار لیکر نوکروں کو دیدئے۔ مگر دلدل اب زیادہ گہری ہوتی گئی۔ بعض سپاہیوں کو سامان کی گھوڑوں پر سوار ہونا پڑا۔ بعض نے گھوڑوں کی دُمیں پکڑ لیں۔ اور اُن کو پکڑے پکڑے آگے چلتے رہے۔ جو مضبوط تھے اُنہوں نے کمزوروں کو گھسیٹا۔ لیگوری فوج والوں نے پیدل فوجوں کو برچھیوں کے ہولے دے کر آگے بڑھایا۔ اندھیرا بڑھا۔ فوجی راستہ بھولے اور سب ٹھیر گئے۔

اب ہملکار کے غلام ان پیپوں کی طرف بڑھے جو ہملکار نے پہلے ہی جھیل کے کنارے راستہ آسانی سے ملنے کی غرض سے مقررہ فاصلوں پر ڈلوا دئے تھے۔ غلاموں نے

اندھیرے میں آوازیں لگائیں۔ فوج ان آوازوں پر آگے بڑھی۔

آخرکار زمین اتنی سخت ہوگئی کہ پاؤں اُس پر ٹھہرنے لگا۔ پھر ایک سپید سپید گولائی دُھندلی دُھندلی نظر آئی اور سپاہیوں کو معلوم ہوا کہ وہ دریائے ماکار کے کنارے پہونچ گئے ہیں۔ باوجود سردی زیادہ ہونے کے آگ نہیں جلائی گئی۔

جب آدھی رات ہوئی تو ہوا کے تیز جھونکے آنے لگے۔ ہملکار نے سپاہیوں کو جو آب آرام کرتے تھے بیدار کرایا۔ ترم یا نفیر نہیں بجا فوج کے افسروں نے ہر سپاہی کے شانوں کو ہلکے سے ہلایا۔

ایک لمبے قد کا آدمی دریا کے پانی میں اُترا۔ پانی اس کی کمر تک نہیں پہونچا معلوم ہوا کہ دریا کو پایاب اُترنا ممکن ہے۔

ہملکار نے حکم دیا کہ بتیس ۳۲ ہاتھی سو سو قدم کے فاصلے سے دریا کے عرض میں کھڑے کئے جائیں اور اسی طرح کچھ فاصلے سے دوسری صف ہاتھیوں کی کھڑی کی جائے۔ تاکہ ان کی آڑ سے بہتے پانی کا زور کم ہو اور جو سپاہی بہنے کو ہو رہے ہیں وہ رُک جائیں۔ غرض کُل سپاہ دونوں ہاتھ اوپر کو اُٹھائے ہاتھیوں کی ان صفوں میں سے گذر کر دریا کے پار پہونچ گئی۔ اور اس طرح حفاظت سے پہونچ گئی جیسے کوئی دو دیوار میں گذر کر چلا جائے۔ ہملکار کو اس کا علم تھا کہ جب مغرب کی سمت سے ہوا چلتی ہے تو ریت اس کثرت سے دریا میں اُڑ کر آتا ہے کہ دریا تقریباً اس سے اَٹ جاتا ہے اور دریا پار ہونے کے لئے اُس پر ایک قدرتی راستہ بن جاتا ہے۔ اس وقت وہ دریا کے بائیں کنارے پر تھا اور عتیقہ کا شہر سامنے تھا۔ اور دُور ایک وسیع میدان تھا جو ہاتھیوں کے لئے نہایت مُناسب تھا۔ سچ پوچھیے تو یہ ہاتھی ہی لشکر کی جان تھے۔

ہملکار کے اس حُسنِ تدبیر پر سپاہیوں میں ایک جوش پیدا ہوا اور ایک مرتبہ

سوچا یہ تھا کہ حانو کی طرح ہملکار گرم چشمے والے پہاڑوں کی طرف سے آکر حملہ نہیں کرے گا۔ ہملکار اس نتیجے پر پہونچے گا کہ اتاریتیوس جو اندرونی علاقوں (یعنی تونس وغیرہ کے علاقوں) پر قابض و متصرف ہو رہا ہے اُس نے ہملکار کے لئے تمام راستے مسدود کر رکھے ہوں گے۔ اگر اِدھر رُخ کیا تو ہملکار سمجھ لے گا کہ اس کے معنی قطعی تباہی کے ہوں گے۔ اور پھر فتح حاصل کرنے کے لئے ایک دوسری لڑائی از سرِ نو اُس وقت لڑنی پڑے گی جبکہ مستاجر کچھ ہٹ کر مقابلے پر آمادہ ہوں گے۔ ہملکار نے اتنا ضرور سوچا ہو گا کہ وہ راس انگور پر اُتر سکتا ہے اور پھر وہاں سے عتیقہ اور ہپوزرتہ پر حملہ کر سکتا ہے۔ لیکن اس صورت میں وہ اپنے کو دو مختلف لشکروں کے درمیان پائے گا اور یہ امر مقتضائے احتیاط نہ ہو گا۔ اور جس حالت میں کہ فوج کم رکھتا ہے وہ ایسا نہ کریگا۔ لامحالہ ہملکار کوہ آریانہ کے گرد پہاڑ کے نیچے نیچے چکر کاٹتا ہوا نکل کر اپنے بائیں کو مُڑ جائے گا تاکہ دریائے ماکار کے ڈھالوں سے بچ کر نکلے اور پھر وہ سیدھا ماکار کے پُل پر آئے گا۔ وہاں ماتو اُس کے انتظار میں ہو گا۔

رات کے وقت مشعلوں کی روشنی میں ماتو ان مزدوروں کے کام کی نگرانی کرتا تھا جو راستوں کو روکنے کے کام میں لگے تھے۔ کبھی ہپوزرتہ میں جو کام پہاڑ میں ہوتا تھا اُسے دیکھنے جاتا۔ اور پھر وہاں سے پلٹتا۔ بہرکیف کسی وقت بھی وہ آرام نہ لیتا۔ اسپندیوس کو اس کی اس محنت اور تندہی پر رشک آتا۔ لیکن جہاں تک جاسوسوں کا انتظام تھا یا پہرے والوں کے انتخاب یا منجنیقوں اور فلاخنوں کے نصب کرنے کی تدبیریں تھیں ماتو اسپندیوس کی صلاح اور مشورے کو بے چون و چرا سُنتا تھا۔ سلامبو کا ذکر اب نہ ماتو نہ اسپندیوس کرتے تھے۔ اسپندیوس تو اس وجہ سے کہ اس کا خیال تک اب اس کو نہ آتا تھا اور ماتو کو ذکر کرتے ہوئے ایک قسم کی شرم

دامنگیر ہوتی تھی۔

اِس اثنا میں ماتو اکثر قرطاجنہ کی طرف اِس خیال سے جایا کرتا کہ کم سے کم ایک جھلک ہی ہملکار کی فوجوں کی نظر آ جائے۔ کبھی زمین پر اوندھا پڑ کر کان زمین سے لگا کر سنتا۔ لیکن اپنے ہی دل کی دھڑکن اور نبضوں کے چلنے کی آواز کو فوجوں کے چلنے کی آواز سمجھتا۔

ایک دن اُس نے اسپندیوس سے کہا کہ "ہملکار اگر تین دن کے ختم ہونے پر لڑنے نہ نکلا تو میں اپنی کل سپاہ لیکر بڑھوں گا اور اُسکو لڑنے پر مجبور کروں گا" اسپندیوس نے ماتو کو اس قصد سے باز رکھا۔ لیکن چھٹے دن صبح کو ماتو اپنی فوجیں لیکر چل پڑا۔

قرطاجنی بھی مستاجروں کی طرح لڑائی شروع ہونے کیلئے کچھ کم بیصبر و بیقرار نہ تھے۔ خیموں اور گھروں میں یکساں انتظار اور گھبراہٹ تھی۔ ہر شخص پوچھتا تھا کہ ہملکار اتنا توقف کیوں کر رہا ہے۔

ہملکار اکثر ہیکلِ عشمون کے بڑے گنبد پر چڑھتا اور منارۂ قمر کے پاس جا کھڑا ہوتا۔ ہوا کا رُخ بھی دیکھتا رہتا۔

ایک دن ماہ تیبی کی تیسری تاریخ تھی کہ ہملکار بڑی تیزی سے قلعہ قرطاجنہ سے نیچے اُترتا دکھائی دیا۔ تمام مایپلیا میں غُل مچ گیا۔ سڑکوں اور بازاروں میں لوگوں کا ہجوم ہوا۔ سپاہی جہاں جہاں تھے ہتیار لگانے اور زرہیں پہننے لگے۔ عورتیں بھی آن موجود ہوئیں اور اُن سے گلے مل کر رونے لگیں۔ اب جسقدر سپاہی تھے سب ہیکلِ خامون پر جمع ہوئے۔ اور صفوفِ جنگ میں جس جس کی جو جگہ پہلے سے مقرر تھی وہاں جا کھڑا ہوا۔ کسی کو حکم نہ تھا کہ سپاہیوں کے پیچھے چلے یا اُن سے بات کرے اور فصیلوں پر چڑھنے کی بھی سخت ممانعت تھی۔ چند لمحے تک تمام شہر پر گورستان کی سی خاموشی طاری

جائے۔ اور خالص شراب کا ایک پیالہ پیکر دوڑتا ہوا اپنی فوج میں پہونچا۔ اسپندیوس کی فوج اس وقت عتیقہ کی فوج شامل ہونے کو تھی۔

عتیقہ کی فوجیں اسپندیوس کی فوجوں سے اس قدر عجلت سے آکر ملیں کہ ہملکار کو کافی وقت نہ ملا کہ وہ اپنی فوجوں کو لڑانے کے لئے پورے طور پر صف بستہ کرسکے۔ ہملکار کی فوجیں جو بڑھتی چلی آتی تھیں ان کی رفتار میں اس نے رفتہ رفتہ کمی کی۔ ہاتھی چلتے چلتے ٹھہر گئے۔ کھڑے ہوئے تو وہ اپنے بھاری سر جن پر شترمرغ کے پروں کے ڈھیر لگے تھے ہلانے اور اپنی سونڈوں کو اپنے شانوں پر پھیرانے لگے۔

ہاتھیوں کے بیچ میں جو جگہ چھوٹی تھی اس میں سے ہلکے ہتیار والی پیدل فوج نظر آئی۔ ان سے کچھ پیچھے کلی باریوں کے اونچے اونچے خود اور ان کی چمکتی تلواریں جو دھوپ میں جگمگا رہی تھیں اور ان کے جھنڈے اور بیرق ہوا میں لہراتے دکھائی دئے۔ لیکن کلی باریوں کی فوج کی تعداد صرف گیارہ ہزار چھیانوے تھی۔ فوج ایک تنگ متوازی الاضلاع کی شکل میں ایک جگہ صف بستہ تھی۔ اور یہ پتا نہ چلتا تھا کہ اتنی تنگ جگہ میں اس تعداد کی فوج کیونکر سما گئی۔

وحشی مستاجروں نے جن کی تعداد ہملکار کی فوجوں سے تگنی تھی جس وقت دیکھا کہ ہملکار کی فوج کمزور ہے تو ان کے دل خوش ہوگئے۔ ہملکار خود کہیں نظر نہ آتا تھا۔ لیکن وہ کہیں ہو یا نہ ہو اس سے اس وقت کچھ بحث نہ تھی۔ اور انہوں نے ان قرطاجنی تاجروں کو جو اس وقت سپاہی بن کر آئے تھے بڑی حقارت سے دیکھا۔ اور پیشتر اس سے کہ اسپندیوس جنگ کے لئے نقل و حرکت کا حکم دے سب اس حکم کو سمجھ گئے اور اس پر عمل کرنے لگے۔

مستاجر فوجوں نے پھیل کر اپنے کو ایک ہی صف میں اس طرح کھڑا کیا کہ قرطاجنی فوج کا سامنا اور اس کے دونوں سرے گھیر لئے۔ مدعا یہ تھا کہ قرطاجنی فوجوں کے

گرد حلقہ باندھ لیں۔

لیکن جب دونوں فوجوں کے درمیان تین سو قدم کا فاصلہ رہ گیا تو قرطاجنہ کے ہاتھی بجائے آگے بڑھنے کے پیچھے کو مڑے اور ان کے مڑنے پر کیا دیکھتے ہیں کہ کلی باریوں کی فوج جو ہاتھیوں کے پیچھے کو مڑ گئی۔ مستاجروں نے جب دیکھا کہ قرطاجنی تیرانداز بھی ان سب کی طرح پیچھے ہٹ رہے ہیں تو ان کی فوج میں قرطاجنیوں کی تحقیر و تذلیل کے نعرے بلند ہونے لگے۔ مستاجر سمجھے کہ قرطاجنی ڈر کر بھاگ رہے ہیں۔ اسپنڈیوس ساونڈنی پر سے اونچا بیٹھا زور سے چلایا "میں تو پہلے ہی جانتا تھا مستاجرو۔ آگے بڑھو۔ آگے بڑھو" اور اب مستاجروں کی فوجوں سے جاولن، تیر اور گوپھوں سے پتھر قرطاجنیوں پر برسنے لگے۔ ہملکار کے ہاتھیوں کے بدن پر جب تیر چبھے تو وہ اور تیز دوڑنے لگے۔ وہ گرد و اتنی اڑی کہ اس کے بادل ان کے چاروں طرف چھا گئے۔ خاک کا اڑنا اور شور و غل کا اس درجہ ہونا ایسا تھا کہ مستاجر گویا گرد اور شور کے گرداب کی طرف کھچے چلے جاتے تھے۔ اب پیدل فوجیں نمودار ہوئیں انھوں نے اپنی صفیں پاس پاس کرلیں اور پھر مستاجروں نے دیکھا پیدل دوڑتے اور سوار گھوڑوں کو سرپٹ ڈالے چلے آتے ہیں۔

واقعہ یہ تھا کہ ہملکار نے جو اپنی فوجوں کو کتیبے (فی لنکس) کی شکل میں لا رہا تھا۔ حکم دیا کہ وہ اپنے اجزا کو علیحدہ کریں اور اس تجربہ میں ہلکی ہتیار والی فوجوں اور سواروں میں جو جگہ خالی چھوٹے اس میں سے گذر کر جس قدر جلد ممکن ہو وہ لشکر کے بازووں پر آجائیں۔ ہملکار نے اپنی فوجوں اور افواج مخالف کے درمیانی فاصلے کا اندازہ ایسا صحیح کیا تھا کہ جب تک مستاجروں کی فوج سامنے آئے قرطاجنی فوجیں سب کی سب مقابلہ کیلئے ایک خط مستقیم میں آراستہ ہو چکی تھیں۔

بیچ میں چھوٹے چھوٹے لنکس (کتیبے) تھے۔ ان کے ہتیار دھوپ میں چمکتا

رہے تھے۔ ہر کیتبے میں سولہ نیزہ بردار طول میں اور اتنے ہی عرض میں تھے۔ یہ سب نیزے تانے استادہ تھے۔ پہلی چھ صفوں کے آدمی اپنے اپنے نیزے بیچ میں سے پکڑے تھے۔ اور باقی دس صفوں میں پچھلی صف والوں نے اگلی صف والوں کے کندھوں پر اپنے برچھے ٹکا رکھے تھے۔ کیتبے کے سرداروں کے گرد بھی نیزہ بردار کھڑے تھے۔ ہر چھوٹے کیتبے میں بھی ترتیب تھی۔ سب کے آدھے آدھے چہرے خودوں کے بھلم میں چھپے تھے۔ اور دائیں پنڈلی پر لوہے کا غلاف چڑھا تھا۔ استوانوں کی شکل کی ڈھالیں اتنی بڑی کہ سر سے لیکر گھٹنوں تک ڈھک دیں، ہر ایک کے پاس تھیں۔ ہملکار کی جس قدر فوجیں تھیں وہ سب ایک ہی فے لنکس میں آراستہ تھیں۔ اور پورا فے لنکس جب چلتا تھا تو ایک ساتھ حرکت کرتا تھا۔ اس طرح جیسے کوئی جاندار چلے یا کوئی بڑی کل چلتی ہو۔ اسکے دونوں پہلوؤں پر دو دو صفیں ہاتھیوں کی تھیں۔ دشمن کے تیر جب ان کی کالی اور موٹی کھال پر لگتے تھے تو جھر جھری لیکر وہ اُن کو گرا دیتے تھے۔ ہندوستان کے فیل بان اُن کی گردنوں پر سیمرغ کے پروں کے جھرمٹ میں بیٹھے تھے اور اپنے انکسوں سے ہاتھیوں کو روکے تھے۔ اُوپر ہودجوں میں تیر انداز سانوں تک چھپے کمانیں تانے اور تیروں کے سروں پر جلتے فتیلے لگائے حملے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ ہاتھیوں کے دائیں بائیں قنبلہ انداز ایک گوپیا ٹانگوں سے لپٹا۔ دوسرا سر پر رکھا تیسرا داہنے ہاتھ میں لئے تھے۔ کلی باری سوار جن کے پیچھے ایک ایک حبشی ملازم تھا اپنے نیزے اس طرح لئے تھے کہ اُن کے پھل گھوڑے کے دونوں کانوں کے بیچ میں نظر آتے تھے۔ گھوڑے اور سوار دونوں سر سے پاؤں تک سونے کی زرہ میں ڈھکے تھے۔

ان کے پیچھے ہلکے ہتیار رکھنے والی فوج تھی۔ ان میں سب کی ڈھالیں عناق کی کھال کی تھیں۔ سب کے بائیں ہاتھ میں جاؤلن تھا۔ تارنتیں کے رسالے جن میں ہر سوار اپنے آگے دو دو کوتل گھوڑے بندھے ہوئے رکھتا تھا اس وقت سپاہیوں کی قطاروں کو

جو دیواریں معلوم ہوتی تھیں اُنکے پہلوؤں پر پُشتبان بنا کھڑا تھا۔

برعکس اسکے متاجروں کا لشکر اپنی صف قائم نہ رکھ سکا۔ اس کا طول تنا زیادہ تھا کہ بیچ میں فصیل اور بے قاعدگی پیدا ہونے لگی۔ اور سپاہی دوڑتے دوڑتے ہانپنے لگے۔ قرطاجنیوں کا کتیبہ (فےلنکس) بڑی شان سے آگے بڑھتا رہا۔ اور اپنے لمبے برچھوں سے متاجروں کی صفوں کو پیچھے ہٹاتا چلا گیا۔ متاجروں کی صفوں میں ردیفیں اتنی کم تھیں کہ وہ قرطاجنیوں کے حملے سے جلد ٹوٹ جاتی تھیں۔

اب قرطاجنی فےلنکس کے دائیں اور بائیں حصے نے متاجروں کو جو ان حصوں کے عقب میں تھے گھیر لیا۔ قرطاجنہ کا فیلنکس اپنے نیزرے ترچھے کئے بڑھتا تھا۔ اب قرطاجنیوں نے متاجروں کو نیزروں کے ہولے دینے شروع کئے۔ حتیٰ کہ اُن کی فوج کے ٹوٹ کر دو حصے ہو گئے۔ ان دونوں حصوں کی حالت بھی ابتر تھی۔ قرطاجنی قنباہ اندازوں نے جو قرطاجنی فوجوں کے چپ و راست تھے انہوں نے اپنے گویوں سے پریشان کر کے متاجروں کو فےلنکس کی طرف بھگایا۔ سوائے دو سو نو مودی سواروں کے جو کلی باریوں سے مقابلہ میں مصروف تھے متاجروں کے پاس فوج سوار مطلق نہ تھی کہ وہ قرطاجنیوں کو ہٹا سکتے۔ متاجروں نے دیکھا کہ اب دُشمن کی فوجوں نے اُن کے گرد حلقہ ڈال دیا ہے اور وہ اِس حلقے سے صحیح سلامت باہر نہیں نکل سکتے اب اُن کے لئے نہایت خطرناک موقع پیدا ہو گیا ہے اور فوراً قطعی فیصلہ کرنے کی اشد ضرورت ہوگی۔

اسپنڈیوس نے اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ سب مل کر ایک دم سے قرطاجنی فیلنکس پر یلغار کر دیں اور اس بات کی کوشش کریں کہ فےلنکس کے بیچ میں سے راستہ کر کے دوسری طرف نکل آئیں۔ لیکن قرطاجنی فوجوں کی چھوٹی صفیں لمبی صفوں سے گذر کر اپنی جگہ آ گئیں اور اس طرح فیلنکس اپنے پہلوؤں پر بھی ایسا ہی مضبوط

ہوگیا جیسا کہ سامنے تھا۔ اور اب وہ مستاجروں کے ایلغار کے مقابلے پر آمادہ ہوئے۔

مستاجروں نے قرطاجنیوں کے لمبے برچھوں کے دستوں پر چوٹ کرنی چاہی مگر قرطاجنی سواروں نے اُن کے حملے کو روکا۔ اور قرطاجنی فےلنکس جس کی حفاظت پر ہاتھی تھے کبھی سمٹا اور کبھی پھیلا۔ کبھی مربعے اور کبھی مخروط کی شکل اختیار کی۔ کبھی شبیہ المعین بنا اور کبھی ایسے چار ضلعوں کی شکل معلوم ہونے لگا جس کا کوئی ضلع بھی متوازی نہ ہو۔ فےلنکس کے اندر یہ حال تھا کہ آگے کی صفیں لڑتے لڑتے تھکتیں یا زخمی ہو جاتیں تو وہ پچھلی صفوں میں چلی آتیں اور پچھلی صفیں اس کمی کو آگے بڑھکر پورا کرتیں۔

اب وحشی مستاجروں کو معلوم ہوا کہ قرطاجنی فےلنکس اُن کو پیسے ڈالتا ہے۔ آگے بڑھنا ان کے لئے اب غیر ممکن تھا۔ میدانِ جنگ اب ایک سمندر معلوم ہوتا تھا۔ جس کی سطح پر سُرخ کلغیاں اور پیتل کی زرہیں تیرتی اور ناچتی پھرتی تھیں۔ اور سپید پرتلے والے سپاہی روپہلی کفوں کی طرح کبھی اُبھرتے اور کبھی بیٹھتے نظر آتے تھے۔ اب ایک بڑی چوڑی چکلی موج آئی اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک تیزی سے پھر گئی۔ پھر یہ موج پلٹی۔ اس زبردست موج میں قرطاجنی فےلنکس اپنی جگہ پر قائم رہا۔ باری باری سے برچھے اُٹھتے اور نیچے ہوتے تھے۔ ننگی تلواروں کے ہاتھ اس غضب اور تیزی سے چل رہے تھے کہ صرف اُن کی چمکتی نوکیں نظر آتی تھیں۔ سواروں کے دستے دُشمن کو ہٹا کر اُن کے حلقے سے بنا دیتے اور یہ حلقے ان سواروں کی پُشت پر سپاہیوں کے ہجوم میں غائب ہو جاتے۔

فوجی سرداروں کی للکار اور نعروں، بوق و نفیر کے شور سے بھی تیز مٹی کے گولوں اور ڈھیلوں کے پھٹنے اور گرنے کی آوازیں تھیں۔ یہ چیزیں فلاخن اندازوں کے گوپیوں سے نکل کر زن زن کرتی سب کے سروں پر سے جاتی تھیں، جہاں گرتیں

وہاں کسی کے مغز کو پاش پاش کرتیں۔ کسی کے ہاتھ سے تلواریں گراتیں۔ زخمی ایک ہاتھ سے جس میں ڈھال ہوتی ان لوگوں سے اپنے تئیں بچاتے۔ ڈھالوں کی اوٹ میں تلواروں کے دستے زمین میں گاڑ کر موت کے منتظر ہو جاتے۔ کچھ ایسے ہوتے جو خون کے چھیتھڑوں میں پڑے اس کوشش میں ہوتے کہ جو قرطاجنی ان پر سے پھلانگے اس کے پاؤں میں کاٹ کھائیں۔ سپاہیوں کا ہجوم، گرد و غبار کے دل بادل پھر شور اس قیامت کا تھا کہ کسی چیز میں تمیز نہ ہوتی تھی۔ جو بزدل امان مانگتے تھے، ان کی بات تک نہ سنائی دیتی۔ جن کے پاس کوئی ہتیار نہ رہا تھا وہ دشمن سے گتھ جاتے۔ فولادی چار آئینوں سے ڈھکے سینے شق ہوتے۔ کہیں کوئی اس طرح دکھائی دیتا کہ دشمن اس کے بازوؤں میں دب کر بے جان ہے سر پیچھے کو لٹکا ہے۔ ساٹھ امبریوں کا ایک دستہ ایسا قدم جما کر کھڑا ہوا کہ کوئی اسکو ہٹا نہ سکا۔ گرزیں آنکھوں کے سامنے رکھے یہ امبری دانت پیستے تھے۔ اور اسی حال میں انہوں نے دو زبردست فوجی دستوں کو ایک ہی وقت میں اپنے سامنے سے ہٹا دیا۔ امیپیرس کے چیر والے کلی باری سواروں کے بائیں دستے پر گرے اور لاٹھیاں پھیر پھیرا کر گھوڑوں کی ایالیں پکڑ لیں۔ گھوڑوں نے اپنے سواروں کو گرا دیا۔ اور میدان میں بھاگ نکلے۔ قرطاجنی قنبد انداز جو میدان میں جا بجا کھڑے تھے حیرت سے بدحواس تھے۔ فیلنکس کی حالت تذبذب کی ہوگئی۔ فوجی سردار ادھر ادھر پریشان حال دوڑتے تھے۔ مگر پچھلی صفوں نے سپاہیوں کو مستاجروں کے مقابلے میں آگے بڑھایا اور نئی صفیں قائم کر کے پھر مقابلے پر آئے۔ اب فتح قرطاجنیوں کے قبضے میں ہوگئی۔

لیکن اب ایک آواز ایسی سخت و مہیب پیدا ہوئی جس کو سن کر سب کے دل دہل گئے اور لوگ خوفزدہ ہوئے۔ یہ آواز سخت درد و تکلیف کی تھی۔ بہتر ہاتھی دو صفوں میں اس وقت مصروف جنگ تھے۔ ہملکار نے ہاتھیوں کی صفوں کو اس وقت کیلئے

روک رکھا تھا جبکہ مستاجر سب ایک جگہ ہو جائیں۔ ہندی فیلبانوں نے ہاتھیوں کو اتنے انکس مارے تھے کہ سر سے خون اُن کے کانوں پر بہہ رہا تھا۔ اپنی سیندوریلی سونڈیں وہ اٹھائے تھے جو سرخ رنگ کے اژدہے معلوم ہوتے تھے۔ ہاتھیوں کے سینے سے نوکدار برچھے باہر کو نکلے تھے۔ اُنکی پُشت پر لوہے کی چادریں چڑھی تھیں۔ اُن کی سونڈوں کی لمبان اس طرح بڑھائی تھی کہ فولاد کے ٹکڑے تلوار کی مثل تیز و خمدار اُن میں لگا دئے تھے۔ اور اُن کا غصّہ تیز کرنے کے لئے اُن کو خالص شراب، پسی ہوئی مرچیں اور اور تیز مصالحہ ملا کر پلائی تھی۔ ہاتھیوں نے اپنے گردن کی گھنٹیاں ہلائیں اور بڑے زور سے چنگھاڑے۔ ہودجوں میں تیرانداز بیٹھے دشمن پر تیر چلا رہے تھے۔ فیلبان تیروں سے بچنے کیلئے ایک طرف کو جھکے ہاتھیوں کی گردن پر بیٹھے تھے۔

مستاجروں نے مقابلہ میں زیادہ قوت ظاہر کرنے کی غرض سے ایک دم مل کر قرطاجنیوں پر دھاوا کر دیا۔ ہاتھیوں نے مستاجروں کے اس ہجوم میں اپنے تئیں ڈال دیا۔ اُن کے سینوں پر جو برچھے لگے آگے کو نکلے تھے اُن سے مستاجروں کے ہجوم کو اس طرح چیرا جیسے جہاز موجوں کو چیرتا ہے۔ ہاتھی گو اس وقت خون میں نہائے ہوئے تھے مگر انہوں نے اپنی سونڈوں سے مستاجروں کو مار مار کر اُنکے ڈھیر لگا دئے۔ کسی کو سونڈ میں پکڑ کر اونچے سے زمین پر دے مارا۔ کسی کو سونڈ میں پکڑ کر ہودج کے تیراندازوں کے حوالے کیا۔ بہت سے مستاجر سپاہیوں کے پیٹ کُچلیاں گڑو کر پھاڑ ڈالے۔ اور پھر اُن کو اونچا اُٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ ہاتھی کی کچلیوں پر آدمیوں کی انتڑیاں اس طرح لپٹی نظر آتی تھیں جیسے مستول پر رسیاں لپٹی ہوں۔ وحشی مستاجروں نے کوشش کی کہ ہاتھیوں کی آنکھیں پھوڑ دیں یا اُن کے پاؤں کاٹ کر ان کو لنگڑا کر دیں۔ ہاتھیوں کے نیچے آکر اُن کے پیٹ میں تلواریں قبضوں تک بھونک دیں۔ اور جو زیادہ منچلے تھے وہ ہاتھیوں کو لپٹ گئے اور بادجود گ

اور پتھروں اور تیروں کے انھوں نے آریوں سے چمڑے کے جھنگ کاٹ ڈالے۔ اور باغیوں کی پیٹھ سے ہودج اس طرح گرے جیسے پتھر کی اونچی عمارتیں ڈھ کر زمین پر گریں، بہتر ہاتھیوں میں سے چودہ ہاتھی زخموں سے بیتاب ہو کر آگے والی صف کے ہاتھیوں پر بگڑ کر حملہ کرنے والے ہی تھے کہ فیلبانوں نے ہتوڑے اور میخیں سنبھالیں اور ہتوڑوں سے اُن کے مغز میں میخیں ٹھونک دیں، اور یہ بھاری بھرکم جانور زمین پر ایک کے اُوپر ایک گرے۔ اور معلوم ہوا کہ پہاڑ اور ٹیلے حائل ہو گئے۔ انھی مرے ہاتھیوں کی لاشوں اور مُردہ مستاجروں کے تودوں میں ایک ہاتھی جس کا نام "قہر بعل" تھا پاؤں میں زنجیر الجھی کھڑا رات بھر درد سے چیخیں مارتا رہا۔ کیونکہ اُس کی ایک آنکھ میں تیر چُبھا تھا۔

لیکن باقی ہاتھی جس قدر تھے وہ فاتحوں کی طرح دُشمن کے پامال ہونے پر خوش ہوتے تھے۔ اور وہ دُشمن کی لاشوں کو سخت غیظ و غضب کی حالت میں کچلتے اور روندتے رہے۔ مستاجروں کے چھوٹے چھوٹے حلقے جو ایک سلسلے میں ہاتھیوں کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ ہاتھیوں نے اپنے پچھلے پاؤں پر کھڑے ہو کر چکر لگا کر آگے بڑھنا شروع کیا۔ قرطاجنیوں میں ایک نئی قوت پیدا ہو گئی اور لڑائی از سر نو شروع ہوئی۔

مستاجر اب کمزور ہوتے جاتے تھے۔ بعض یونانیوں نے جو بھاری ہتیار رکھنے والی فوجوں میں تھے اپنے ہتیار پھینک دئے۔ اور جنھوں نے ایسا نہیں کیا اُن پر خوف اس درجہ غالب ہوا کہ وہ میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے دیکھا کہ اسپندیوس اپنی سانڈنی پر آگے کو جھکا بیٹھا ہے۔ سانڈنی کے شانوں پر برچھی چبھوتا ہے۔ یہ دیکھ کر جسقدر مستاجر تھے لشکر کے بازوؤں کی طرف بھاگے اور وہاں سے گذر کر عتیقہ کی راہ لی۔

کلی باری سواروں کے گھوڑے تھک گئے تھے۔ انھوں نے ان بھاگتے مستاجروں

کے تعاقب کی کوشش نہیں کی۔ لی گوریا والے پیاس کی شدت کی وجہ سے چاہتے تھے کہ کسی طرح دریا تک پہونچ جائیں۔ لیکن جن فوجوں میں قرطاجنہ خاص کے لوگ تھے اور اُن کے گرد نیزہ برداروں کے چو مکھے دستے نیزے تانے کھڑے تھے، اُن کو اس لڑائی میں کم نقصان پہونچا تھا۔ اور وہ بیقراری سے پاؤں زمین پر دے دے مارتے تھے۔ اور چیختے تھے کہ افسوس بغیر بدلہ لئے شکار ہاتھ سے نکلا جاتا ہے۔ یہ قرطاجنی بھاگتے مستاجروں میں گھوڑے سرپٹ ڈالے جارہے تھے کہ اتنے میں ہملکار نمودار ہوا۔

چاندی کی راسیں کھینچکر گھوڑے کو روکا۔ گھوڑے کے جسم پر پسینے کے جھاگ جابجا تھے۔ ہملکار کے خود میں جو فیتے لگے تھے وہ ہوا میں اُڑتے تھے۔ بیضوی شکل کی سپر بائیں ران میں دبائے تھا۔ جب اُس نے اپنے نیزے سے جس میں تین پھل تھے، اشارہ کیا تو ایک دم کل فوج بےحس و حرکت ہوگئی۔

تارنتین سوار جسقدر تھے وہ اپنے گھوڑوں سے اتر کر دوسرے گھوڑوں پر سوار ہوئے! اور دائیں بائیں رستہ نکالتے ہوئے دریا کی طرف چلے۔

قرطاجنی فے لنکس نے جو مستاجر زندہ بچے تھے اُن کا بھی خاتمہ کیا۔ مستاجر آنکھیں بند کرکے گلا سامنے کردیتے تھے اور قرطاجنی اُن کو ذبح کر ڈالتے تھے۔ بہت سے ایسے بھی تھے جو مرتے دم تک مقابلہ کرتے رہے۔ بعض ایسے تھے جن کو باولے کتوں کی طرح دوڑا کر آخر کار مار مار کر ختم کیا۔ ہملکار نے مشورہ دیا کہ جو لوگ گرفتار ہوگئے ہیں اُن کو قتل نہ کیا جائے۔ لیکن قرطاجنیوں کو اپنے دشمنوں پر تلوار کے ہاتھ لگانے میں اس درجہ خوشی ہوتی تھی کہ انھوں نے ہملکار کی اس رائے کو بڑے تذبذب اور تامل کے بعد تسلیم کیا۔ جب غصہ پھر بڑھتا تو جیسے کھیت کاٹنے والے درانتی سے کھیت کاٹتے ہیں یہ دشمن کے سر قلم کرتے تھے۔ اور نظریں اُس سوار کی طرف ہوتیں

جو ایک بھاگتے متاجر کے تعاقب میں میدان میں گھوڑا سرپٹ ڈالے جا رہا ہے۔ متاجر کو وہ پکڑ لیتا ہے۔ پہلے اُسکے بال پکڑ کر گھسیٹتا ہے اور پھر اپنے تبر سے اُس کا کام تمام کرتا ہے۔

رات ہو گئی۔ قرطاجنی اور متاجر دونوں میدانِ جنگ سے غائب ہو گئے۔ جو ہاتھی میدان سے بھاگ گئے تھے اُنکو دیکھا گیا کہ وہ میدان میں اِدھر اُدھر پھرتے ہیں اور اُن کی ہودجوں میں آگ لگی ہے۔ جا بجا وہ ایسے نظر آتے تھے جیسے روشنی کے منارے گرد غبار میں آدھے چھپے نظر آئیں۔

اب اس منظر میں جہاں اسقدر کُشت و خون اور ہنگامے برپا ہوئے تھے بجز دریا کی ہلکی ہلکی موجوں کے اور کوئی چیز حرکت کرتی نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ لاشیں البتہ دریا بہا کر سمندر کی طرف لے جا رہا تھا۔

دو گھنٹے کے بعد ماتو آیا۔ تاروں کی روشنی میں اُس نے اِدھر اُدھر زمین پر پڑے بڑے ڈھیر دُھندلے دُھندلے دیکھے۔ یہ متاجر فوجوں کی لاشوں کے ڈھیر اور تودے تھے۔ ماتو زمین پر جُھکا۔ سب بے جان لاشیں تھیں۔ پکارا بھی مگر کوئی آواز نہ سُنی۔

لڑائی والے دن صبح ہی وہ ہزرتہ سے مع اپنی سپاہ کے قرطاجنہ کی طرف روانہ ہوا تھا۔ جب عتیقہ پہونچا تو اسپندیوس کی فوجیں لڑائی کیلئے روانہ ہو چکی تھیں۔ اور عتیقہ کے لوگ شہر سے نکل کر محاصرین کے منجنیقوں میں آگ لگا رہے تھے۔ سب لڑائی میں بڑے جوش و خروش سے لڑے تھے۔ لیکن دریائے ماکار کے پُل کے قریب جو شور تھا وہ برابر بڑھتا ہی گیا تھا۔ ماتو پہاڑوں میں سے بعجلت تمام گذر کر کم سے کم مسافت والے راستے پر آیا۔ چونکہ بھاگنے والے متاجر میدان کی طرف سے بھاگے تھے اسلئے ماتو نے اُن میں سے کسی کو نہ دیکھا۔

ماتو کو اپنے سامنے اندھیرے میں بڑے بڑے چوکور ڈھیر نظر آئے۔ اور دریا پار قریب ہی ایسی روشنیاں دیکھیں جن میں حرکت نہ تھی۔ ہملکار نے بہت سی چوکیاں اس غرض سے قائم کر دی تھیں کہ مستاجروں کو دھوکا ہو۔

ماتو آگے بڑھتا رہا۔ اور اسکو خیال ہوا کہ وہ قرطاجنی نشان دیکھ رہا ہے۔ کیونکہ ہوا میں معلق اسکو گھوڑوں کے سر نیزوں پر منصب نظر آئے اور اس سے آگے گانے بجانے اور شراب کے پیالوں کی جھنکار سنائی دی۔

ماتو کو خبر نہ تھی وہ کہاں ہے۔ اور نہ یہ سمجھ میں آتا تھا کہ اسپندیوس اسکو کہاں ملے گا۔ سخت پریشان اور سراسیمہ تھا۔ راستہ اندھیرے میں بھول بھول جاتا تھا اب بڑی تیزی کیساتھ جس راستے سے آیا تھا پھر اسی پر واپس چلا۔ صبح کی زرد زرد روشنی نمودار ہو چلی۔ پہاڑوں کی بلندی سے عتیقہ کا شہر نظر آیا۔ اور دیکھا کہ شہر کے باہر منجنیق جل کر سیاہ ہو گئے ہیں۔ اور اسی حال میں عتیقہ کی فصیلوں سے لگے کھڑے ہیں۔

ہر چیز پر کچھ عجیب خاموشی طاری ہے۔ اور ہر طرف افسردگی نظر آتی ہے۔ خیموں کے دروازوں میں جھانک کر دیکھا تو سپاہی اندر بالکل برہنہ چت پڑے سو رہے ہیں۔ کوئی ڈھال کے سہارے کوئی ہاتھ سر کے نیچے رکھے بے خبر سوتا ہے۔ بعض زخمی اپنے پاؤں سے خون آلودہ پٹیاں کھول رہے ہیں۔ اور وہ جو لا علاج زخمی ہیں، آہستہ آہستہ اپنا سر کبھی ادھر ڈالتے ہیں کبھی ادھر۔ سنتری پہرے پر اپنے کو گرم رکھنے کیلئے جلدی جلدی ٹہل رہے ہیں۔ کوئی پیاس سے بے تاب اپنے تئیں گھسیٹتا ہوا پانی کی تلاش میں نکلا ہے اور کوئی کندھے پر گرز رکھے سہما ہوا آسمان کی طرف دیکھ رہا ہے۔

اسپندیوس آخر کار ماتو کو مل گیا۔ وہ لکڑیوں پر کپڑا تانے اسکے نیچے گھٹنوں

کے گرد ہاتھ باندھے سر نیچا کیے بیٹھا ہے۔ کچھ دیر تک دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ بات کسی نے نہ کی۔

آخر کار ماتو نے چپکے سے کہا "شکست ہو گئی؟"

اسپندیوس نے بڑی غمگین آواز میں جواب دیا "ہاں شکست ہو گئی" ماتو نے اور جو کچھ پوچھا اس کا جواب بھی ایسے ہی مایوسانہ لہجے میں دیتا۔

مگر اب ماتو اور اسپندیوس نے باہر سے خراٹوں کی آواز سنی۔ ماتو نے کپڑا ہٹایا تو سپاہیوں کو دیکھ کر اسی مقام پر ایک دوسرا سانحہ نظر آیا۔ ماتو نے دانت پیس کر کہا۔

"خبیث ایک مرتبہ پہلے بھی ......"

اسپندیوس نے قطع کلام کر کے کہا "تم اس وقت کہاں تھے؟"

ماتو نے چلا کر کہا "اس میں خدا کا قہر و غضب شامل ہے۔ لیکن دیر یا سویر میں اسکو پکڑ لوں گا۔ میں اس کو مغلوب کروں گا۔ اور جان سے ماروں گا۔ ہائے، کاش میں وہاں ہوتا ....."

ماتو کو یہ خیال کہ وہ جنگ میں شریک نہ ہوا، شکست کے خیال سے بھی زیادہ مجنوں بنائے ڈالتا تھا۔ کمر سے تلوار کھول پھینکی اور اسپندیوس سے پوچھنے لگا "یہ تو بتاؤ کہ شکست کیسے ہو گئی؟"

اس فراری غلام یعنی اسپندیوس نے لڑائی کے حالات اور فوجوں کی نقل و حرکت بیان کرنی شروع کی۔ ماتو کو معلوم ہو رہا تھا کہ وہ خود وہاں موجود ہے۔ غیظ و غضب سے بیتاب ہوا جاتا تھا۔ کہنے لگا کہ "عتیقہ کے لشکر کو بجائے پل کی طرف دوڑ جانیکے ہملکار کے عقب پر حملہ کرنا چاہیئے تھا"

اسپندیوس بولا "کیا میں اتنا نہ سمجھتا تھا"

ماتو نے کہا "تم کو چاہیئے تھا کہ اپنی صفوں میں ردیفیں دو چند کر دیتے۔ اور

ہلکے ہتھیار رکھنے والی فوجوں کو قرطاجنی نے لنکس کے مقابل نہ لاتے۔ تم نے ہاتھیوں کو اندر آنے دیا ہوتا۔ اگر ایسا کرتے تو آخری وقت میں فتح ہماری ہو جاتی۔ اور بھاگنے کی نوبت نہ آتی۔"

اسپندیوس بولا "میں نے تو اسے سرخ خفتان پہنے اپنے قریب سے گزرتے دیکھا تھا۔ دونوں ہاتھ اس کے اونچے تھے۔ اور گرد و غبار کے بادلوں میں وہ سب پر چھایا عقاب کی طرح اپنی فوجوں کے ساتھ اڑتا چلا آتا تھا۔ ہملکار سے اشارہ پاتے ہی یہ فوجیں سب مل کر یکایک ہم پر دھاوا کر بیٹھیں۔ اور اس ایلغار نے ہماری فوجوں کی ترتیب بگاڑ دی۔ اور ایک صف دوسری صف میں گھس گئی۔ ہملکار نے میری صورت دیکھی۔ اس کی نگاہ نے مجھے سرد کر دیا۔ اور ایسا معلوم ہوا کہ وہ نگاہ نہ تھی بلکہ ایک تلوار تھی کہ جو کسی نے سینے کے پار کر دی۔"

ماتو نے کچھ منہ ہی منہ میں پوچھا کہ "کیا لڑائی کا دن اتفاق سے اسی نے منتخب کیا تھا۔"

ان دونوں نے یہ سوال اس غرض سے آپس میں پوچھے تھے کہ کسی طرح یہ معلوم ہو کہ ہملکار نے لڑائی کا دن ایسا کیونکر مقرر کیا جو ان کے حق میں ایسا بدنصیب دن ثابت ہوا دونوں جنگ کے حالات پر غور و فکر کرتے رہے۔ مطلب یہ تھا کہ یا تو اپنا قصور کم ثابت ہو یا اپنی ہمت کو بڑھائیں۔ آخر کار اسپندیوس بولا کہ "ابھی کامیابی کی امید باقی ہے۔"

ماتو بولا "تمہیں امید ہو یا نہ ہو میں خود لڑائی جاری رکھوں گا۔"

اسپندیوس بولا "اور میں بھی یہی کروں گا۔" اتنا کہہ کر وہ کود کر کھڑا ہو گیا۔ اور میں ٹہلنے لگا۔ آنکھیں چمکنے لگیں اور اس گیدڑ کے سے سوکھے جھریاں پڑے چہرے پر تبسم کے آثار پیدا ہوئے اور کہنے لگا کہ "ہم اس لڑائی کو از سر نو شروع کریں گے۔ ماتو

اب تم مجھے چھوڑ کر چلے نہ جانا۔ مجھکو دن کے وقت روشنی میں لڑائی لڑنے کی مہارت نہیں ہے۔ تلواروں کی چمک سے میری بصارت میں فرق آجاتا ہے۔ یہ شکایت مجھکو مدت سے چلی آتی ہے۔ کیونکہ میں ہملکار کے غلام خانے میں عرصہ دراز تک تاریکی میں قید رہا ہوں۔ مگر رات کے وقت کوئی دیوار بتاؤ جس پر میں چڑھ نہ جاؤں۔ میں قلعہ کے اندر داخل ہوسکتا ہوں۔ اور صبح مرغ کی اذان تک سب کی لاشیں ٹھنڈی پڑی ہوں گی۔ کوئی آدمی یا چیز مجھے بتاؤ۔ اس میں چاہے دشمن ہو یا کوئی خزانہ یا کوئی عورت عورت بھی خواہ وہ بادشاہ کی بیٹی کیوں نہ ہو۔ جسے میں تمہارے سامنے حاضر نہ کردوں۔ تم اس بات پر مجھے برا کہتے ہو کہ حانو کے مقابلے میں میں لڑائی ہارا تھا۔ مگر باوجود اس ہار کے جیت میری رہی۔ وہ سور نیاں جن کو قبر میں ڈبو کر میں نے دشمن پر چھوڑا تھا وہ کام کر گئیں کہ اسپارٹا کے فیلنکس سے بھی ممکن نہ تھا۔"

اسپنڈیوس نے اب اپنے کاموں کی بڑائی اور انتقام کی خواہش میں اپنی وہ کل تدبیریں اور چالیں بیان کیں جو اس نے متاجروں کی خاطر اب تک کی تھیں۔ کہنے لگا " یہ میں ہی تھا جس نے گالیہ کے لوگوں کو ہملکار کے باغ میں دنگے اور فساد پر آمادہ کیا تھا۔ اس کے بعد جب سکہ میں متاجر پہونچے تو میں ہی تھا جس نے جمہوری سلطنت قرطاجنہ کا خوف اس درجہ لوگوں میں بٹھا دیا کہ وہ پاگل ہوگئے۔ گسکو متاجروں کو تنخواہیں دے کر برطرف کر رہا تھا۔ میں نے اس بات کو اپنے مقاصد کے خلاف سمجھا کہ ترجمان اپنی زبان کھولیں۔ واہ ان کی زبانیں کیسی منہ کے باہر نکل نکلی تھیں۔ تم کو یاد بھی ہے کہ میں ہی وہ تھا جو تم کو سکہ سے قرطاجنہ لایا۔ زائمف کا چرانے والا بھی میں ہی ہوں۔ میں ہی تم کو سلامبو تک لے گیا۔ تم دیکھنا کہ اب میں اس سے بھی بڑھکر کام دکھاؤں گا۔" اتنا کہکر اسپنڈیوس دیوانوں کی طرح کھلکھلا کر ہنسا۔

دورانِ تقریر میں ماتو اسپندیوس کے منہ کو تکتا رہا۔ اور ایک ایسے آدمی کی موجودگی میں جیسے اسپندیوس تھا اس کا دل بے چین سا رہا۔ بزدل تو وہ تھا ہی مگر اسکے ساتھ ہی سخت خطرناک آدمی بھی تھا۔

اسپندیوس نے انگلیاں چٹخا کر کہا: "واہ کیا بات ہے۔ میں وہ ہوں جس نے بارش اور جلتی دھوپ میں پتھر کی کانوں میں کام کیا ہے اور میں ہی وہ ہوں جس نے شاہانِ بطلیموس کی مثل اپنے ہی طلائی قدح میں وہ شرابیں پی ہیں جو بادشاہوں کے لئے مخصوص تھیں مصیبتیں عقل کو تیز کر دیتی ہیں۔ محنت و مشقت وہ چیزیں ہیں کہ تقدیر کو بھی انسان اپنی مرضی کے مطابق بدل سکتا ہے۔ اچھی تقدیر کو مکاروں اور فریبیوں سے خاص الفت ہے۔ بس سمجھ لو کہ اب تقدیر ہمارے بس میں ہے۔"

اسپندیوس نے یہاں تک جو کچھ کہا تھا وہ اپنے ہی بابت کہا تھا۔ اب وہ ماتو کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا۔

"آقا۔ قرطاجنی اب اپنی فتح کی وجہ سے بالکل مطمئن ہو گئے ہیں۔ ہمارے پاس ایک سالم لشکر ایسا ہے جو ابھی تک کہیں لڑا نہیں ہے اور تمہاری فوج والے سب تمہاری وفاداری کا دم بھرتے ہیں۔ ان کو آگے رکھو اور میری فوجیں پیچھے رہیں۔ غرض صرف انتقام کشی ہو گی۔ میرے پاس اسوقت بھی تین ہزار کاریانی، بارہ سو قنبلہ انداز، اتنے ہی تیر انداز ہیں۔ اور اُن کے دستے پورے پورے ہیں۔ ان سے ہم ایک نئے فلنکس تیار کر سکتے ہیں۔"

اس شکست پر ماتو اس قدر مایوس ہوا تھا کہ اس سے سر سبز ہونا اُس کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ منہ کھلا اسپندیوس کی باتیں سنتا تھا۔ اور زرہ میں برنجی کے طبق جو پسلیوں پر لپٹے تھے دل کے دھڑکنے سے کبھی اُٹھتے اور کبھی بیٹھتے تھے،

ماتو نے اپنی تلوار اُٹھالی۔ اور کہا: "اب آؤ، میرے ساتھ چلو۔ یہاں سے چلنا ضروری ہے۔"

لیکن ہرکارے جب واپس آئے تو انہوں نے خبر دی کہ قرطاجنی میدان سے اپنے مُردے اُٹھالے گئے ہیں۔ پل ٹوٹا پڑا ہے اور ہملکار کا کہیں پتہ نہیں۔